U10920 , P-12-4-10

Title - TARBIYAT-E-AALIM.

Author - Chaudhary Mohd. Abdul Rehman.

Publisher - Prem Printing Press (Jammu).

Date - 1946

Pages - 264.

Subjects -
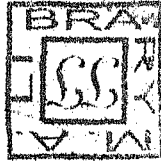
ھٰذا ما وعد الرحمٰن ؕ

# تربیتِ عالم

۲۵۰۱

(چوہدری) محمد عبدالرحمٰن

۱۹۳۶ء

بار اوّل    تعداد ۱۰۰۰    قیمت دو روپے

(پریم پرنٹنگ پریس جموں)

# دیباچہ

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے قرآن مجید میں
خاتم النبیین کا لفظ آیا ہے، اور کچھ شک نہیں کہ آپ آخری
نبی ہیں، لیکن مسلمانوں کا عام خیال ہے، کہ آنحضرت صلعم پر صرف
نبوت ہی ختم نہیں ہوئی، بلکہ سلسلۂ رسالت مطلقاً ختم ہو گیا ہے
آئندہ نہ کوئی مصلح و مربی عالم آ سکتا ہے نہ کوئی مزید ہدایت
خدا کی طرف سے نازل ہو سکتی ہے۔ اگر دنیا یا کم سے کم اسلامی
دنیا کی حالت تسلی بخش ہوتی۔ تو اس خیال کا جائزہ لینے کا سوال
نہ اُٹھتا، لیکن نہ صرف ساری دنیا کی حالت محتاج اصلاح ہے
بلکہ جناب بہاء اللہ ایرانی سابقہ پیغمبروں کی طرح اصلاح و تربیت
عالم کے کام پر من جانب اللہ مامور ہونے کے دعویدار بھی ہیں،
وقت کی پکار اور اس پکار کو پورا کرنے کے دعویدار نے خاکسار
مولف کو اس خیال کی تحقیقات پر آمادہ کیا ہے، اور اس کتاب
کا موضوع یہی تحقیقات ہے۔

اس کتاب میں نہ صرف یہ دکھایا گیا ہے، کہ جن آیات کو
اس خیال کی تائید میں پیش کیا جاتا ہے واقعہ میں وہ اس کے
خلاف ہیں۔ بلکہ سلسلۂ رسالت کی غرض و غایت، پیغمبروں کی
بعثت کا عام قانون، اور قوموں کے بننے اور بگڑنے کے اسباب

بھی قرآن شریف سے دریافت کرنے کی کوشش کی گئی ہے "اس ضمن میں دین، فطرت اور شرائع، قیامت، حشر نشر، حساب کتاب مردوں کا جی اٹھنا اور بہشت دوزخ وغیرہ تمام امور ایک طرف قرآن شریف کے صفحات میں اور دوسری طرف واقعات عالم میں دکھائے گئے ہیں، گویا یہ امور ایسے نہیں جن کا اس دنیا سے کوئی تعلق نہ ہو، اور جنہیں انسان یہاں سمجھ نہ سکتا ہو بلکہ روزمرہ زندگی کے واقعات ہیں، تمام الہامی کتابیں خدا کی تربیتِ عالم کی منظم سکیم کی کڑیاں ہیں، جن کا مقصد نسلِ انسانی کو علمی روشنی سے منور اور سلسلۂ اخوت میں منسلک کرکے بالآخر اسی زمین پر بہشت قائم کرنا ہے۔

اس کتاب میں اگرچہ نادر خیالات کا اظہار کیا گیا ہے، ہر خیال کی تائید میں قرآن شریف سے مفصل حوالے پیش کیے گئے ہیں، مؤلف کے نزدیک فی زمانہ قرآن شریف کو صحیح طور پر نہیں سمجھا جا رہا۔ اور مؤلف نے یہ حقیر کوشش اس لئے کی ہے، کہ لوگ قرآن کے صحیح منشا کو سمجھ کر نسلِ انسانی کو دکھ، درد، فاقہ، بیماری، جہالت اور بغض و عداوت سے نجات دلانے اور اسی دنیا میں اسے محبت، اخوت، اور امن و اطمینان کی بہشت میں داخل کرنے کے کام میں امداد کریں۔

یہ کتاب ہندوستان بھر کے مقتدر علمائے اسلام کی خدمت میں نیازمندانہ عقیدت کے ساتھ بھیجی جا رہی ہے۔ خاکسار محمد عبد الرحمٰن

جموں
۱۶ مئی ۱۹۴۶ء } اسسٹنٹ سکریٹری ہز ہائینس گورنمنٹ جموں و کشمیر

# فہرست مضامین

## معذرت

افسوس ہے کہ اس کتاب کی طباعت خاطر خواہ نہیں ہو سکی، کاغذ پر کنٹرول ہونے کی باعث لاہور وغیرہ بڑے شہروں میں کاغذ حاصل کرنے کی دقت تھی، اور جموں میں جہاں مولف کاغذ حاصل کر سکتا تھا، طباعت کا اعلیٰ انتظام مہیا نہ تھا، اس کمی کو جو ناقابل تدارک مشکلات کے باعث رہ گئی ہے امید ہے کہ ناظرین کرام معاف فرمائیں گے + (مصنف)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ؕ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ ؕ

# مقدمہ

مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ تربیت نسل انسانی کے لئے جس قدر ہدایات خدا کو دینا منظور تھیں قرآن مجید میں دے چکا ہے، اب جب تک انسان کرۂ ارض پر آباد ہے، خدا نے اس کے لئے وہی طرز زندگی پسند فرمائی ہے، جو زمانہ نزول قرآن میں رائج ہوئی، اس میں سر مو تبدیلی خدا کو پسند نہیں۔ اپنے مذاہب کے متعلق آخریت کا یہ دعویٰ مسلمان قوم سے خاص نہیں، اُن سے پہلے ہندوؤں، زرتشتیوں، یہودیوں، عیسائیوں غرضیکہ ہر ملت نے اپنے اپنے مذہب کے متعلق یہی دعویٰ کیا ہے، اور اسی کی بنا پر ہمیشہ ساری قوموں نے ہر نئے مصلح کی مخالفت کی ہے، مسلمانوں کو اقرار ہے، کہ پہلی قوموں نے اپنے اپنے مذاہب کے متعلق آخریت کا دعویٰ کرتے ہیں غلط راہ اختیار کی ہے، لیکن اپنے متعلق ان کو اصرار ہے کہ وہ اپنے مذہب کے بارہ میں اس دعویٰ میں حق بجانب ہیں اور وہ اس کی کئی وجوہات بیان کرتے ہیں۔

۱۔ سابقہ مذاہب قومی اور وقتی مذہب تھے، جن کا دائرہ عمل اپنی اپنی قوم اور اپنے اپنے وقت تک محدود تھا۔ بخلاف اس کے پیغمبر اسلام علیہ السلام کا پیغام عالمگیر ہے، جو تمام قوموں اور تمام زمانوں کو شامل ہے۔

جہاں توریت ھدًی لبنی اسرائیل تھی، قرآن ھدًی للناس ہے۔ جہاں توریت کا پیش کردہ خدا یہوواہ بنی اسرائیل کا قومی خدا تھا قرآن کا پیش کردہ خدا رب العالمین یعنی سب قوموں کا خدا ہے۔ جہاں پہلے پیغمبر اپنی اپنی قوم کی طرف بھیجے گئے تھے، آنحضرتؐ رحمۃ للعالمین ہیں جو کافۃ الناس کی طرف مبعوث ہیں۔

۲۔ مسلمان قوم بہترین قوم ہے اور آئندہ کے لیے دنیا کی راہنمائی و نگرانی کا کام ان کے سپرد کیا گیا ہے۔ جیسے کہ آیہ کریمہ وکذالک جعلناکم امۃ وسطاً لتکونوا شہداء علی الناس ؕ سے ظاہر ہے۔

۳۔ انسان اپنی پیدائش کے اوائل میں کامل واکمل تعلیم کا متحمل نہ ہو سکتا تھا اس واسطے دین کی تدریجاً تکمیل ہوتی رہی۔ نسل انسانی جب بلوغ کو پہنچ گئی تو پیغمبر اسلام علیہ السلام کے ذریعہ کامل تعلیم دے دی گئی۔ جو اب ہمیشہ کے لیے کافی ہے۔ چنانچہ آیہ کریمہ الیوم اکملت لکم دینکم اس پر شاہد ہے۔

۴۔ اسی لیے خدا نے قرآن کی حفاظت کا ذمہ خود لیا ہے انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحافظون۔ چنانچہ قرآن شریف تحریف لفظی سے بالکل پاک ہے۔

۵۔ وتمت کلمۃ ربک صدقاً وعدلاً۔ لا مبدل لکلماتہ
یعنی تیرے رب کا کلمہ سچائی اور عدل کی رو سے پورا ہو گیا ہے۔
اب اس کو بدلنے والا کوئی نہیں۔

۶۔ چونکہ دین مکمل و محفوظ ہو چکا، کسی مزید مصلح کی ضرورت نہ رہی، اس لیے پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خاتم النبیین کا لقب عطا ہوا۔

۷۔ مسلمان قوم میں مرورِ زمانہ سے جو غلطی اسلام کی صحیح تعبیر میں یا جو سستی اس پر عمل درآمد کرنے میں واقع ہوئی ممکن تھی، اس کے علاج کے لیے سلسلۂ مجددین قائم کر دیا گیا ہے، تاکہ جو شکست و ریخت اسلامی زندگی میں واقع ہو جائے، اس کی ساتھ کے ساتھ مرمت ہوتی رہے۔

۸۔ "ارسل رسولہ بالھدیٰ و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ"۔ کہ خدا نے اپنے رسول حضرت محمدؐ کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ اس دینِ حق کو باقی تمام ادیان پر غالب کر دیں۔

۹۔ "ان الدین عند اللہ الاسلام" و "من یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ"، اللہ کے نزدیک دین اسلام ہی ہے جو کوئی سوائے اسلام کے کسی اور دین کو اختیار کرے گا، وہ دین ہرگز خدا کے ہاں قبول نہیں کیا جائے گا۔

۱۰۔ خدا بے شک ہر چیز پر قادر ہے۔ لیکن جب وہ دین کو اس حد تک مکمل کر چکا کہ اس کے آگے کوئی مرحلۂ تکمیل باقی نہ رہا۔ اور فرما چکا کہ میں آئندہ کوئی مصلحِ دین مبعوث نہیں کروں گا۔ تو اب اپنے فیصلہ کے خلاف کیونکر کوئی مزید اصلاحات نافذ کر سکتا ہے۔

۱۱۔ عند العقل جس چیز کا آغاز ہے اس کا انجام بھی ہے، اگر ایک زمانہ میں دین کا آغاز ہوا، تو کسی زمانہ میں اس کی انتہا بھی لازمی ہے۔ پس دین ترقی کرتا کرتا اسلام میں اپنے انجام یا کمال کو پہنچ گیا۔

۱۲۔ اتحادِ نسلِ انسانی کے لیے نئے مصلحین دین کا آنا مضر ہے، کیونکہ ہر دفعہ جب کوئی نیا مصلح آتا ہے، نسلِ انسانی میں مزید تفرقہ ہو جاتا ہے یہ وہ دلائل ہیں یا ممکن ہے، کچھ اور بھی اسی قسم کے دلائل ہوں۔

جن کی بنا پر مسلمان قوم کا سوادِ اعظم اسلام کی آخریت کا قائل ہے ، ان دلائل کا مطالب مختصر الفاظ میں یہ ہے کہ دین اسلام کی تدوین و تشکیل میں تمام ان سامانوں کو مہیا کر دیا گیا ہے ، جن سے دین کا مقصد جو معرفت باری اور تربیت انسانیت ہے ، ہمیشہ کے لئے خود بخود پورا ہوتا رہے ۔ اب فیصلہ آسان ہے ، اگر یہ مقصد فی الواقع پورا ہو رہا ہے یعنی مسلمان قوم فلاح یافتہ قوم ہے اور اخلاقی ، روحانی ۔ دینی اور دنیوی لحاظ سے اسی سطح پر ہے جس پر آنحضرتؐ کے عہدِ مبارک میں تھی ۔ تو بے شک نہ کسی مزید اصلاح کی گنجائش ہے نہ مصلح دین کی ضرورت ہے ، لیکن اگر تلخ حقائق بالکل اس کے برعکس ہیں تو پھر ہمارا فرض ہے کہ ہم از سر نو اپنے عقیدہ اور ان وجوہات کا جن پر وہ مبنی ہے ، جائزہ لیں ، اور دیکھیں کہ آیا واقعی حضرت محمدؐ ہم کو یہ تعلیم دے گئے ہیں ، یا ہم نے حضور کی تعلیم کو سمجھنے میں غلطی کھائی ہے ۔ اور وہ چیز حضور کی طرف منسوب کر رہے ہیں ، جس کا آنحضرتؐ کو خواب و خیال بھی نہ تھا ،

اس کتاب کا موضوع یہی تحقیقات ہے ، لیکن قبل اس کے کہ میں مذکورہ دلائل میں سے ہر ایک پر مفصل بحث کروں ، میں چاہتا ہوں کہ قرآن شریف سے استخراج کروں کہ آیا اس میں رسولوں کی بعثت کے لئے کوئی قاعدہ یا قانون مقرر ہے ، جس کے ماتحت زمانہ ماضی میں رسول مبعوث ہوتے رہے اور جو ہمارے لئے اس مبحث میں کہ قرآن کے بعد کوئی رسول آسکتا ہے کہ نہیں ، مشعلِ راہ بن سکے ۔

اگر حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت محمدؐ رسول اللہ تک تمام رسولوں کی بعثت ایک مقررہ قاعدہ کے ماتحت ہوتی آئی ہے تو کیا وہ قاعدہ آنحضرتؐ

کے بعد منسوخ کر دیا گیا ہے ؟ اگر منسوخ کر دیا گیا ہے، تو کہاں اور کن لفظوں میں منسوخ کیا گیا ہے؟ اور وجہ تنسیخ کیا ہے ؟ کیا خدا نے یہ ذمہ لیا ہے کہ وہ حالات جو سابقہ زمانوں میں رسولوں کے بھیجنے کا باعث ہوتے رہے، آنحضرتؐ کے بعد ہمیشہ کے لئے رُونما نہ ہوں گے یا کہیں فرمایا ہے کہ حالات تو رونما ہوں گے، لیکن گمراہ مخلوق کو ہدایت دینے کی جو خدا کی پرانی سنت تھی وہ بدل جائے گی، گمراہ مخلوق کو خدا اس کے حال پر چھوڑ دے گا، اور اس کی ہدایت کی کوئی سبیل پیدا نہیں کرے گا؟

# دین

**انسان**

دینؔ انسانی زندگی کے اصول کا نام ہے، اس لئے دین کی حقیقت کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ یہ معلوم کیا جائے کہ انسان کیا ہے؟ یہ موضوع اتنا ہی وسیع ہے جتنی کہ کل کائنات، اور اس پر مفصل معلومات حاصل کرنے کے لئے میری کتاب "حقیقت عالم" کی طرف توجہ فرمائیں۔ جس میں انسان سے متعلقہ تمام اہم مسائل پر خالص علمی پیرایہ میں بحث کی گئی ہے۔ یہاں میں قرآن شریف سے چند آیات نقل کرتا ہوں جن سے بقدر ضرورت معلوم ہوگا، کہ انسان کیا ہے:-

وَلقد خلقنا الانسان من سلالۃ من طین۔ ثم جعلناہ نطفۃ فی قرارٍ مکین، ثم خلقنا النطفۃ علقۃ فخلقنا العلقۃ مضغۃ فخلقنا المضغۃ عظاماً فکسونا العظام لحماً، ثم انشاناہ خلقاً آخر (مومنون - ع ۱)

ہم نے انسان کو جوہر آب و گل سے پیدا کیا، پھر اُسے نُطفہ کی صورت میں رحم مادر میں جگہ دی، اور پھر اُسے خون کے لوتھڑے میں بدلا، پھر گوشت کا ٹکڑہ بنایا، پھر ہڈیاں بنائیں اور ہڈیوں پر گوشت چڑھایا، پھر اُسے ایک نئی چیز بنا دیا۔

(۲) ولقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم۔ (سورۃ طین)

ہم نے انسان کو بہترین صورت پر پیدا کیا۔

سخر لکم ما فی السمٰوات وما فی الارض جمیعاً منہ (جاثیہ)

جو کچھ زمین و آسمان میں ہے سب انسان کے لئے مسخر کیا گیا ہے۔

انی جاعل فی الارض خلیفہ (بقرہ ع)

میں زمین پر ایک جانشین بنانے والا ہوں۔

(۳) کان الناس امۃ واحدۃ (بقرہ ع ۲۵)

سب لوگ ایک ہی گروہ ہیں۔

خلقکم من نفس واحدۃ و خلق منہا زوجہا وبث منہما رجالا کثیرا ونساء (نساء ع ۱)

خدا نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا زوج بنایا، پھر اسی جوڑے سے بہت سے مرد اور عورتیں بنا دیئے۔

یا ایہا الناس انا خلقناکم من ذکر وانثی وجعلناکم شعوبا وقبائل لتعارفوا۔ (حجرات ع ۲)

اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا، اور تعارف کے لئے شاخوں اور قبیلوں میں تقسیم کیا۔

(۴) ولقد ذرانا لجہنم کثیرا من الجن والانس ..... اولئک کالانعام بل ہم اضل (اعراف - ع ۲۲)

ہم نے بہت سے جنوں اور انسانوں کو جہنم کے لئے پیدا کیا ہے ..... وہ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گزرے۔

ثم رددناہ اسفل سافلین (طین)

پھر ہم نے انسان کو نیچے سے نیچے گرا دیا۔

(۵) وقلنا اہبطوا بعضکم لبعض عدو - بقرہ - ع ۵)

ہم نے کہا اتر جاؤ۔ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو۔

۱۔ انسان کئی حالتوں سے گذر کر انسان بنا ہے۔ پہلی حالتیں حیوانی تھیں پھر ایک اور چیز (انسانیت) جو اسے حیوان سے ممتاز کرتی ہے، اس میں رونما ہو گئی۔

۲۔ انسان بہترین مخلوق اور تمام کائنات کا مخدوم ہے۔ انسان خدا کا

نمائندہ اور نائب ہے۔

(۳) سب انسان ایک ماں باپ سے پیدا ہوئے ہیں۔ اور ایک جماعت ہیں، اُن میں جو شاخوں اور قبیلوں کی تقسیم ہے، وہ اس لئے ہے کہ ایک حصّہ سے اگر ایک کمال انسانی کا ظہور ہو تو دوسرے حصّہ سے دوسرے کا، اور سب مل کر پوری انسانیت میں جو کچھ مخفی ہے، ظاہر کردیں، اس طرح باہمی تعارف بھی ہو اور انسان کی کلّی معرفت بھی حاصل ہو،

(۴) مرتبہ انسانی سے گرا ہوا انسان چوپایہ ہے، بلکہ اس سے بھی گیا گذرا، وہ پست ترین خلائق ہے۔

(۵) گراوٹ سے مراد باہمی عداوت ہے۔

**دین فطرت**

مختصر یہ کہ سب انسان ایک ہیں اور سب کو ایک سمجھنا ہی انسانیت ہے، وحدت انسانی توحید باری کا ظلّ ہے، اور دونوں لازم وملزوم ہیں۔ ایک خدا مانے بغیر سب انسانوں کو برابر جاننا مشکل ہے، اور سب انسانوں کو ایک جانے بغیر خدا کو ایک ماننے کا دعویٰ بے ثبوت ہے، خدائے واحد کو وہی مانتا ہے، جو سب انسانوں کو ایک جانتا ہے، جو انسانوں میں فرق کرتا ہے وہ گویا ایک حصّہ کو ایک خدا کی مخلوق مانتا ہے، اور دوسرے حصّہ کو دوسرے خدا کی۔ توحید باری اور وحدت انسانی جو فطرت میں مرکوز ہیں، یہی تربیت انسان کے بنیادی اصول ہیں، اور یہی حقیقت دین، سب پیغمبر اسی ایک دین کی تعلیم دیتے رہے ہیں۔ چنانچہ قرآن شریف میں ہے۔

**وحدت ادیان**

فاقم وجھک للدین — راست روی سے
حنیفا، فطرۃ اللہ التی — دین پر قائم ہوجا

فطر الناس علیہا - لا تبدیل لخلق اللہ ، ذلک الدین القیم - (روم - ۴)

دین اللہ کی بنائی ہوئی فطرت ہے جس پر اس نے انسان کو پیدا کیا خدا کی پیدائش میں کوئی تبدیلی ممکن نہیں ، یہی دین قیم ہے -

۲ - فاتبعوا ملۃ ابراہیم حنیفا ۵ (آل عمران ۱۰)

سیدھی طرح سے دین ابراہیمؑ کی پیروی کرو -

۳ - قل یا اھل الکتاب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا و بینکم - (آل عمران ع ۷)

کہہ دے اے اہل کتاب اس بات کی طرف آؤ جو تمہارے اور ہمارے درمیان مشترک ہے -

۴ - شرع لکم ما وصی بہ نوحا والذی اوحینا الیک وما وصینا بہ ابراہیم و موسی و عیسی ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیہ (شوری ع ۲)

اس نے تمہارے لئے وہی دین مقرر کیا ہے ، جس کا نوح ، ابراہیم موسیٰ اور عیسیٰ کو حکم دیا گیا تھا ، کہ دین کو قائم رکھو ، اور اس میں تفرقہ نہ کرو -

۵ - تلک حجتنا اتیناھا ابراہیم ...... اولئک الذین ھدی اللہ فبھدا ھم اقتدہ - (انعام ع ۱۰)

یہ ہماری حجت ہے جو ہم نے ابراہیمؑ کو عطا کی ...... یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ نے ہدایت دی ، پس اُن کی ہدایت کی پیروی کرو -

۶ - انہ لفی الزبر الاولین (شعراء ع ۱۱)

یہی قرآن پہلی کتابوں میں بھی ہے -

(٧) فیها کتب قیمة
(سورہ بینہ)

قرآن میں پہلی کتابیں موجود ہیں

(٨) ان الدین عند الله الاسلام
وما اختلف الذین اوتوا
الکتاب الا من بعد ما
جاءهم العلم بغیا بینهم
(آل عمران ع ٢)

دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی
ہے۔ اہل کتاب نے دیدہ دانستہ
باہمی عناد سے اس میں تفرقہ
پیدا کیا۔

٩۔ ومن یرغب عن
ملة ابراهیم الا من
سفه نفسه

لا نفرق بین احد منهم
ونحن له مسلمون (بقرہ ع ١٦)

سوائے اس کے جو بے وقوف ہے
دین ابراہیمؑ سے کون انکار کر
سکتا ہے۔
.... ہم سب پیغمبروں کو ایک جیسا
مانتے ہیں اور ہم مسلمان ہیں۔

١٠۔ قال الحواریون نحن
انصار الله آمنا بالله
واشهد بانا مسلمون
(آل عمران ع ٥)

حواریوں نے کہا کہ ہم امر اللہ
کے مددگار ہیں، ہم اللہ پر ایمان
لائے، اور گواہ رہو کہ ہم مسلمان
ہیں۔

١١۔ فالقی السحرة ساجدین
قالوا آمنا برب العالمین
...... ربنا افرغ علینا
صبرا وتوفنا مسلمین
(اعراف ع ١٤)

جادوگر سجدہ میں گر گئے اور کہا
کہ ہم اللہ پر ایمان لائے ....
اے ہمارے رب ہم کو صبر عطا کر
اور ہمیں اسلام پر وفات دے۔

پہلی آیت میں دین کو غیر متبدل دین فطرت بتلایا گیا ہے، دوسری میں ابراہیمی دین کی پیروی کا حکم ہے تیسری میں اہل کتاب کو اسلام کی دعوت دیتے ہوئے کہا ہے کہ یہ تعلیم تمہارے اور ہمارے درمیان مشترک ہے، چوتھی آیت میں بتایا ہے کہ جو دین آنحضرتؐ کے ذریعہ سکھایا جا رہا ہے، اسی دین کی خدا نے حضرات نوحؑ، ابراہیمؑ، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کو تلقین کی تھی، آیات۵ میں حضرت ابراہیم - اسحاق - یعقوب، نوحؑ - داؤد، سلیمان، ایوب یوسف، موسیٰ، ہارون، ذکریا، یحییٰ، عیسیٰ - الیاس، اسماعیل، الیسع یونس - لوط علیہم السلام۔ اٹھارہ پیغمبروں کو کتاب - نبوت، حکم اور ہدایت دینے کا ذکر کر کے آنحضرتؐ کو ان کی پیروی کا حکم دیا ہے۔ چھٹی آیت میں بتلایا ہے کہ یہی تعلیم جو بذریعہ قرآن دی جا رہی ہے، پہلی کتابوں میں بھی ہے، ساتویں میں فرمایا ہے کہ سابقہ کتابوں کا نچوڑ ہی قرآن میں ہے آٹھویں میں بتایا کہ خدا کے نزدیک ہمیشہ سے ایک ہی دین (اسلام) رہا ہے جسے اہل کتاب آپس کی دشمنی کی وجہ سے بگاڑ دیتے رہے آیات مندرجہ ع۹ میں فرمایا کہ ملت ابراہیمیؑ سے سوائے اس کے جو بے وقوف ہے کون انکار کر سکتا ہے؟ اور حضرات ابراہیمؑ - اسمٰعیل - اسحٰقؑ - یعقوبؑ کی زبان سے کہلوایا ہے کہ ہم مسلمان ہیں اور آخر پر مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ اقرار کرو کہ ہم اسی تعلیم کو مانتے ہیں جو حضرات ابراہیمؑ - اسماعیلؑ، اسحٰقؑ، یعقوب اور ان کی اولاد پر نازل ہوئی اور جو حضرات موسیٰؑ، عیسیٰ اور دوسرے نبیوں کو دی گئی، اور کہ ہم بھی انہی کی طرح مسلمان ہیں، دسویں آیت میں حضرت عیسےؑ کے حواریوں کا اقرار مذکور ہے کہ ہم مسلمان ہیں - گیارھویں میں جادوگر جو حضرت موسیٰؑ پر ایمان لائے تھے، ان کی دعا کا ذکر ہے کہ اے اللہ ہمارا خاتمہ اسلام پر کرنا -

پس نہ صرف مسلمانوں بلکہ تمام اہل مذاہب کا یہ دعویٰ کہ ان کا دین ناقابلِ تبدیل ہے، صحیح بھی ہے اور غلط بھی۔ اصل دین تربیت انسانی کے اصولوں کا نام ہے اور انسانیت چونکہ ازل سے ابد تک ایک ہے اس کی تربیت کے بنیادی اصول بھی ایک ہیں۔ ان اصولوں میں فی الواقع کسی بھی مرحلہ پر نہ کوئی تبدیلی ممکن تھی نہ اب ہے نہ آئندہ ہوگی۔ حقیقتاً دین الہامی کتابوں، شریعتوں اور احکام کے بدلتے رہنے کے باوجود ایک چلی آئی ہے، اور سب پیغمبروں کا مقصد ایک ہی رہا ہے، ہر پیچھے آنے والا پیغمبر اپنے سے پہلے پیغمبروں کے مقصد کو ہی آگے چلانے والا تھا۔ مقصد میں کبھی کسی مصلح دین نے کوئی تبدیلی نہیں کی، تبدیلی جب ہوئی، مقصد کو حاصل کرنے کے ذرائع میں ہوئی۔ جب دیکھا گیا کہ وہ ذرائع جو سابقہ پیغمبر نے اپنے زمانہ کے حسبِ حال تجویز کیے تھے، حالات بدل جانے سے اسی پیغمبر کے مقصد کو پورا کرنے کے لیے کفایت نہیں کرتے، تو نئے مصلح نے اپنے زمانہ کے حسبِ حال نئے ذرائع اسی پرانے مقصد کے لیے تجویز کر دیئے۔ تاکہ مقصد کے حاصل کرنے میں جو رکاوٹیں ہیں دور ہو جائیں، اور مقصد حاصل ہو سکے۔ چنانچہ پیغمبر کے کاموں میں سے ایک یہ ہے "و یضع عنہم اصرھم والاغلال التی کانت علیہم" کہ پیغمبر لوگوں سے ان کے بوجھ اور طوق اتارتا ہے۔ اگر ایک شخص کو لمبا بام چڑھنا منظور ہو، تو اس کے لیے کئی ذرائع ہو سکتے ہیں۔ مثلاً بام سے ایک رسہ معلق کرکے اس کے ذریعہ بھی انسان چڑھ سکتا ہے۔ مگر مشکل سے۔ لکڑی کی سیڑھی سے یہ کام نسبتاً آسانی سے ہو سکتا ہے اور اینٹ پتھر کی چوڑی چوڑی سیڑھیوں سے اور بھی زیادہ آسانی بہم پہنچ جاتی ہے۔ اور اگر بجلی کی لفٹ میسر آ جائے تو اس میں بیٹھے بٹھائے تیزی سے اور بغیر تکلیف کے انسان اوپر چڑھ جاتا ہے۔ اب اگر انسان عقل سے کام لے تو اسے نئے

مصلح کا شکر گزار ہونا چاہیئے، جس نے اس کی مشکلات کو دور کر کے اس کے کام کو آسان کر دیا، لیکن چونکہ لوگ ذریعہ کو نہ کہ مقصد کو اصل چیز سمجھ چکے ہوتے ہیں، وہ مخالفت پر اتر آتے ہیں۔ اصل دین بمنزلہ روح کے ہے، اور احکام و شرائع جو زمانہ کے حسب حال اختیار کیئے جاتے ہیں، وہ اس روح کا جسم ہیں، جسم اگرچہ بدلتا رہتا ہے، روح اندر بغیر متبدل چلی آتی ہے، یا یوں سمجھیئے کہ احکام و شرائع ایک جامہ ہیں، اور اصل دین وہ ہے، جس کو یہ جامہ پہنایا جاتا ہے، جامہ جامہ پوش کے لئے ہے نہ کہ جامہ پوش جامہ کے لیئے، جامہ پوش کی ضرورت کے لئے جامہ تو بدلا جا سکتا ہے، لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ جامہ کی خاطر جامہ پوش خواہ گرمی سردی سے مر ہی جائے، جامہ نہ بدلنے پائے، پس کوئی شک نہیں کہ قرآن شریف نے جس چیز کو دین فطرت قرار دیا ہے، اس میں قطعاً کوئی تبدیلی ممکن نہیں، اس کو نہ صرف آخریت حاصل ہے، بلکہ اولیت بھی حاصل ہے، اور یہ چیز تمام مذاہب میں مشترک ہے، یہ اور بات ہے کہ دستبرد زمانہ سے کہیں وہ حقیقت لفظی طور پر بھی مشتبہ ہو گئی کہیں لفظ تو قائم رہے، لیکن مغز دین سے صرف نظر کر کے محض چھلکے کو جو ایک جامہ تھا اصل چیز سمجھ لیا گیا، اور پھر اس پر اتنا اصرار کیا گیا، کہ مغز کو چھلکے پر قربان کر دیا گیا۔ اگر مسلمان یا باقی اہل مذاہب یہ دعویٰ کریں کہ ہمارے دین کی حقیقت غیر متبدل ہے، تو یہ دعویٰ مسلم ہے، غلطی وہاں ہوتی ہے، جہاں اہل مذاہب حقیقت دین کی بجائے اس جامہ کو جو اس حقیقت نے ایک وقت میں حسب حال زمانہ پہنا تھا۔ اصل چیز سمجھ بیٹھتے ہیں، اور پھر اس جامہ کے لئے یہ دعویٰ کر دیتے ہیں کہ یہ غیر متبدل ہے اسی طرح اسلام دین فطرت کی حیثیت سے جو ہمیشہ سے ہے پیغمبروں کا دین

چلا آیا ہے، قطعاً غیر متبدل ہے، لیکن ان شکلوں کے لحاظ سے جو یہ مختلف زمانوں میں اختیار کرتا رہا، عام اس سے کہ وہ شکل عہد موسوی کی ہو یا عہد عیسوی کی یا عہد محمدی کی ہمیشہ معرض تغیر و تبادل میں رہا ہے، اور آئندہ بھی جب تک زمانہ چل رہا ہے اور حالات بدل رہے ہیں، ضرورت کے موقعہ پر ایسی تبدیلی سے چارہ نہیں، ایسی تبدیلیاں سابقہ پیغمبر کے مقصد کو پورا کرنے کے لئے ہوتی ہیں نہ کہ اسے منسوخ کرنے کے لئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب تشریف لائے تو اگرچہ آپ نے احکام طلاق وغیرہ میں تبدیلیاں کر دیں (متی باب ۱۹) ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ میں توریت کو منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں۔ توریت کا ایک شوشہ اور نقطہ اٹل ہے۔ (متی باب ۵) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ قول قرآن میں بھی منقول ہے ومصدقا لما بين يدى من التوراة ولا حل لكم بعض الذى حرم عليكم (آل عمران ع ۵) کہ میں توریت کو سچا ٹھہرانے اور بعض احکام کو بدلنے آیا ہوں، توریت سچی اسی طرح ٹھہر سکتی تھی کہ اس کا مقصد پورا ہوتا رہے، سو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بعض احکام میں ضروریات زمانہ کے مطابق تبدیلیاں کر دیں، تاکہ توریت کا مقصد پورا ہو اور وہ سچی ٹھہرے توریت کا مقصد جسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پورا کرنے اور سچا ٹھہرانے آئے تھے، آپ کے الفاظ میں یہ تھا:۔

خداوند اپنے خدا سے اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان اور اپنی ساری عقل سے محبت رکھ۔ بڑا اور پہلا حکم یہی ہے، اور دوسرا اس کی مانند یہ ہے کہ اپنے پڑوسی سے اپنے برابر محبت رکھ، انہی دو حکموں پر تمام توریت اور انبیا کے صحیفوں کا مدار ہے۔ (متی باب ۲۲)

یہ بالکل سچ ہے۔ آنحضرت صلعم نے بھی فرمایا ہے کہ دین دو باتوں پر مشتمل ہے

العظمۃ للہ اور والشفقۃ علی خلق اللہ ، اللہ کے حکم کی عظمت اور خلق اللہ سے شفقت کا برتاؤ ۔

پس تمام پیغمبر اپنے سے پہلے پیغمبروں کی تعلیم کو منسوخ کرنے نہیں بلکہ اس کے مقصد کو پورا کرنے آتے ہیں ۔

**وحدت رسل** ہر پیغمبر عالم کو جس حالت میں پاتا ہے ، اس سے اوپر اٹھانا چاہتا ہے ، پیغمبر کی کامیابی اسی میں ہے کہ عالم ترقی کرکے اگلی منزل پر چلا جائے ، جب عالم حسب منشائے پیغمبر ترقی کرکے ان حالات سے نکل جاتا ہے جن میں کہ اسے پیغمبر نے پایا تھا ، تو دوسرا پیغمبر اب ان تازہ حالات سے عالم کو نکالنے اور مزید ترقی کرانے آتا ہے ، دوسرے پیغمبر کی ضرورت تبدیلی حالات سے لاحق ہوتی ہے اور یہی تبدیلی سابقہ پیغمبر کا عین مدعا تھی ۔ اس سے ظاہر ہے کہ بعد میں آنے والا پیغمبر سابقہ پیغمبر کے لگائے ہوئے پودے کا پھل ہوتا ہے ، اور کچھ شک نہیں کہ ہر باغبان اپنے لگائے ہوئے پودے کے بار ور ہونے سے خوش ہوتا ہے نہ کہ ناراض ، سو دوسرا پیغمبر جو تبدیلیاں کرتا ہے وہ سابقہ پیغمبر کی اپنی کوششوں کا نتیجہ ، اور اس کے منشاء کے عین مطابق ہوتی ہیں ، نہ کہ خلاف ۔ اسی لئے قرآن شریف میں تمام پیغمبروں کو ایک جماعت مانا گیا ہے ۔ یا ایھا الرسل کلوا من الطیبات واعملوا صالحا انی بما تعملون علیم ، ان ھذہ امتکم امۃ واحدۃ (مومنون)

کہ اے رسولو پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک اعمال کرو ، میں جانتا ہوں کہ تم سب ایک گروہ ہو اور ایک ہی مقصد کے لئے کام کر رہے ہو ۔

دوسری جگہ فرمایا ہے :-

ان الذین یکفرون باللہ ورسلہ ویریدون ان یفرقوا بین اللہ ورسلہ ویقولون نومن ببعض و نکفر ببعض ویریدون ان یتخذوا بین ذلک سبیلا ہ اولئک ھم الکافرون حقا ہ کہ جو لوگ اللہ میں اور رسولوں میں فرق کرتے ہیں، اور درمیانی راستہ اختیار کرتے ہیں تاکہ بعض رسولوں کو مان لیا۔ بعض کو نہ مانا وہ پکے کافر ہیں۔

اسی طرح جناب کرشن فرماتے ہیں :۔

چو بنیاد دین سست گردد ہمے
نمائیم خود را بشکل کسے

کہ جب دین یعنی دین فطرت کی بنیاد کمزور ہو جاتی ہے، تو ہم اُسے مضبوط کرنے کے لئے اپنے آپ کو کسی شکل میں ظاہر کر دیتے ہیں۔ گویا مصلحین دین کا حقیقت ایک ہے جو کبھی کسی شکل اور کسی نام سے اور کبھی کسی شکل اور کسی نام سے ظاہر ہوتی ہے۔ جس کسی نے اصل حقیقت کو پہچان لیتا ہے وہ اسے جس شکل میں ظاہر ہو پہچان لیتا ہے اور پکار اُٹھتا ہے :۔

بہر رنگے کہ خواہی جامہ مے پوش
من انداز قدت را می شناسم

لیکن جس نے حقیقت کو نہیں بلکہ ظاہری شکل اور نام کو اختیار کیا ہوتا ہے، جب وہی حقیقت جس کو وہ ایک لباس میں اپنا رہنما پیغمبر یا اوتار مانتا ہے، دوسری قمیص میں ظاہر ہوتی ہے، تو اسے رد کر دیتا ہے۔ مثلاً اگر اہل ہنود کو کرشن مہاراج کے اس فرمودہ پر وشواس ہے کہ جناب کرشن خود ہی کسی شکل میں ظاہر ہوا کرتے ہیں۔ تو ان کے لئے

غور کا مقام ہے کہ کیا وہ کرشن مہاراج کے بعد آنیوالے ہر پیغمبر کا نسل انسانی کے انکار میں خود کرشن مہاراج ہی کا انکار تو نہیں کر رہے؟ یہی صورت باقی قوموں اور اہل مذاہب کی ہے۔ ہر بعد میں آنے والے پیغمبر کے وجود میں تمام سابقہ پیغمبر جمع ہوتے ہیں اور ہر قوم اس کے پیراہن میں اپنے ہی پیغمبر کا انکار کر جاتی ہے۔ تازہ پیغمبر انہیں قوموں کی مسلمہ دینی کتب سے ثابت کر دیتا ہے کہ اس کا مقصد بھی وہی ہے جو ان کے مسلمہ پیغمبروں کا تھا اور تعلیم کے بنیادی اصول بھی وہی ہیں بلکہ ان کی پیش گوئیاں بھی اپنے حق میں دکھا دیتا ہے۔ لیکن یہ لوگ اپنی مسلمہ کتاب اور مسلمہ پیغمبروں کے حکم سے منہ پھیر لیتے ہیں۔ کیونکہ ان کی رُو سے انہیں اس تازہ پیغمبر کو ماننا پڑتا ہے اور یہ ان کی خواہشات نفسانی کے خلاف ہوتا ہے۔

چونکہ ہر بعد میں آنے والا پیغمبر سابقہ پیغمبروں کی کوششوں کا پھل ہوتا ہے۔ اور اسی خدا کا تازہ حکم لاتا ہے۔ جس کا حکم پہلے پیغمبر لائے تھے۔ اس واسطے پیغمبر وقت کے انکار کے بعد کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ سابقہ پیغمبروں کو ماننے یا خدا کے حکم کو ماننے کا دعویدار ہو۔ پیغمبر وقت کا انکار سب پیغمبروں کا انکار ہے اور خدا کا بھی۔ پیغمبروں کی حقیقت واحدہ کو سمجھنے کے لئے یوں خیال کرنا چاہیئے کہ پیغمبر آئینے ہیں۔ جن میں آفتاب احدیت جلوہ گر ہوتا ہے۔ بہت سے آئینوں کو آفتاب کے سامنے رکھا جائے تو آفتاب کے جو عکس ان آئینوں میں پڑتے ہیں۔ ان کو دیکھ کر اگر کوئی یہ سمجھے کہ آفتاب بہت سے ہیں۔ تو یہ اس کی غلطی ہے اور یہی شرک ہے۔ درحقیقت سورج ایک ہے۔ جو سب آئینوں میں جلوہ گر ہے۔

عکس دیکھنے میں گو یا زیادہ ہیں ، حقیقت میں ایک ہیں ۔

حضرت محمدؐ نہ صرف سید الآخرین ہیں بلکہ سید الاولین بھی ہیں ۔ پہلی چیز جو خدا نے پیدا کی وہ نور محمدؐ ہی تھا ، آدم علیہ السلام ابھی آب و گل میں تھے ، کہ آنحضرتؐ نبی تھے ، سو نہ صرف آنحضرتؐ کے بعد ہی کوئی دوسرا ہادی نہیں بلکہ آنحضرتؐ سے پہلے بھی آپ کے سوا کوئی ہادی نہ تھا ۔ حضرت نوحؑ ، حضرت ابراہیمؑ ، حضرت موسیٰؑ ، حضرت عیسیٰؑ وغیرہم علیہم السلام جس قدر انبیا آنحضرتؐ سے پہلے ہوئے ، ان میں بھی حقیقت محمدؐیہ ہی جلوہ افروز تھی ، اور جو کوئی بعد میں ہوگا ، اس میں بھی وہی حقیقت درخشاں ہوگی ، اولنا محمدؐ ، اوسطنا محمدؐ ، آخرنا محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم ۔

عیسائیوں کی اصطلاح میں کلمۃ اللہ ، ہندوؤں کی اصطلاح میں برہما ، مسلمانوں کی اصطلاح میں نور محمدی اور بہائیوں کی اصطلاح میں مشیت اولیہ سب اسی نور کے نام ہیں جو خدا نے سب سے پہلے پیدا کیا ۔ اور حضرت نوحؑ ۔ ابراہیمؑ ۔ موسیٰؑ ۔ عیسیٰؑ اور محمدؐ بھی سب اسی نور کے مظاہر ہیں ۔

**فضیلت انبیاؑ**

سوال ہوگا کہ جب یہ صورت ہے تو پھر بعض پیغمبروں کو بعض پر فضیلت ہونے کے کیا معنی ہیں ؟ سو واضح رہے کہ اس فضیلت کا مطلب یہ ہے کہ بعض پیغمبروں کو کام کرنے کے ایک قسم کے موقع ملے اور بعض کو دوسری قسم کے ، مثلاً ایک استاد کو مدرسہ میں آٹھویں جماعت میں کام کرنے کا موقع ملا ۔ اور دوسرے کو دسویں میں یا ایک کو بہت ہی غبی اور کند ذہن طالب علم ملے ، اور دوسرے کو ان سے بہتر ، ایک کی جماعت چھوٹی ہوگی دوسرے کی بڑی ایک کی جماعت میں کچھ بہت اچھے طالب علم نکل آئے جو خود سیکھ کر دوسرے ہم جماعتوں کو سکھانے میں استاد کی امداد بھی کرنے لگ گئے ۔ دوسرے کو ایسی امداد میسر نہ

آئی ۔ اگر ایک ہی استاد ان مختلف حالات میں کام کرے، تو بھی نتیجے مختلف ہوں گے، کہیں اس کی کامیابی اور کارکردگی زیادہ دکھائی دے گی ۔ اور کہیں کم ، یہی حال پیغمبروں کا ہے ۔ پیغمبروں کی کارکردگیوں اور کامیابیوں میں جو فرق دکھائی دیتا ہے ، وہ اس وجہ سے نہیں کہ کوئی پیغمبر زیادہ لائق استاد تھا، اور کوئی کم ، بلکہ فرق ان حالات کی وجہ سے ہے جن میں انہیں کام کرنا پڑا ، اپنی ذات میں ہر پیغمبر اتنا ہی لائق استاد تھا ، جتنا کہ دوسرا کیونکہ پیغمبر میں جس لیاقت کا ظہور ہوتا ہے وہ تو خدا کی لیاقت ہے اور خدا ہمیشہ ایک ہی ہے، ہاں کسی جگہ اس کا ظہور ایک پیمانہ پر ہوا اور کسی جگہ دوسرے پیمانہ پر، کہیں ایک راہ سے اور کہیں دوسری راہ سے ۔ جس کی وجہ طالبعلموں کی استعدادوں اور حالات کا اختلاف تھا ۔

یہ پیراگراف خاکسار مؤلف کی کتاب "حقیقت عالم" سے ماخوذ ہے ۔ مزید تفصیلات کے لئے اُس کتاب کی طرف رجوع کریں ۔
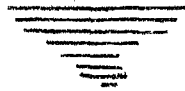
# سلسلۂ رسالت کی غرض۔ بعثت رسل کا عام قانون اور سلسلۂ رسالت کو بند سمجھنے کی مذمت

**رسالت کی غرض** سلسلۂ رسالت کی غرض یہ ہے:-

وقلنا یآدم اسکن انت وزوجک الجنة فکلا منها رغدا حیث شئتما (بقرہ ع ۴)

اور ہم نے کہا اے آدم اپنی زوجہ کے ساتھ جنت میں رہو اور حسب منشا۔ جو چاہو، کھاؤ پیو۔

۱۔ ان لک الا تجوع فیها ولا تعری وانک لا تظمؤا فیها ولا تضحی (طہ ع ۷)

تیرے لئے اس میں ایسا سامان ہے، کہ نہ تو بھوکا رہے، نہ ننگا نہ پیاس ستائے اور نہ دھوپ۔

۲۔ ولا تقربا هذه الشجرة فتكونا من الظالمين ٥

اس درخت کے قریب نہ جانا ورنہ اپنی زندگی تلخ کر لوگے۔

۳۔ فازلهما الشيطن عنها فاخرجهما مما كانا فيه۔

شیطان نے دونوں کو اس سے پھسلا دیا اور جہاں وہ تھے وہاں سے نکال دیا۔

وقلنا اهبطوا بعضكم لبعض عدو ۔ ۔ ۔ ۔ (البقرہ ع ۴)

اور ہم نے کہا نکل جاؤ، تم ایک دوسرے کے دشمن ہو۔

(۴) فتلقى آدم من ربه كلمات فتاب عليه، انه هو التواب الرحيم ٥ قلنا اهبطوا منها جميعا فاما يأتينكم منى هدى فمن تبع هداى فلا خوف عليهم ولا هم يحزنون ٥ (البقرہ - ع ۴)

پھر آدم نے اپنے رب سے کلام پایا اور خدا نے اس پر رجوع برحمت فرمایا۔ بے شک خدا بار بار رحمت کے ساتھ رجوع فرمانے والا ہے۔ ہم نے کہا تم سب اس سے نکل جاؤ پھر ضرور میری طرف سے تمہارے پاس ہدایت آتی رہے گی، سو جو اس کی پیروی کرے گا، اسے کوئی ڈر نہ ہوگا نہ غم۔

۵۔ یا بنی آدم لا یفتننکم الشیطن کما اخرج ابویکم من الجنة (اعراف ع ۳)

اے اولاد آدم ہشیار رہنا، نہیں کبھی شیطان فتنہ میں نہ ڈال دے، جیسے اس نے تمہارے ماں باپ کو جنت سے نکال دیا۔

آیت نمبر ۴ کے ان الفاظ سے کہ جنت سے نکل جاؤ، اور آیت ۵ کی اس نصیحت سے کہ اے اولاد آدم ہشیار رہنا نہیں کبھی شیطان جنت سے نہ نکال دے، ظاہر ہے کہ نہ صرف اولاد آدم کو ہی جنت میں رکھا گیا، بلکہ بنی آدم بھی ابتداءً جنت میں ہوتے ہیں پھر اس سے نکالے جاتے ہیں۔ پس جنت سے مراد یہی باغ دنیا ہے، جس میں ہم پیدا ہوتے ہیں۔ اسے جنت کہنے کی وجوہات آیات مندرجہ میں بتائی ہیں، اس

ہیں کھانے پینے پہننے اور رہائش کی ساری ضروریات مہیا ہیں اور تنہائی کی اداسی کو دور کرنے کے لئے اور جذبۂ محبت کی تسکین کے لئے جوڑا بھی موجود ہے، جس گھر میں میاں بیوی ایک دوسرے پر نثار ہوں اور کھانے پینے پہننے اور رہنے سہنے کا خاطر خواہ انتظام ہو، نہ کوئی غم ہو نہ فکر، کیا وہ گھر جنت نہیں؟

پہلی آیت میں خطاب اگرچہ نسلِ انسانی کو ہے، پیرایہ ایسا اختیار کیا ہے کہ گویا ایک مرد اس کی بیوی اور اولاد جو انہیں میں شامل ہے، کل ایک کنبہ زمین پر آباد ہے، اور ایک کنبہ بن کر رہنے میں ہی انسان کی جنت کا راز مخفی ہے۔ اگر انسان میں پھوٹ نہ ہو اور وہ اپنے قوا کو تسخیر عالم پر لگا دے تو اس کی متحدہ علمی و عملی سرگرمیوں سے اس کے سارے دکھ درد دور ہو جائیں۔ اور زمین آرام و آسائش کے سامانوں سے بھر کر یقیناً جنت بن جائے۔

انسان جنت سے نکلتا کیونکر ہے؟ آیت ۲۳ میں بتایا ہے کہ انسان جب فطرت سے گرتا ہے اور ایک دوسرے کا دشمن ہو جاتا ہے تو جنت سے نکالا جاتا ہے۔ سب انسان فطرتاً ایک ہیں اور ضروریاتِ زندگی کے یکساں محتاج اور حقدار ہیں، زمین و آسمان اور ان کے ذخیرے کسی ایک انسان یا گروہ کے لئے پیدا نہیں کئے گئے بلکہ کل نوع کے لئے پیدا کئے گئے ہیں، جب ایک فرد یا گروہ اپنے آپ کو دوسرے سے بڑا سمجھنے لگتا ہے اور اس کے انسانی حقوق کا انکار کرتا ہے (ابیٰ واستکبر) تو اس سے باہمی عداوت پیدا ہوتی ہے اور انسان اخوت و محبت کی جنت سے نکل کر بغض و عداوت کی جہنم میں جا پڑتا ہے۔ اور سب کی

زندگیاں تلخ ہو جاتی ہیں۔

جب انسان نے فطرت سے گر کر زندگی تلخ کر لی تو جیسے کہ آیت علیٰ میں ہے "خدا نے اپنے کلام سے اس کی دستگیری فرمائی۔ خدا نے انسان سے ایسا رحم کا برتاؤ ایک بار ہی نہیں کیا، بار بار کرتا رہتا ہے۔ یہ اس کی عطائے عام ہے جو کسی خاص زمانہ یا حصہ نسل انسانی تک محدود نہیں بلکہ جمیع نسل انسانی تک وسیع ہے۔ "توّاب" کے معنی ہیں، بار بار رحم کے ساتھ رجوع فرمانے والا اور "لاہمّا" آ کیا کے لئے آتا ہے، تمام کی گراوٹ کے ساتھ ہدایت کے آنے کو جمع کر کے نسل انسانی کو ازلی ابدی چارٹر عطا کیا ہے۔ کہ جب جب انسان فطرت سے گر کر باہمی عداوت کے جہنم میں جا پڑے گا اس کی کھوئی ہوئی جنت اُسے دوبارہ دلانے کے لئے خدا کی طرف سے ہدایت آتی رہے گی۔

اس سے ظاہر ہے کہ سلسلہ رسالت انسان کی باہمی عداوت کے علاج کے طور پر شروع کیا گیا ہے، بروئے واقعات بھی ہم دیکھتے ہیں کہ پیغمبر یہی کام کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ حضرت محمدؐ کا عظیم الشان کارنامہ جو رہتی دنیا تک یادگار رہے گا یہی ہے کہ عربوں کو جو بدترین خانہ جنگی میں مبتلا تھے، اور ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے، متحد کر کے بھائی بھائی بنا دیا۔ واذکروا نعمۃ اللہ علیکم إذ کنتم اعداءً فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخوانا و کنتم علی شفا حفرۃ من النار فانقذکم منھا (آل عمران - ع ۱۱) یعنی تم باہمی عداوت کی آگ کے گڑھے پر تھے، اس سے تمہیں بچایا، تمہارے دلوں میں الفت

پیدا کی ، اور نہیں بھائی بھائی بنا دیا۔

جب تک دنیا سے بغض و عداوت دور ہوکر دکھ درد فاقہ اور تنگی کا جو اس کے نتائج سے ہے، خاتمہ نہیں ہو چکتا ، جب تک دنیا محبت و اخوت اور فارغ البالی کی جنت نہیں بن چکتی ، اور خدا کا کلمہ یا آدم اسکن انت وزوجک الجنة وکلا منها رغداً حیث شئتما پورا نہیں ہو چکتا ، پیغمبروں کا سلسلہ جو اس غرض سے شروع کیا گیا ہے ، کیونکر بند ہو سکتا ہے ؟ موجودہ مرحلہ پر اس سلسلہ کو بند کرنے کے معنی سوائے اس کے کچھ نہیں کہ خدا میں اور شیطان میں جو ہزاروں سالوں سے جنگ چلی آتی تھی ، اور جسے جیتنے کے لئے خدا نے ہزاروں پیغمبر بھیجے آخر خدا اس میں ناکام رہا۔ اور اس نے تنگ آکر شیطان کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔ نعوذ باللہ من ذلک ۔

## ہدایت صفات باری کا تقاضا ہے

سلسلہ رشد و ہدایت صفات باری کا تقاضا ہے ۔ اور خدا لامحدود ہے ، اس واسطے یہ سلسلہ کہیں بھی ختم نہیں ہوتا ۔ یہاں تک کہ مومن جنت میں پہنچ کر بھی دعا کرتے ہیں ۔ ربنا اتمم لنا نورنا (تحریم ع ۲) کہ اے ہمارے رب ہماری روشنی اور تکمیل کر ، نقص اور کمال اضافی چیزیں ہیں ، ہر مقام خواہ وہ کتنا ہی اونچا ہو ، اپنے سے بلند تر مقام کے مقابلے میں نیچا ہے ۔ یوں مخلوق کو ہر حال میں ہبوط لاحق ہے اور وہ خدا کی ہدایت کی محتاج ہے ، کیونکہ خدا اُسے ہر مقام سے آگے لے جانے پر قادر ہے ۔ وہ ایسا استاد نہیں کہ اس کا علم کہیں جا کر ختم ہو جائے ، اور شاگرد کو کہہ دے کہ بس جتنا کچھ آتا تھا میں نے سکھا دیا ، اب میں اور کچھ نہیں سکھا سکتا ۔

خدا کی سب سے پہلی صفت رب ہے ، رب کے معنی قرآن نے خود بتلائے

ہیں، ربنا الذی اعطیٰ کل شیئٍ خلقہٗ ثم ھدیٰ (طٰہٰ ع ۲)
کہ رب وہ ہے، جو ہر چیز کو پیدا کرتا ہے اور ہدایت دیتا ہے، اگر صرف پیدا
ہی کرے اور ہدایت نہ دے تو رب نہیں۔ سورۃ فاتحہ میں الحمد للّٰہ
ربّ العالمین کے جملہ میں جو خدا کی حمد کی گئی ہے وہ اسی تقریب پر کی گئی
ہے کہ اس نے قرآن کو، جو ھدًی للناس ہے، لوگوں کی ہدایت کے لئے
نازل کر کے ربوبیت فرمائی۔ اگر خدا یہ ہدایت نازل نہ فرماتا، تو زمانۂ قرآن
کے لوگوں کا ربّ کہلا سکتا، نہ ان کی حمد کا مستحق ہوتا۔ اسی طرح اگر قرآن
شریف کے بعد مخلوق پھر گمراہ ہو جاتی اور ان کے لئے نئے سرے سے ہدایت
کی ضرورت لاحق ہو، تو اس وقت اگر خدا ہدایت نازل کر کے ان کی ربوبیت
نہ فرمائے، تو ان کا رب ہوگا نہ ان کی حمد کا مستحق۔ پس رب العالمین کی
صفت کا تقاضا یہ ہے، کہ جیسے ہمیشہ سے وہ ضرورت کے وقت ہدایت
بھیجتا آیا ہے۔ آئندہ بھی بوقت ضرورت ہدایت بھیجنے سے دریغ نہ فرمائے
اسی طرح خدا کے رحمٰن ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ گمراہ مخلوق پر رحم کھا کر اس
نے قرآن سکھایا، الرحمٰن علم القراٰن، اگر خدا نے رحمانیت کے تقاضا سے
قرآن سکھایا تو ضروری ہے کہ آئندہ پھر جب مخلوق کی حالت قابلِ رحم ہو
نئے سرے سے ہدایت نازل کر کے ان کی دستگیری فرمائے۔ ورنہ اس کی صفت
رحمانیت کا تعطل لازم آئے گا۔ رحمانیت کے تحت دی ہوئی ہدایت کی روشنی
میں جب انسان جدوجہد کرتا ہے تو اس جدوجہد کو فیاضی سے بارور کرنے کا
نام رحیمیت ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ رحمانیت کے خاتمہ سے رحیمیت کا
بھی خاتمہ ہو جاتا ہے۔
یوم الدین کے معنی ہیں، دین کا دن، یعنی دین کے عروج، کامیابی اور

بھلے بھوینے کا دن اور مالک یوم الدین وہ ہے، جس کو ایسا دن لانے پر پوری پوری قدرت حاصل ہے۔ گویا دین ایسی چیز نہیں کہ جس کا کوئی مالک نہ ہو، اور وہ کس مپرسی کی حالت میں ہو، بے دینی جو چاہے اس سے کرتی رہے، دین کا ایک مالک اور رکھوالا ہے، جو اُسے کامیاب بنانے اور بے دینی کو کچلنے پر پورا اقتدار رکھتا ہے، دین کی کامیابی کے دلت ان لوگوں کی کوششیں جو دین کی تائید میں کام کرتے ہیں بار ور ہوتی ہیں، اور ان لوگوں کی کوششیں جو دین کے خلاف کام کر رہے تھے ملیامیٹ ہو جاتی ہیں۔ اس واسطے "یوم الدین" جزا و سزا کے وقت کو بھی کہتے ہیں۔ یعنی دینداروں کی ٹھیک کوششوں کا اچھا بدلہ اور بے دینوں کی بداعمالیوں کی سزا ملنے کا وقت، سابقہ زمانوں میں دین کی کمزوری اور بے دینی کے زور کے وقت خدا مالک یوم الدین ہونے کی حیثیت سے پیغمبر بھیج کر نئے سرے سے دین کو غالب اور بے دینی کو مغلوب کرا دیتا رہا ہے۔ اگر قرآن شریف کے بعد دین پھر کمزور ہو جائے اور بے دینی کا دور دورہ ہو جائے اور خدا بے دینی کا زور توڑنے، دین کو اس کے پنجہ سے رہا کرانے اور پھر سے قائم کرنے کا اقدام نہ کرے تو مالک یوم الدین کیونکر کہلائے گا؟

انہی صفات کی بدولت خدا معبود ہے، اور بندہ ایاک نعبد میں خدا سے عہد کرتا ہے کہ میں خاص تیری بندگی کرتا ہوں، تیرے سوا مجھے کسی چیز سے کوئی لگاؤ نہیں، جو حکم ہو، سر ماتھے پر ماننے کو تیار ہوں، اور پھر اس خیال سے کہ مبادا بشری کمزوری کی وجہ سے خدا کے کسی حکم کی تعمیل میں قصور رہ جائے ایاک نستعین کا جملہ پڑھتا ہے، کہ میری امداد کرنا اور مجھے توفیق عطا فرمانا کہ میں ہر حال میں تیری بندگی کا حق ادا کرتا رہوں۔

ایک طرف خدا کی فرمانبرداری کا یہ شوق اور دوسری طرف خدا پر یہ پابندی عاید کر دینا، کہ اب وہ کوئی حکم دینے کا مجاز ہی نہیں۔ ؎

صلاح کار کجا و من خراب کجا

غرض ضرورت کے وقت ہدایت نہ بھیجنا خدا کی شان معبودیت کے منافی ہے اور ہمارہ کا تازہ احکام کو ماننے کے لئے تیار نہ رہنا شان عبادیت کے خلاف ہے۔ اسی طرح خدا کی ایک صفت مرسل بھی ہے جس کے معنی ہیں رسول بھیجنے والا غرض رسولوں کے سلسلہ کو بند سمجھنا خدا کو اس کی تمام صفات سے جواب دینا ہے۔

**عالمگیر سلسلہ رسالت** نسل انسانی کو گراوٹ سے نکالنے اور اونچے سے اونچے مقامات پر پہنچانے کے لئے رسول بھیجنے کا خالی وعدہ ہی نہیں فرمایا۔ بلکہ اُسے عملی جامہ بھی پہنایا ہے سورۃ نساء رکوع ۲۳ میں ہے:۔

انا اوحینا الیک کما اوحینا الی نوح والنبیین من بعدہٖ واوحینا الی ابراھیم واسمٰعیل واسحٰق ویعقوب والاسباط وعیسٰی وایوب ویونس وھارون وسلیمان واٰتینا داود زبورا ورسلًا قد قصصنٰھم علیک من قبل ورسلًا لم نقصصھم

ہم نے تیری طرف وحی کی جیسے نوحؑ اور اس کے بعد نبیوں اور ابراہیمؑ اسمٰعیلؑ اسحاقؑ یعقوبؑ اوران کی اولاد اور عیسےؑ ایوبؑ، یونسؑ، ہارونؑ اور سلیمانؑ کی طرف وحی کی۔ اور داؤدؑ کو زبور دی، بعض رسولوں کا ہم نے تجھ سے ذکر کیا ہے اور بعض کا نہیں اور خدا نے موسیٰؑ سے

هم عليك وكلم الله موسى تكليما - رسلا مبشرين و منذرين لئلا يكون للناس على الله حجة بعد الرسل و كان الله عزيزا حكيما ○

کلام کیا۔ یہ سب رسول بشارت دینے اور ڈرانے کے لئے بھیجے گئے تاکہ لوگوں کو خدا کے حضور کوئی عذر باقی نہ رہے۔ خدا غالب حکمت والا ہے۔

ان آیات میں رسولوں کے سلسلہ کو مکان و زمان کے طول و عرض میں پھیلا ہوا عالمگیر سلسلہ بیان کیا ہے۔ اور اتنے اہتمام سے ہر جگہ اور ہر زمانہ میں رسول بھیجنے کی وجہ یہ بتائی ہے۔ کہ لوگوں کو خدا کے خلاف کوئی عذر باقی نہ رہے، اور اس مضمون کو متعدد مقامات پر دہرایا ہے، جن میں سے چند حسب ذیل ہیں:۔

ولولا ان تصيبهم مصيبة بما قدمت ايديهم فيقولوا ربنا لولا ارسلت الينا رسولا فنتبع آياتك ونكون من المؤمنين (القصص ع۵)

مبادا جب ان کو اپنی کرتوتوں کی وجہ سے تکلیف پہنچے تو کہیں کہ اے ہمارے رب کیوں نہ تو نے ہماری طرف رسول بھیجا، کہ ہم تیری آیات کی پیروی کرتے اور مومن ہو جاتے۔

۲- وهذا كتاب انزلناه مبارك فاتبعوه واتقوا لعلكم ترحمون ان تقولوا انما انزل الكتاب على

یہ بابرکت کتاب جو ہم نے نازل کی ہے۔ اس کی پیروی کرو اور تقویٰ کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ مبادا تم کہو، کہ

طائفتین من قبلنا وان
کنا عن دراستهم لغافلین
او تقولوا لو انا انزل علینا
الکتاب لکنا اهدیٰ منهم
(انعام ع ۲۰)

کتاب ہم سے پہلے دو
گروہوں پر اتاری گئی اور ہم
ان کے پڑھنے سے بے خبر تھے،
یا یہ کہو کہ اگر ہمیں کتاب دی
جاتی تو ہم ان سے زیادہ ہدایت
والے ہوتے۔

۳۔ یا معشر الجن والانس
الم یاتکم رسل منکم یقصون
علیکم آیاتی وینذرونکم
لقاء یومکم ہذا قالوا
شہدنا علیٰ انفسنا و
غرتہم الحیوٰۃ الدنیا
وشہدوا علیٰ انفسہم
انہم کانوا کافرین ذلک
ان لم یکن ربک مہلک
القریٰ بظلم واہلہا
غافلون۔ (انعام ع ۱۶)

اے جنوں اور انسانوں کی جماعت
کیا تمہارے پاس رسول نہ آئے
جو تم پر میری آیات بیان کرتے
اور تمہیں آج کے دن سے ڈراتے
انہوں نے کہا کہ ہم اقرار کرتے ہیں
کہ خدا کے رسول آئے۔ پر ہم
کو دنیا کی زندگی نے دھوکا
دیا اور ہمیں اپنے کفر کا اقرار
ہے۔ یہ اس لیے کہ خدا بستیوں
کو منتشر کیے بغیر ظلم سے ہلاک
کرنے والا نہیں۔

۴۔ انا ارسلنا نوحا
الیٰ قومہ ان انذر
قومک من قبل ان
یاتیہم عذاب الیم (نوح)

ہم نے نوحؑ کو اس کی قوم
کی طرف بھیجا کہ اپنی قوم
کو عذاب کے آنے سے پہلے
ڈرا دے۔

پہلی آیت سے ظاہر ہے کہ اگر رسول نہ بھیجا جائے، تو لوگ یہ کہنے میں حق بجانب ہوں گے کہ ہماری طرف رسول بھیج کر ہمیں متنبہ کیوں نہیں کیا گیا۔ دوسری آیت میں بتایا ہے کہ رسول کا آنا اتمام حجت کے لئے ضروری ہے، اگر رسول نہ آئے تو لوگوں کا یہ عذر معقول ہوگا کہ جیسا پچھلی قوموں کی طرف رسول آئے تو ہماری طرف کیوں رسول نہ بھیجا گیا۔ تیسری آیت میں بتایا گیا ہے، کہ رسول کے ذریعے انذار کرائے بغیر لوگوں کو عذاب دینا یا ہلاک کرنا ظلم ہے اور ظلم خدا کی شان سے بعید ہے۔ چوتھی آیت سے واضح ہے کہ حضرت نوحؑ کو اپنی قوم کی طرف عذاب کے آنے سے پہلے پہلے انتباہ کے لئے بھیجا گیا تھا۔

اسی طرح آیات ذیل سے ظاہر ہے کہ کئی مقاصد کے لئے رسولوں کا آتے رہنا ضروری ہے :-

| | |
|---|---|
| ۱۔ قل ما کنت بدعا من الرسل ..... ومن قبله کتاب موسیٰ اماما و رحمة۔ (احقاف ع۱) | کہہ کہ میں کوئی نیا رسول نہیں ہوں ..... اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب راہنما و رحمت ہے۔ |
| ۲۔ ولقد بعثنا فی کل امة رسولا ان اعبدوا الله واجتنبوا الطاغوت (نحل ع۵) | اور ہم نے ہر امت میں رسول مبعوث کیا کہ خدا کی عبادت کرو، اور شیطان سے بچو۔ |
| ۳۔ وان من امة الا خلا فیها نذیر (فاطر ع۳) | کوئی امت نہیں جس میں رسول نہ آیا ہو۔ |

۴- ینزل الملائکۃ بالروح من امرہ علی من یشاء من عبادہ ان انذروا انہ لا الٰہ الا انا فاتقون ۝ (نحل - ع ۱)

اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے، ملائکہ کے ذریعہ اپنا کلام نازل کرتا ہے کہ لوگوں کو خبردار کر دو کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں - پس مجھ سے ہی ڈرو -

۵- لقد ارسلنا رسلنا بالبینات وانزلنا معہم الکتاب والمیزان لیقوم الناس بالقسط (حدید ع ۳)

ہم نے رسولوں کو واضح نشانات، کتاب اور ترازو کے ساتھ بھیجا تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں -

(۶) وما نرسل المرسلین الا مبشرین ومنذرین ویجادل الذین کفروا بالباطل لیدحضوا بہ الحق واتخذوا آیاتی وما انذروا ھزوا (کہف - ع ۸)

ہم رسولوں کو بشارت دینے اور ڈرانے کیلئے بھیجتے ہیں مگر کافر جھوٹ سے مقابلہ کرتے ہیں تاکہ سچائی کو مٹا ڈالیں اور میری آیات اور انذار سے ہنسی کرتے ہیں -

(۷) انا انزلناہ فی لیلۃ مبارکۃ انا کنا منذرین فیہا یفرق کل امر حکیم (دخان ع ۱)

ہم نے قرآن کو مبارک رات میں نازل کیا - بے شک ہم ڈرانے والے ہیں - اس میں دانائی کی ہر بات بیان کر دی جاتی ہے -

پہلی آیت میں رسول اللہ سے کہلوایا ہے کہ میں کوئی پہلا رسول نہیں ہوں - ارسال رسل خدا کی سنت قدیمہ ہے - چنانچہ کتاب موسیٰ اس سے پہلے موجود ہے دوسری آیت میں رسول بھیجنے کی غرض یہ بتائی کہ لوگوں کو خدا کی عبادت کرنے اور

ا ور فرمایا کہ اس غرض کے لئے ہر قوم میں رسول شیطان سے بچنے کا حکم دے۔ بھیجا گیا اس سے ظاہر ہے کہ لوگوں کو خدا کی عبادت پر قائم کرنے اور شیطان سے بچانے کے لئے رسولوں کا آتے رہنا ضروری ہے ۔ تیسری آیت میں حصر تام کے طور پر فرمایا ہے کہ کوئی امت نہیں جس میں رسول نہ آیا ہو اس سے بھی ہر زمانہ میں رسول کا آنا ضروری ٹھہرتا ہے ، چوتھی آیت میں کلام کے لئے "ینزّل" کا لفظ لا کر جو مضارع ہے اور حال اور مستقبل دونوں کو شامل ہے بتایا ہے کہ لوگوں کو متنبہ کرنے اور توحید پر قائم کرنے کے لئے کلام الٰہی ہمیشہ نازل ہوتا رہتا ہے ۔ پانچویں آیت میں فرمایا ہے کہ لوگوں کو انصاف پر قائم رکھنے کے لئے رسولوں کا بھیجنا ضروری ہے چھٹی آیت میں پھر مضارع کا صیغہ لا کر بتایا ہے کہ ہم رسولوں کو خوشخبری دینے اور ڈرانے کے لئے ہمیشہ بھیجتے رہتے ہیں ۔ ساتویں آیت میں انا کنا منذرین کہہ کر بتایا ہے کہ یہ سنت اللہ ہے کہ وہ دانائی کی باتیں سکھانے اور انذار کے لئے کلام نازل کرتا رہتا ہے ۔

## لمبے زمانہ کے بعد رسولوں کا آنا ضروری ہے

قرآن میں کئی جگہوں پر ہے کہ رسولوں کے بعد لمبا زمانہ گذرنے سے دل مردہ ہو جاتے ہیں اور انہیں پھر زندہ کرنے کے لئے رسول کا بھیجنا ضروری ہوتا ہے ، جیسے کہ فرمایا ہے :-

فطال علیہم الامد فقست قلوبہم وکثیر منہم فاسقون ان اللہ یحی الارض بعد موتہا ( حدید ع۲ )

پس جب ان پر لمبا زمانہ گذر گیا تو ان کے دل سخت ہو گئے اور اکثر نے ان میں سے عہد کو توڑ دیا ، خدا زمین کو اس کی مردگی کے بعد زندہ کرتا ہے

يا اهل الكتاب قد جاءكم رسولنا يبين لكم على فترة من الرسل ان تقولوا ما جاءنا من بشير ولا نذير -
(مائدہ ع ۳)

اے اہل کتاب ہمارا رسول تمہارے پاس ایک بیے وقفہ کے بعد آیا ہے - تاکہ تم یہ نہ کہو کہ ہمارے پاس کوئی بشیر اور نذیر نہیں آیا -

حضرت عیسیٰ کے چھ سو سال بعد حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور اس چھ سو سال کے وقفہ کو کافی لمبا عرصہ سمجھا گیا جس کے بعد رسول کو آنا چاہیئے، چنانچہ اس کی طرف اہل کتاب کو توجہ دلا کر کہا کہ اتنے عرصے کے بعد بھی اگر رسول نہ آتا تو تم یہ کہنے میں حق بجانب ہوتے کہ ہماری ہدایت کے لئے رسول کیوں نہ بھیجا گیا۔ جائے غور ہے، جب اللہ تعالیٰ ایک طرف چھ سو سال کے عرصہ کو کافی لمبا عرصہ خیال فرماتا ہے تو دوسری طرف کیونکر فرما سکتا تھا، کہ اب ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خواہ کروڑوں سال کرہ ارض قائم رہے کوئی رسول نہیں آئے گا - قرآن کی طرف یہ بات منسوب کرنا حد درجہ کی بے انصافی ہے -

## فیصلہ اختلافات کے لیے پیغمبر کا آنا ضروری ہے

پیغمبر اختلافات کے فیصلہ کے لیے بھیجا جاتا ہے - جیسا کہ فرمایا :-

كان الناس امة واحدة فبعث الله النبيين مبشرين

سب لوگ ایک ہی جماعت تھے - پس اللہ نے نبیوں کو بشارت دینے اور انذار کے لئے مبعوث کیا، اور ان پر سچائی کے ساتھ کتاب نازل کی

ومنذرين وانزل معهم الكتاب بالحق ليحكم بين الناس فيما اختلفوا فيه وما اختلف فيه الا الذين

اوتوہ من بعد ما جاءتھم البینات بغیًا بینھم۔
(بقرہ ع ۲۶)

تاکہ وہ لوگوں کے اختلافات کا فیصلہ کرے جو ان کے درمیان باہمی عداوت سے رونما ہو چکے ہیں۔

جب لوگ آپس کی سرکشی کے باعث اس تعلیم میں جو انہیں دی گئی اختلاف کر کے متفرق ہو جاتے ہیں، تو خدا تعالیٰ پیغمبر کو بھیجتا ہے، تاکہ ان کے اختلافات کا فیصلہ کر دے، اور صحیح راستہ کو واضح کر دے۔ یہ اس لئے ہوتا ہے کہ سب انسان ایک جماعت ہیں اور خدائے تعالیٰ ان کا تفرقہ پسند نہیں فرماتا۔ ان کے متفرق ہو جانے پر پھر انہیں متحد کرنے کی راہ نکالتا ہے۔ نیز چونکہ سب انسان ایک جماعت ہیں، سب خدا کی پیدائش اور اپنے اختلافات میں خدائی فیصلہ کے یکساں محتاج ہیں، اس واسطے ہر اختلاف کے موقعہ پر خدا پیغمبر بھیجتا رہا ہے۔ اور بھیجتا رہے گا۔

## اجرائے سلسلہ رسالت کے نو وجوہات

اسی طرح سورۃ نحل ع ۸ - ۹ میں ہے:- تاللہ لقد ارسلنا الیٰ امم من قبلک فزین لھم الشیطان اعمالھم فھو ولیھم الیوم ولھم عذاب الیم وما انزلنا علیک الکتاب الا لتبین لھم الذی اختلفوا فیہ وھدی ورحمۃ لقوم یومنون۔ واللہ انزل من السماء ماءً فاحیا بہ الارض بعد موتھا

ہم نے یقیناً تجھ سے پہلی قوموں کی طرف رسول بھیجے۔ پھر شیطان نے ان کے بُرے اعمال انہیں خوبصورت کر دکھلائے۔ وہی آج ان کا ولی ہے، اور وہ دردناک عذاب میں ہیں

ان فی ذلک لآیۃ لقوم
یسمعون و ان لکم فی
الانعام لعبرۃ نسقیکم
مما فی بطونہ من بین
فرث و دم لبنا خالصا
سائغا للشاربین و من
ثمرات النخیل والاعناب
تتخذون منہ سکرا و
رزقا حسنا ان فی ذلک
لآیۃ لقوم یعقلون ۔ و
اوحی ربک الی النحل ان
اتخذی من الجبال بیوتا
و من الشجر و مما یعرشون
ثم کلی من کل الثمرات
فاسلکی سبل ربک ذللا
یخرج من بطونہا شراب
مختلف الوانہ فیہ شفاء
للناس ان فی ذلک لآیۃ
لقوم یتفکرون واللہ خلقکم
ثم یتوفکم و منکم من
یرد الی ارذل العمر

ہم نے تجھ پر کتاب اس غرض سے
نازل کی ہے کہ تو ان کے اختلاف کا
فیصلہ کرے اور وہ مومنوں کے
لئے ہدایت اور رحمت ہو، اللہ
بادلوں سے بارش برساتا ہے اور
اس سے مردہ زمین کو زندہ کرتا ہے
اس میں ان لوگوں کے لئے جو کان
رکھتے ہیں نشان ہے ۔ بے شک
تمہارے لئے چوپایوں میں درس عبرت
ہے ۔ ہم ان کے پیٹوں میں سے
خالص اور خوشگوار دودھ گوبر
اور لہو سے علیحدہ کرکے تم کو پلاتے
ہیں اور کھجور اور انگور سے تم شراب
اور اچھا رزق حاصل کرتے ہو ۔
اس میں عقلمندوں کے لئے نشان ہے
خدا نے شہد کی مکھی کو فطری ہدایت
دی کہ تو پہاڑوں، درختوں اور
چھتوں میں اپنے چھتے بنا ۔ پھر ہر
قسم کے پھلوں کا رس حاصل کر اور
خدا کے بتائے ہوئے طریقوں پر عمل
کر، تو ان چھتوں میں سے مختلف

لکی لا یعلم بعد علم شیئا ؕ ان اللہ علیم قدیر
واللہ فضل بعضکم علی بعض فی الرزق فما الذین فضلوا برادی رزقہم علی ما ملکت ایمانہم فہم فیہ سواء افبنعمۃ اللہ یجحدون ، واللہ جعل لکم من انفسکم ازواجا وجعل لکم من ازواجکم بنین وحفدۃ ورزقکم من الطیبات افبالباطل یؤمنون وبنعمت اللہ ھم یکفرون ۔
(نحل ع ۸-۹)

قسم کا شہد برآمد ہوگا - جو لوگوں کے لئے شفا بخش ہے - اس میں سوچنے والوں کے لئے نشان ہے - اللہ تمہیں پیدا کرتا ہے - پھر وفات دیتا ہے اور تم میں سے جو لمبی عمر پاتے ہیں وہ سب سیکھا سکھایا بھول جاتے ہیں - بے شک اللہ علم والا قدرت والا ہے - اللہ نے تمہیں ایک دوسرے پر رزق میں فضیلت دی ہے - پر فضیلت والے اپنے رزق سے اپنے ماتحتوں کو دولت نہیں پہنچاتے تاکہ سب برابر ہو جائیں - کیا یہ لوگ خدا کی نعمت کا انکار کرتے ہیں اور اللہ نے تمہارے لئے تم ہی میں جوڑے بنائے اور ان جوڑوں میں سے تمہارے لئے بیٹے اور پوتے پیدا کئے اور تمہیں کھانے کو اچھی اچھی چیزیں عطا کیں - کیا یہ لوگ باطل پر ایمان لاتے اور خدا کی نعمت کا انکار کرتے ہیں؟

ان آیات میں بتایا ہے کہ

۱- خدا کی قدیم سے یہ سنت چلی آئی ہے کہ دین کے زوال اور شیطانی غلبہ کے وقت رسول بھیجتا رہا ہے - چنانچہ آج پھر جب شیطان ہی

لوگوں پر مسلط ہے۔ اسی سنت قدیمہ کے مطابق حضرت محمد رسول اللہ کو بھیجا ہے۔

۲۔ آپ کے بھیجنے کی غرض یہ ہے کہ اس حقیقت کو جسے یہ لوگ آپس کے اختلاف کی وجہ سے کھو چکے ہیں کھول کر بیان فرمائیں اور اس طرح آپ ان کے لئے موجب ہدایت و رحمت ہوں۔

۳۔ ایسے وقت میں اگر رسول نہ آتے۔ تو انسانیت کا خاتمہ ہو جائے جیسے امساک باراں کے بعد اگر بارش نہ آئے، تو زمین پر ساری زندگی کا خاتمہ ہو جائے۔

۴۔ گوبر اور لہو کے درمیان سے دودھ پیدا کرنا انسان کے بس کی بات نہیں۔ اسی طرح جب سابقہ تعلیمیں لفظی اور معنوی آمیزشوں سے خلط ملط ہو جاتی ہیں تو سوائے تازہ وحی ربانی کے خالص دین کو کوئی چیز بہم نہیں پہنچا سکتی۔

۵۔ کھجور اور انگور سے خدا اچھا رزق مہیا کرتا ہے۔ لوگ ان کو بگاڑ کر ان سے شراب جیسی مضر چیز بنا لیتے ہیں۔ یہی حالت شریعتوں کی ہے کہ شریعت جو سرچشمہ ہدایت اور سامان ربوبیت ہے۔ لوگ اسے بگاڑ کر بجائے نفع کے ضرر رساں بنا دیتے ہیں۔ اس وجہ سے تازہ وحی کی ضرورت پڑتی ہے۔

۶۔ وحی الٰہی شہد کی مکھی کی طرح ہے۔ سابقہ تعلیمات کا جوہر اکٹھا کر کے خالص شہد یعنی خالص دین جو لوگوں کی روحانی بیماریوں کے لئے شفا ہے تیار کر دیتی ہے۔ چنانچہ دوسری جگہ قرآن کو شفاء لما فی الصدور (یونس۔ ع ۶) کہا بھی ہے۔

۷۔ اللہ لوگوں کو پیدا کرتا ہے، اور ان پر موت وارد کرتا ہے، اور جو لمبی عمر پاتا ہے، وہ بڑھاپے میں اپنا سارا حاصل کردہ علم بھول جاتا ہے یہی مثال اُمتوں اور قوموں کی ہے، جو انہیں ایک وقت میں علم کے معراج کمال پر ہوتی ہیں۔ رفتہ رفتہ اپنے علم کو کھو کر جہالت میں لوٹ آتی ہیں، اس واسطے پھر علم دین کو از سر نو قائم کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔

۸۔ خدا نے کسی کو کم دیا ہے، کسی کو زیادہ، اور منشا یہ ہے کہ جن کو زیادہ ملا ہے، اس سے وہ دوسروں کو فائدہ پہنچائیں اور اس طرح سب لوگ آپس میں برابر ہو جائیں، لیکن جن کو زیادہ ملتا ہے وہ اسے خدا کی دین سمجھ کر اس سے دوسروں کو فائدہ پہنچانے کی بجائے اسے دوسروں پر غلبہ حاصل کرنے کا ذریعہ بنا لیتے ہیں۔ اس سے حیات نوعی کا توازن درہم برہم ہو جاتا ہے اور زندگی خطرہ میں پڑ جاتی ہے —— اور پھر اس کو سمجھانے اور توازن کو دوبارہ قائم کر کے زندگی کو معرض ہلاکت سے نکالنے کے لئے رسول کا آنا ضروری ہوتا ہے۔ اگر رسول مساوات انسانی کا سبق دے کر از سر نو توازن قائم نہ کر دے، تو انسانی زندگی ختم ہو جائے، پس رسول وجہ بقائے نوع کا موجب ہے، یہ بہت بڑی نعمت ہے، لیکن لوگ ناشکری سے اس نعمت کو رد کرتے ہیں۔

۹۔ جس طرح جسمانی طور پر انسان کی بقا زوج بیٹے پوتے اور مناسب غذا سے ہے، اسی طرح سچائی کی بقا تعلق باللہ یکے بعد دیگرے آنے والے پیغمبروں اور ان کے ذریعہ دی گئی تازہ بتازہ ہدایت سے ہے، جس طرح انسان اپنی جسمانی بقا کے سامان خود مہیا نہیں کر سکتا۔ اسی طرح اپنی روحانی بقا کے لئے بھی خدا کا محتاج ہے، اگر یہ روحانی سلسلہ پیغمبروں کا نہ ہو تو جسمانی زندگی

باطل یعنی بے مقصد ہو کر رہ جائے، اس لئے فرمایا کہ کیا یہ لوگ نسل انسانی کی پیدائش کو رائگاں سمجھتے ہیں، اور سلسلہ رسالت جیسی نعمت عظمیٰ کو جس میں سچائی کے بقا اور نسل انسانی کی ترقی کا راز مضمر ہے رد کرتے ہیں؟

**اجل امم** سوائے خدا کے ہر شیئ ہر آن معرض فنا میں ہے، کل من علیہا فان و یبقی وجہ ربک ذی الجلال والاکرام،

ہر شے کا ایک اندازہ مقرر ہے۔ خلق کل شیئ فقدرہ تقدیرا ط

اسی قاعدہ کلیہ کے مطابق قومیں بھی بنتی اور بگڑتی رہتی ہیں، ایک قوم پیدا ہوتی ہے، ترقی کرتی ہے، عروج کو پہنچتی ہے، پھر تنزل کرتی ہے۔ کمزور ہوتی جاتی ہے آخر اپنی عمر پوری کر کے مر جاتی ہے اور دوسری قوم کے لئے جگہ خالی کر دیتی ہے۔ سسکتی ہوئی قوموں کے سامنے نئی زندگی پیش کرتے اور اگر وہ اس سے انکار کریں تو ان پر موت کا حکم لگانے اور ان کی جگہ دوسری قوم پیدا کرنے کے لئے پیغمبر بھیجا جاتا ہے۔ قرآن شریف اس مضمون سے بھرا پڑا ہے۔ چند آیات بطور نمونہ پیش کی جاتی ہیں۔

| | |
|---|---|
| ۱۔ قل انی علی بینۃ من ربی وکذبتم بہ ما عندی ما تستعجلون بہ ...... وما تسقط من ورقۃ الا یعلمہا ولا حبۃ فی ظلمات الارض ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین، وھو الذی یتوفکم باللیل | کہہ کہ میں اپنے رب کی طرف سے حق پر ہوں اور تم اسے جھٹلاتے ہو۔ جس کے لئے تم جلدی کرتے ہو وہ میرے پاس نہیں ...... کوئی پتا نہیں گرتا مگر اللہ اُسے جانتا ہے اور نہ زمین کے نیچے تاریکیوں میں کوئی دانہ ہے۔ نہ کوئی خشک ہے نہ تر، جو کتاب مبین میں نہ ہو اور وہی ہے |

ویعلم ما جرحتم بالنہار ثم
یبعثکم فیہ لیقضی اجل مسمی
ثم الیہ مرجعکم ثم ینبئکم
بما کنتم تعملون وھو القاھر
فوق عبادہ ویرسل علیکم
حفظۃ حتی اذا جاء احدکم
الموت توفتہ رسلنا وھم
لا یفرطون ثم ردوا الی اللہ
مولیٰھم الحق الا لہ الحکم
وھو اسرع الحاسبین ...
.... انظر کیف نصرف الآیات
لعلھم یفقھون وکذب بہ
قومک وھو الحق قل
لست علیکم بوکیل
لکل نبا مستقر و
سوف تعلمون ۵

(انعام ۔ ع۸)

جو تمہیں رات کو سلاتا ہے اور جانتا ہے
کہ دن میں تم نے کیا کیا ۔ پھر تمہیں
صبح کو اٹھاتا ہے تاکہ تمہاری مقررہ
میعاد پوری ہو، پھر اس کے حضور
تمہاری پیشی ہوتی ہے ، تو وہ تمہیں
بتاتا ہے جو تم کرتے تھے وہ اپنے
بندوں پر غالب ہے ۔ وہ تمہارے
لئے محافظ بھیجتا رہتا ہے ، یہاں تک
کہ جب تم میں سے کسی کی موت آ
پہنچتی ہے ۔ تو ہمارے رسول اُسے
وفات دیتے ہیں اور وہ اس میں
کوتاہی نہیں کرتے ۔ پھر لوگ اپنے
خدائے برحق کی طرف لوٹا دیئے جاتے
ہیں ۔ حکم اسی کا نافذ ہے اور وہ
حساب لینے میں سب سے زیادہ تیز
ہے ...... دیکھ کیوں کر ہم آیات
کو پھیر کر لاتے ہیں تاکہ وہ سمجھیں تیری
قوم نے اسے جھٹلایا ، حالانکہ وہ سچائی ہے کہہ کہ میں تمہارا ذمہ دار نہیں ہوں ۔ ہر
چیز کے لئے ایک وقت مقررہ ہے اور عنقریب تم جان لو گے ۔

گرنے والے پتے سے مراد وہ قوم ہے جس میں سے زندگی ختم ہو گئی
ہے اور وہ گر رہی ہے ، زمین کے اندر دانہ سے مراد نئی قوم کا بیج ہے جو

بڑھایا گیا ہے، اور جس سے ایک قوم عدم سے وجود میں آرہی ہے۔ یا اس سے مراد وہ قوم ہے، جس کی زندگی کی نماز کی ختم ہو چکی ہے اور رطب سے وہ قوم مراد ہے، جو زندگی کے پانی سے بھری بھری ہے۔ رات اور دن قوم کا گرنا اور ابھرنا ہے، کبھی کمزور ہو جاتی ہے، کبھی پھر طاقت میں آجاتی ہے، یہاں تک کہ اپنے اجل کے دن پورے کر لیتی ہے، جب تک کوئی قوم اپنی اجل کو نہیں پہنچتی خدا اس کی حفاظت کے سامان کرتا رہتا ہے، اس میں ایسے لوگ پیدا ہوتے رہتے ہیں، جو اس کی بیماریوں کا علاج کر کے طاقت کو بحال کرتے رہتے ہیں، لیکن جب اس کی میعاد پوری ہو جاتی ہے، خدا کے رسول اس پر موت وارد کر دیتے ہیں۔ آخر میں فرمایا کہ دیکھو کیسے ہم فرد کی زندگی اور موت کی مثال کو قومی زندگی اور موت پر چسپاں کر کے دکھاتے ہیں تاکہ یہ لوگ سمجھیں، اسی طرح جو یہ فرمایا کہ ہر چیز کے ظہور کے لئے ایک مقررہ وقت ہے اور ایسے ہی مخالفوں پر عذاب آنے کی خبر کا بھی وقت مقرر ہے۔ جو انہیں معلوم ہو جائے گا۔ تو اس کے یہ معنی نہیں کہ فنا عالم کے بعد انہیں سزا ملے گی، خدا کے حساب میں تیز ہونے کا ذکر کر کے بتا دیا ہے کہ جلد ہی ان کا حساب کتاب ہو کر انہیں سزا ملے گی، چنانچہ وہ آنحضرت کے زمانہ میں ہی مل گئی۔

۲۔ ولقد اهلكنا القرون من قبلكم لما ظلموا وجاءتهم رسلهم بالبينات وما كانوا ليؤمنوا كذلك

تم سے پہلی نسلوں نے جب ظلم کیا تو ہم نے انہیں ہلاک کر دیا، اور ان کے پاس کھلے نشانات کے ساتھ رسول آئے لیکن وہ ایمان نہ لائے

نجزی القوم المجرمین ثم جعلنٰکم خلٰئف فی الارض من بعدھم لننظر کیف تعملون ۞

(یونس - ع۲)

ہم مجرموں کو اسی طرح سزا دیتے ہیں، پھر ہم نے تم کو زمین میں ان کا جانشین بنایا تاکہ ہم دیکھیں کہ تم کیا کرتے ہو

اس آیت میں بتایا ہے کہ ہر قوم اپنی زندگی کے دوران میں زیر امتحان ہوتی ہے جب وہ بے انصافیوں کے سبب زندگی کی اہل نہیں رہتی تو مٹا دی جاتی ہے، چنانچہ خدا نے بعد دیگرے سابقہ قوموں کو ہلاک اور ان کی جگہ نئی قوموں کو کھڑا کرتا آیا ہے۔

۳۔ واما نرینک بعض الذی نعدھم او نتوفینک فالینا مرجعھم ثم اللہ شھید علی ما یفعلون ولکل امۃ رسول فاذا جاء رسولھم قضی بینھم بالقسط وھم لا یظلمون ویقولون متی ھذا الوعد ان کنتم صدقین ..... لکل امۃ اجل اذا جاء اجلھم فلا

اور اگر ہم تجھے ایک حصہ اس کا جس کا ہم ان سے وعدہ کرتے ہیں دکھا دیں یا تیری وفات کے بعد وعدہ پورا ہو۔ بہرحال انہوں نے ہمارے پاس آنا ہے۔ خدا ان کے لئے گواہ ہے۔ ہر امت کے لئے ایک رسول ہے۔ جب ان کا رسول آجاتا ہے، ان میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جاتا ہے اور ان سے کوئی ظلم نہیں کیا جاتا۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو یہ وعدہ کب

یستاخرون ساعۃ ولا یستقدمون ....... وما انتم بمعجزین، ولو ان لکل نفس ظلمت ما فی الارض لافتدت بہ واسروا الندامۃ لما راوا العذاب وقضی بینہم بالقسط وہم لا یظلمون - الا ان للہ ما فی السموت والارض الا ان وعد اللہ حق ولکن اکثرہم لا یعلمون -

(یونس ع ۵ ...)

پورا ہوگا ....... ہر امت کے لیے میعاد مقرر ہے - جب ان کی میعاد پوری ہو جاتی ہے - تو ذرا بھی اس سے پس و پیش نہیں ہو سکتے ....... تم اس سے کسی طرح بھی بچ کر نہیں جا سکتے، اور اگر ظالم اپنے ذریعہ میں زمین کے سارے خزانے بھی پیش کر دیں اور عذاب کو دیکھ کر اظہار پشیمانی کریں، تب بھی ان کا چھٹکارا نہیں ہاں ان میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا - اور ان کے ساتھ ظلم نہیں ہوگا - یاد رکھو کہ زمین و آسمان کا مالک خدا ہے اور اس کا وعدہ سچا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے -

ان آیات میں بتایا ہے کہ ہر قوم کی میعاد مقرر ہے، جب اس کی موت کی گھڑی آ جاتی ہے - تو وہ ٹالی نہیں جا سکتی، جب یہ گھڑی قریب آ پہنچتی ہے تو رسول ظاہر ہوتا ہے اور اس قوم کا اعداء کے ساتھ فیصلہ کر دیتا ہے۔ یعنی اپنی زندگی کے دوران میں جیسے کام اس کی امت نے کئے ہوتے ہیں، ان کا حساب کر کے جس بات کی وہ مستحق پائی جاتی ہے، ایسے ہی فیصلہ دیا جاتا ہے، کافروں کے اس سوال کا کہ عذاب کب آئے گا - جواب دیا ہے -

کہ اب جب کہ پیغمبر آچکا ہے اور اس نے انہیں موت کا حکم سنا دیا ہے، اب کوئی دن کی بات ہے کہ ان کی صف کو لپیٹ کر ایک طرف کر دیا جائے گا چنانچہ وہ وعدہ کا دن جس کا ذکر "ان وعد اللہ حق" میں کیا ہے، اسی دنیا میں آگیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالف جزیرہ نمائے عرب سے معدوم ہو گئے۔

ملاحظہ فرمائیے کتنی صراحت سے ہر امت کے لئے اجل اور ہر امت کے لئے رسول اور رسول کے آنے پر انصاف کے ساتھ فیصلہ ہو جانے کا قانون بیان فرمایا ہے، اور پھر مخاطب مخالفین کے خلاف کتنے زور سے فیصلہ صادر فرمایا ہے۔ ہر ظالم نفس کو اپنے کئے کی سزا ملنی ہے اور کوئی اسے بچا نہیں سکتا۔ اور عذاب خالد دیا جاتا ہے، شروع میں "نتوفینک" کے بعد "الینا مرجعکم" کے الفاظ آئے ہیں۔ ان کا مطلب یہ ہے کہ اب جب کہ فیصلہ ہو چکا ہے، رسول جسمانی وجود کے ساتھ ان کے اندر رہے یا نہ رہے اس کا کوئی اثر فیصلہ کے نفاذ پر نہیں پڑتا۔ یہ مجرم اب ہماری تحویل میں ہیں اور بھاگ کر نکل نہیں سکتے۔ "ما انتم بمعجزین" دوسری دفعہ جو "قضی بینہم بالقسط" آیا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ عذاب کی آخری انتہائی شدید ضرب کے وقت جو ممکن ہے رسول کی وفات کے بعد واقع ہو۔ فیصلہ ہوتا ہے، یہ تو پہلے بصراحت تمام بیان ہو چکا ہے کہ فیصلہ رسول کے آنے پر ہوتا ہے، اس موقعہ پر جب عذاب کی آخری ضرب کا ذکر کیا، جو بے حد سخت ہے تو ان لفظوں کو اس لئے دہرایا کہ اگرچہ یہ عذاب نہایت شدید ہے، اس میں ظلم کوئی نہیں:—

۴۔ ولکل امة اجل فاذا جاء
اجلهم لا يستاخرون ساعة
و لا يستقدمون
يا بني آدم اما يأتينكم
رسل منكم يقصون عليكم
آياتي فمن اتقى واصلح فلا
خوف عليهم ولا هم يحزنون
والذين كذبوا بآياتنا...
...اولئك ينالهم نصيبهم من الكتاب
حتى اذا جاءتهم رسلنا
يتوفونهم قالوا اينما كنتم
تدعون من دون الله
قالوا ضلوا عنا وشهدوا
على انفسهم انهم كانوا كافرين
قال ادخلوا في امم قد
خلت من قبلكم من الجن
والانس في النار كلما دخلت
امة لعنت اختها حتى اذا
اداركوا فيها جميعا قالت
اخراهم لاولاهم ربنا
هؤلاء اضلونا فآتهم

ہر امت کے لئے میعاد مقرر ہے جب
وہ پوری ہو جاتی ہے تو اس سے آگے
پیچھے نہیں ہو سکتے ،
اے بنی آدم! تمہارے پاس ضرور
تم ہی میں سے رسول آئیں گے
اور میری آیات بیان کریں گے ،
تو جو خدا سے ڈر کر اپنی اصلاح کرے
گا ، اس کے لئے نہ خوف ہے نہ غم ،
اور جو ہماری آیات کو جھٹلاتے ہیں ...
ان کو اپنا حصہ کتاب سے ملتا رہتا ہے
یہاں تک کہ جب ہمارے رسول
ان پر موت وارد کرنے آتے ہیں ۔
ان سے پوچھتے ہیں وہ کہاں ہیں
جن کو تم خدا کے سوا پکارتے تھے
تو وہ جواب دیتے ہیں کہ وہ اب
ہمیں نظر نہیں آتے ، اور اپنے کافر
ہونے کا اقرار کرتے ہیں ۔ وہ کہتا
ہے ۔ کہ تم ان قوموں میں داخل ہو جاؤ
جو تم سے پہلے جن و انس میں سے
آگ میں ہیں ۔ جب کوئی امت آگ
میں داخل ہوتی ہے تو وہ داخل ہوتے

عذ ابا ضعفا من النار
قال لکل ضعف و لکن لا
تعلمون و قالت اولٰهم
لاخرٰهم فما کان لکم
علینا من فضل فذوقوا
العذاب بما کنتم تکسبون
ان الذین کذبوا بایاتنا
واستکبروا عنها لا تفتح
لهم ابواب السماء ولا
یدخلون الجنة حتی یلج
الجمل فی سم الخیاط وکذلك
نجزی المجرمین - لهم من
جهنم مهاد، ومن فوقهم غواش
وکذلك نجزی الظالمین ۝
والذین امنوا وعملوا الصلحت
لا نکلف نفسا الا وسعها
اولئك اصحاب الجنة هم
فیها خالدون ونزعنا
ما فی صدورهم من غل
تجری من تحتهم الانهار
وقالوا الحمد لله الذی هدانا

ہی اپنی بہن پر لعنت کرتی ہے، یہاں
تک کہ سب اس میں ایک دوسرے
سے ملتے ہیں تو ان کے پچھلے اپنے سے
پہلوں کے متعلق کہتے ہیں کہ اے ہمارے
رب! انہوں نے ہمیں گمراہ کیا - ان
کو دگنی سزا دے - خدا کہتا ہے کہ ہر
ایک کو دگنی سزا ملتی ہے، لیکن تم نہیں
جانتے - اور پہلے پچھلوں کو کہتے ہیں،
تم کو ہم پر کوئی فضیلت نہیں - سو
اپنے کئے کی سزا بھگتو - جو لوگ
ہماری آیات کو جھٹلاتے اور ان سے
سرکشی کرتے ہیں، ان کے لئے بلندیوں
کے دروازے نہیں کھولے جاتے اور
نہ وہ جنت میں داخل ہو سکتے ہیں.
یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے سے
گزرے - اسی طرح ہم مجرموں کو
سزا دیتے ہیں، ان کے لئے جہنم کا
بچھونا ہوتا ہے - اور اوپر سے اوڑھنے
اسی طرح ہم ظالموں کو سزا دیتے ہیں
مومن اور نیک کام کرنے والے جنت
والے ہیں وہ اسی میں ہمیشہ رہنے والے

هذا وما كنا لنهتدي لولا
ان هدانا الله لقد جاءت
رسل ربنا بالحق ونودوا ان
تلكم الجنة اورثتموها بما كنتم
تعملون ونادى اصحاب الجنة
اصحاب النار ان قد وجدنا
ما وعدنا ربنا حقا فهل
وجدتم ما وعد ربكم حقا
قالوا نعم فاذن مؤذن
بينهم ان لعنة الله على
الظالمين الذين يصدون
عن سبيل الله ويبغونها
عوجا وهم بالآخرة
كافرون (اعراف ع ۵)

ہم کسی پر طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتے
ہم ان کے سینوں سے ہر قسم کا کینہ باہر نکال
دیتے ہیں، وہ نہایت اطمینان سے زندگی
بسر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ سب تعریف
اس خدا کے لئے ہے، جس نے ہمیں اس کی
طرف راہنمائی فرمائی، اس کی راہنمائی کے بغیر
ہمیں یہ بات حاصل نہ ہوتی ۔ بے شک خدا
کے رسول حق کے ساتھ آئے ہیں اور ان
کو آواز دی جاتی ہے کہ بعوض تمہارے
نیک کاموں کے تمہیں یہ جنت دی گئی
ہے ۔ جنت والے دوزخیوں کو پکارتے
ہیں کہ ہم نے تو خدا کا وعدہ سچا پا لیا
کیا تم نے بھی جو تمہارے ساتھ رب
نے وعدہ کیا تھا سچا پایا؟ وہ کہتے ہیں
ہاں ۔ پھر ان میں ایک شخص بلند آواز سے کہتا ہے کہ ظالموں پر خدا کی لعنت ہے جو
خدا کے راستہ سے روکتے ہیں اور اسے ٹیڑھا کرنا چاہتے ہیں ۔ اور آخرت کے منکر
ہیں ۔

ان آیات میں بتایا ہے کہ ہر قوم کی میعاد مقرر ہے ۔ جب یہ میعاد خاتمہ کے
قریب پہنچتی ہے تو رسول آتا ہے جو اس کی پیروی کرتا ہے ۔ اسے کچھ خطرہ نہیں جو
نہیں مانتے ان کو ایک وقت تک تاریکی عذاب جو ان کے لئے مقرر ہے ،
پہنچتا رہتا ہے ۔ یہاں تک کہ ان کی ہلاکت کی گھڑی آ جاتی ہے ۔ اس وقت

غرور اور تکبر کا نشہ اتر جاتا ہے، اور خود اعتراف کرنے لگتے ہیں کہ بے شک
ہمارا قدم کا ذرانہ ہے۔ دین ہم میں باقی نہیں رہا، اس وقت پچھتانا کچھ
کام نہیں آتا، حکم ہوتا ہے کہ ان قوموں میں جو تم سے پہلے دینی و دنیوی خسارہ
اور ذلت کی آگ میں ہیں داخل ہو جاؤ، ہر قوم جب اپنے رسول کی تکذیب
کرکے دوزخ میں داخل ہوتی ہے، تو اگرچہ خود خدا سے بھی دوری اور ذلت
کی اسی سطح پر ہوتی ہے، جس پر کہ پہلی مکذب قومیں ہوتی ہیں۔ تازہ مکذب قوم
اپنے آپ کو مومن اور پہلی مکذب قوموں کو کافر خیال کرتی رہتی ہے اور اپنی گمراہی
کے لئے بھی سابقہ مکذب قوم کو ہی ذمہ دار ٹھہراتی ہے (کہ ہم بھی ان کی دیکھا
دیکھی دین کو چھوڑ کر اُن کے نقش قدم پر چلنے لگے ہیں)۔ اس وجہ سے سابقہ مکذب
قوم کو دوگنے عذاب کا مستحق سمجھتی ہے۔ سابقہ مکذب قوم کہتی ہے کہ اگر ہم
ایمان باللہ اور اخلاق فاضلہ سے عاری ہیں تو تم میں بھی ایمان و اخلاق
کہاں ہیں؟ تمہیں ہم پر کیا فضیلت ہے؟ جیسے ہم، ویسے تم۔ اس وقت خدا
کہتا ہے کہ تم سب کو یکساں عذاب ہے، لیکن تمہیں ایک دوسرے کی حالت
کا علم نہیں۔ ہر قوم اپنی مصیبت کا رونا روتی ہے، مگر نہیں جانتی کہ دوسری
بھی ویسی ہی مصیبت میں گرفتار ہے، اس ذلت و مصیبت سے جو سب منکروں
کے لئے یکساں ہے، ان کا نکلنا اور آرام و عزت کی زندگی پانا محال ہے
اوپر اور نیچے یعنی دین اور دنیا دونوں میں حسرت اور ناکامی کی جلن
انہیں گھیرے ہوئے ہے، ہاں جو لوگ ایمان لاتے ہیں وہ آرام و اطمینان
کی جنت میں ہیں، ان کے جنت میں ہونے کا راز اس میں ہے کہ ان کے سینوں
کو تمام کدورتوں سے پاک کر دیا گیا ہے، وہ منکروں کی طرح پیغمبر کو تکبر سے
رد نہیں کرتے کہ ہمیں اس کی کچھ حاجت نہیں بلکہ اس بات کے کہ خدا نے

پیغمبر بھیج کر ان کی راہنمائی فرمائی، جس سے ان کے سینے کدورتوں سے پاک ہوئے اور وہ چین و اطمینان کی جنت میں داخل ہو گئے۔ خدا کی شکر گذاری کرتے ہیں اور صاف اقرار کرتے ہیں کہ اگر خدا پیغمبر بھیج کر ہماری راہنمائی نہ فرماتا۔ تو ہم خود بخود اس مقام پر ہرگز نہ پہنچ سکتے۔ غرض ان آیات میں تمام قوموں کی اجل مقرر ہونے اور ان کی میعاد کے خاتمہ پر رسولوں کے آتے رہنے اور مکذب قوموں کو جہنم میں اور فرمانبرداروں کو اسی دنیا میں جنت میں داخل کرنے کا صریح بیان ہے

۵۔ ان فی ذلک لآیات و
ان کنا لمبتلین ثم انشانا
من بعدھم قرناً آخرین
فارسلنا فیھم رسولاً منھم
ان اعبدوا اللہ ما لکم
من الٰہ غیرہ افلا تتقون
وقال الملاء من قومہ
الذین کفروا وکذبوا بلقاء
الآخرۃ ..... فاخذت
ھم الصیحۃ بالحق فجعلنا
ھم غثاءً فبعداً للقوم
الظالمین ۔ ثم انشانا
من بعدھم قروناً آخرین
ما تسبق من امۃ
اجلھا وما یستاخرون

بے شک اس میں نشانات ہیں اور
ہم آزمائش کرتے رہتے ہیں۔ پھر ہم
نے ان کے بعد دوسری قوم پیدا کی
اور ان میں سے ہی ان کی طرف رسول
مبعوث کیا کہ خدا کی عبادت کرو۔
اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ کیا
تم ڈرتے نہیں؟ تو اس کی قوم کے
سردار کفر کرنے لگے۔ اور اپنے انجام
کو جھٹلانے لگے۔ ....... تو ناحق
نے انہیں آ دبایا اور انہیں خس و خاشاک
کی طرح ذلیل و خوار کر دیا۔ اور ظالم
لوگ عزت و مرتبہ کے مقام سے دور
ڈال دیئے گئے۔ ان کے بعد ہم نے کئی اور
قومیں پیدا کیں۔ کوئی بھی قوم اپنے
مقررہ وقت سے آگے پیچھے نہیں ہو سکتی

ثم ارسلنا رسلنا تترا کلما جاء امۃ رسولها کذبوہ فاتبعنا بعضهم بعضا وجعلناهم احادیث فبعدا لقوم لا یومنون ثم ارسلنا موسیٰ واخاہ هارون ...... فکذبوهما فکانوا من المهلکین

(مومنون - ع ۳)

پھر ہم لگاتار رسول بھیجتے رہے۔ ہر بار جب کسی قوم کے پاس اس کا رسول آتا وہ اُسے جھٹلاتی، تو ہم اس قوم کو پہلی مکذب قوموں میں داخل کر کے افسانہ بنا دیتے۔ منکرین خدا کے قرب سے راندے جاتے ہیں۔ دیکھو ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی ہارون کو بھیجا۔ ان کی قوم نے انہیں جھٹلایا، تو وہ ہلاک ہو گئی۔

ان آیات میں خدا نے لوگوں کو ہمیشہ آزمانے رہنے کا، ایک کے بعد دوسری قوم پیدا کرتے رہنے اور ان کی اجل پر متواتر رسول بھیجتے رہنے، مکذبین کو خس و خاشاک کی طرح ذلیل کرتے رہنے اور ان کے بعد دوسری نسلوں کو پیدا کرتے رہنے کا نہایت واضح بیان ہے اور اس کے علاوہ قاعدہ کلیہ بھی پوری صراحت سے بیان فرما دیا ہے۔ کہ ہر قوم کی عمر مقرر ہے، جس سے وہ آگے پیچھے نہیں ہو سکتی۔ ان پر موت وارد کرنے کے لئے متواتر رسول آتے رہتے ہیں۔ جوں جوں قوموں کے پاس رسول آتے رہے اور وہ اسے جھٹلاتی رہیں، خدا انہیں مٹا کر افسانے بنا دیتا رہا۔

۲۔ ثم قلنا من بعدہ لبنی اسرائیل اسکنوا الارض فاذا جاء وعد الآخرۃ

اس کے بعد ہم نے بنی اسرائیل کو کہا کہ تم زمین میں رہائش اختیار کرو جب دوسرا وعدہ آ گیا ہم

جئنا بکم لفیفا۔ — نے تمہاری جمعیت کو لپیٹ دیا۔

(بنی اسرائیل ع ۱۲)

اس آیت میں یہ ذکر ہے کہ ایک وقت میں بنی اسرائیل کو عزت و کامیابی کی زندگی بسر کرنے کے لیے زمین میں آباد کیا گیا۔ لیکن جب اُن کی میعاد پوری ہوگئی اور وہ خدا کے فضل کے اہل نہ رہے۔ تو ان کا خاتمہ کر دیا گیا۔

لو یؤاخذهم بما کسبوا لعجل لهم العذاب۔ بل لهم موعد لن یجدوا من دونه موئلا۔ وتلك القرى اهلكناهم لما ظلموا وجعلنا لمهلكهم موعدا۔ (کہف ع ۸)

اگر خدا تعالیٰ ان کے کئے پر مواخذہ کرنے لگے تو بہت جلد ان پر عذاب آجائے۔ لیکن ان کے لیے ایک وقت مقرر ہے جس سے وہ بچ نہیں سکتے۔ دیکھو تمہارے گرد و پیش کی قوموں نے جب ظلم کیا تو ہم نے ان کو ہلاک کر دیا۔ اسی طرح ہم نے موجودہ مکذبین کی ہلاکت کا وقت بھی مقرر کر رکھا ہے۔

ان آیات میں پھر اس امر کو دہرایا ہے کہ تمام قوموں کے لیے وقت مقرر ہے۔ سابقہ قومیں اپنے ظلم کے باعث مقررہ اوقات پر ہلاک ہوتی رہیں اور یہی سلوک آنحضرتؐ کے مخالفین سے ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

۸۔ فهل ینظرون الا سنة الاولین فلن تجد لسنة الله تبدیلا۔ ولن تجد لسنة الله تحویلا

یہ اسی قانون کے نفاذ کے منتظر ہیں جو پہلے ان جیسے لوگوں کے خلاف نافذ ہوتا رہا۔ سو تو قانون الٰہی میں ہرگز کوئی تبدیلی یا تاخیر

اولم یسیروا فی الارض فینظروا کیف کان عاقبۃ الذین من قبلہم ...... ولو یؤاخذ اللہ الناس بما کسبوا ما ترک علی ظہرھا من دابۃ ولکن یؤخرھم الی اجل مسمی

(فاطر - ع۵)

نہ پائے گا - کیا انہوں نے زمین میں چل پھر کر معلوم نہیں کر لیا کہ ان سے پہلے مکذبین کا انجام کیا ہوا ...... اگر خدا لوگوں کے کئے پر ان کے ساتھ مؤاخذہ کرنے لگے ، تو روئے زمین پر ان سے کوئی جاندار نہ رہے ، لیکن وہ ان کو مقررہ وقت تک ڈھیل دیتا ہے -

۹ - ویستعجلونک بالعذاب ولولا اجل مسمی لجاءھم العذاب ولیأتینہم بغتۃ وھم لا یشعرون -

(عنکبوت ع۶)

یہ تجھ سے جلد عذاب لانے کا مطالبہ کرتے ہیں - اگر میعاد مقرر نہ ہوتی تو عذاب آ چکا ہوتا اور وہ ضرور ان کو بے خبری کی حالت میں اچانک آ پکڑے گا -

آیات مندرجہ ۸ - ۹ میں خدا تعالیٰ کی قدیمی سنت کی طرف توجہ دلائی ہے - جس میں نہ کوئی تبدیلی ہو سکتی ہے اور نہ کوئی قوم اس سے مستثنیٰ ہے ، اور وہ یہ ہے کہ ہر قوم کی ایک میعاد مقرر ہے ، جب وہ میعاد پوری ہو جاتی ہے ، تو وہ قوم ہلاک ہو جاتی ہے

۱۰ - ولا یزال الذین کفروا تصیبہم بما صنعوا

کافروں کو ان کے کئے کی وجہ سے برابر مصیبت پہنچتی رہتی ہے -

فادعو اولحل قریبا من دارهم حتی یاتی وعد اللہ ان اللہ لا یخلف المیعاد۔ ولقد استھزی برسل من قبلک فاملیت للذین کفروا ثم اخذتہم فکیف کان عقاب .... وما کان لرسول ان یاتی بآیۃ الا باذن اللہ لکل اجل کتاب یمحو اللہ ما یشاء ویثبت وعندہ ام الکتاب

یا ان کی بستی کے پاس نازل ہوتی ہے یہاں تک کہ اللہ کا وعدہ آ پہنچا ہے، خدا وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ تجھ سے پہلے رسولوں کے ساتھ ٹھٹھا کیا گیا، تو میں نے کافروں کو مہلت دی، پھر میں نے ان کو پکڑا، پس میرا عذاب کیسا تھا۔ رسول سوائے خدا کے حکم کے کوئی نشان نہیں لا سکتا، ہر زمانہ کے لئے ایک پروگرام مقرر ہے۔ اللہ مٹاتا ہے جو چاہتا ہے۔ اور ثبت کرتا ہے، جو چاہتا ہے اور اسی کے پاس ام الکتاب ہے۔

(رعد۔ رکوع۔ ۶۔ ۵۔ ۶)

اجل کے معنی ہیں میعاد، لکل اجل کتاب کے معنی ہیں کہ ہر میعاد یعنی زمانہ کے ہر حصہ کے لئے ایک مقررہ پروگرام ہے، جس کے مطابق اس حصہ وقت نے گذرنا ہے، جو کچھ اس حصہ میں واقع ہوتا ہے مثلاً کس کس نے پیدا ہونا ہے، کتنا عرصہ رہنا ہے، اپنی عمر میں کس کس مرحلہ سے گذرنا ہے، ہم نے کیا اور کس طرح ہلاک ہونا ہے، سب کچھ زمانہ متعلقہ کے پروگرام میں لکھا ہوا ہے۔ زمانہ کے ہر حصہ کا پروگرام ازل سے ابد تک کے سارے زمانہ کے

پروگرام کا حصّہ ہے، سارے زمانہ کے پروگرام کا نام ام الکتاب ہے اور زمانہ کے ہر حصّہ کے پروگرام کا نام کتاب اجل۔ یہ دونوں کتابیں ارادۂ اللہ ہیں، فرض کرو، کہ ایک شخص لاہور سے انگلستان جاتا ہے، لاہور سے روانگی کے وقت وہ بمبئی کا ٹکٹ لیتا ہے، اور اس وقت اس کا ارادہ بمبئی پہنچنے کا ہے، وہاں سے جب وہ جہاز میں سوار ہوتا ہے تو اس کا ارادہ جہاز کی پہلی منزل پر پہنچنے کا ہے۔ پھر دوسری منزل پر، علیٰ ہذا القیاس، ایک وقت میں وہ ایک منزل پر پہنچنے کا ارادہ کرتا ہے جب وہاں پہنچ جاتا ہے، تو وہ ارادہ محو ہو جاتا ہے، اور اگلی منزل کا ارادہ کرتا ہے، اسی طرح اس کا ارادہ منزل بمنزل بدلتا رہتا ہے، لیکن ان تمام تبدیلیوں کے باوجود اس کا وہ ارادہ جو انگلستان پہنچنے کا ہے بدستور رہتا ہے، یہ ضمنی ارادے اس اصل ارادہ کے ہی حصّے ہیں۔ اسی طرح ارادۂ اللہ اگرچہ مختلف زمانوں کے لحاظ سے بدلتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ یہ تبدیلی اس کے ظاہر میں ہے، اصل ارادہ میں جو ازل سے ابد تک کے سارے زمانہ سے متعلق ہے کوئی تبدیلی نہیں ہوتی، یہ اصل ارادہ جو نہیں بدلتا، اور سارے زمانہ پر حاوی ہے۔ ام الکتاب ہے اور مختلف زمانوں سے متعلق جو الگ الگ ارادے ہیں وہ اسی اصل ارادے کے حصّے یا ظہورات ہیں، جو اصل ارادہ کے لوح پر ثبت اور محو ہوتے رہتے ہیں، سوال ہوگا، کہ ہمیں کیونکر معلوم ہو کہ خدا کا اصل ارادہ جو کبھی نہیں بدلتا وہ کیا ہے؟ اور جو ارادہ وقتاً فوقتاً بدلتا رہتا ہے، وہ کیا ہے؟ سو یہ علم اس کتاب سے حاصل ہوتا ہے، جو پیغمبر پر نازل ہوتی ہے اس میں دو قسم کے احکام ہوتے ہیں ایک اصولی جو کبھی نہیں بدلتے

اور ایک کتاب سے دوسری میں اور دوسری سے تیسری میں منتقل ہوتے رہتے ہیں دوسرے وہ احکام جن میں اصول کی حسب حالات زمانہ تشکیل کی جاتی ہے اور جو حالات کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں، اصولی حصّہ ام الکتاب ہے اور وقتی حصّہ کتاب اجل - ممکن ہے بعض احباب کے دل میں خیال گذرے کہ اجلیں بے شمار ہیں، ہر چیز کی ایک اجل ہے، سو ہر اجل کے لئے کتاب کے معنی ہوئے ہر چیز کی تقدیر یا قسمت نہ کہ وہ کتاب جو پیغمبر پر نازل ہوتی ہے - کسی چیز کی تقدیر یا قسمت کیا ہے؟ اس چیز کے متعلق ارادہ الٰہی اور پیغمبر پر جو کتاب نازل ہوتی ہے وہ کیا ہے؟ عہد متعلقہ کے بارے میں الٰہی ارادوں کا مجموعہ، سو اس کتاب میں عہد متعلقہ کے ہر شخص اور ہر قوم کا نصیب لکھا ہوتا ہے، جو اسے پہنچنا ہوتا ہے، چنانچہ کافر جو اپنی ہلاکت کا نشان مانگتے ہیں، انہیں جواب ملتا ہے - (لکل اجل کتاب، کہ ہر میعاد کا ایک مقررہ پروگرام ہے، سو تمہاری میعاد یا عمر کا بھی ایک پروگرام ہے، اس پروگرام میں جو کچھ تمہارے لئے مقدر ہے اسے بھوگ کر تم ہلاک ہوگے - "اولٰئک ینالہم نصیبہم من الکتاب حتیٰ اذا جاءت ہم رسلنا یتوفونہم (اعراف - ع ۴) قرآن شریف میں جو اجل متعلقہ کی کتاب ہے، جا بجا مخالفین کو جو کچھ انہیں پیش آنا تھا پہلے سے بتا دیا گیا، جیسے کہ سورہ اعراف و انعام کی آیات سے جو پہلے نقل ہو چکی ہیں ظاہر ہے اور شوریٰ کی آیات سے جو آگے آئیں گی ظاہر ہوگا - خود اس مقام پر بھی بتا دیا ہے کہ لا یزال الذین کفروا تصیبہم بما صنعوا قارعۃ او تحل قریبا من دارھم حتیٰ یاتی وعد اللہ ؕ یعنی کافروں کو ان کی کرتوتوں کی وجہ سے ایک نہ ایک مصیبت پہنچتی رہے گی - یہاں تک کہ ان کی ہلاکت کا وعدہ جس کے لئے وہ جلدی)

کرتے ہیں آ جائے - "لکل اجل کتاب" میں اجل سے مراد ایک پیغمبر کے ظہور سے دوسرے پیغمبر کے ظہور تک کا زمانہ ہے - اور عہد متعلقہ میں تمام چیزوں کی تقدیروں اور قسمتوں کو بنانے اور بگاڑنے والی وہی ارادۃ اللہ کی کتاب ہے - جو پیغمبر پر نازل ہوتی ہے - علامہ ڈاکٹر اقبال نے سچ کہا ہے -

"نگاہ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں"

سابقہ آیات میں تو یہ بتایا تھا کہ ہر امت کے لئے اجل ہے اور ہر امت کے لئے رسول ہے۔ ان آیات میں بتایا ہے کہ ہر عہد کے لئے جداگانہ ارادہ الٰہی ہے اور جداگانہ کتاب ہے - جیسے دوسری جگہ فرمایا "کل یوم ھو فی شان"۔ ہر زمانہ میں وہ ایک نئی شان میں ظاہر ہوتا ہے - اور ہر زمانہ میں کلام بقدر ضرورت نازل ہوتا ہے -

## نزولِ کلام بقدرِ ضرورت

وان من شیئ الا عندنا خزائنہ وما ننزلہ الا بقدر معلوم - وارسلنا الریاح لواقح فانزلنا من السماء ماء فاسقیناکموہ وما انتم لہ بخازنین وانا لنحن نحیی ونمیت ونحن الوارثین (حجر ع ۲)

ہر چیز کے خزانے ہمارے پاس ہیں اور ہم اسی قدر نازل کرتے ہیں جتنی ضرورت ہوتی ہے اور ہم ہواؤں کو پانی سے بھرپور کر کے بھیجتے ہیں اور بارش برساتے ہیں اور تمہیں پلاتے ہیں - اور تم اس کا ذخیرہ نہیں کر سکتے - اور بے شک ہم ہی زندہ کرتے اور مارتے ہیں اور ہم ہی وارث ہیں -

والذی نزل من السماء ماء بقدر فانشرنا بہ بلدۃ

خدا بادلوں سے اندازے کے مطابق پانی برساتا ہے اور اس سے مردہ

مَیْتًا کَذٰلِکَ تُخْرَجُوْنَ ۝ (زخرف - ع ۱)
بستی کو زندہ کرتا ہے یہی تمہارے قبروں سے جی اُٹھنے کی کیفیت ہے۔

ان آیات میں اس خیال کی تردید ہے کہ خدا نے ایک ہی وقت میں تمام آئندہ زمانوں کے واسطے ہدایت نازل کر دی ہے، صاف فرمایا ہے کہ ہر چیز کے خزانے ہمارے ہی پاس ہیں، اور ہم ہر چیز کو حسب ضرورت مقررہ انداز سے نازل کرتے ہیں، مثلاً ہم بارش برساتے ہیں تو یوں نہیں کرتے کہ آئندہ سارے زمانوں کے لئے ایک ہی دفعہ بارش برسا دیں۔ اور تم لوگ پانی کا ذخیرہ کرلو۔ اور اسی کو ہمیشہ استعمال کرتے رہو۔ بلکہ ساتھ کے ساتھ ہر امساک کے بعد بارش ہوتی رہتی ہے۔ یاد رہے کہ قرآن وحی الٰہی کو بار بار بارش سے مثال دیتا ہے۔ یہ بتانے کو کہ جس طرح جسمانی زندگی کے لئے بار بار بارش کی ضرورت ہے، ایک وقت کی بارش دوسرے وقت کام نہیں آسکتی۔ اسی طرح روحانی زندگی کے لئے وحی الٰہی کی بار بار ضرورت ہے۔ ایک زمانہ کی وحی دوسرے زمانہ کے لئے کام نہیں دیتی۔ اس موقعہ پر بھی مقررہ انداز سے بارش برسانے کے ذکر سے حسب ضرورت نزول کلام کو بیان کرنا ہی مقصود ہے، آخر پر یہ الفاظ لاکر کہ "ہم ہی زندہ کرتے ہیں اور ہم ہی مارتے ہیں اور ہم ہی وارث ہیں" وضاحت کر دی، کہ بارش سے وحی الٰہی کی بارش مراد ہے جو روحانیت کے مر جانے پر نئے سرے سے اُسے زندہ کرنے کے لئے آتی رہتی ہے۔

غرض مسلمانوں کا یہ خیال کہ خدا نے ایک ہی دفعہ ساری روحانی بارش برسا دی ہے اور اب ہمیشہ کو کوئی ہدایت نازل ہونے والی باقی نہیں رہی۔ قرآن اس کی تردید کرتا ہے۔

## سلسلۂ رسالت کو بنا سمجھنے کی مذمت

سلسلۂ رسالت کو بنا سمجھنے کی قرآن میں

پہلی آیت یہ ہے، فرماتا ہے:-

ما یود الذین کفروا من اھل الکتاب ولا المشرکین ان ینزل علیکم خیر من ربکم واللہ یختص برحمتہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم ۔ ما ننسخ من آیۃ او ننسھا نات بخیر منھا او مثلھا الم تعلم ان اللہ علی کل شیئ قدیر ۔ الم تعلم ان اللہ لہ ملک السموات والارض وما لکم من دون اللہ من ولی ولا نصیر ۔ (البقرہ ع ۱۳)

نہ اہل کتاب کے منکر اور نہ مشرک پسند کرتے ہیں کہ تم پر خدا کی طرف سے کلام الٰہی نازل ہو، اللہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت کے لئے خاص کرتا ہے۔ اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔ جب ہم کوئی آیت منسوخ کرتے ہیں یا فراموش کرا دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا اس جیسی لاتے ہیں، کیا تو نہیں جانتا کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور زمین و آسمان کا بادشاہ وہی ہے، اور تمہارے لئے خدا کے سوا نہ کوئی کارساز ہے۔ نہ مددگار۔

تغیرات عالم سے نسخ آیات پر شہادت پیش کی ہے، عالم میں نسخ ہر چیز پر نظر آتا ہے۔ ایک چیز آج وجود میں آتی ہے، کل دوسری اس کی جگہ لے لیتی ہے، عالم کی ہر چیز آیت اللہ ہے۔ [illegible] معنی [illegible] اور آیات کے معنی بھی نشان کے ہیں۔ عالم کو عالم اسی لئے کہتے ہیں [illegible] نشان ہے۔ [illegible] عالم میں [illegible] زبان [illegible] ہوتا رہتا ہے

تو پھر کلام اللہ میں نسخ آیات پر اعتراض کیسا؟ اگر عالم میں آیات بدلتی رہیں یعنی حالات بدلتے رہیں اور کتاب اللہ میں اُن کے مناسب تبدیلیاں نہ ہوں تو صحیفۂ قدرت میں اور صحیفۂ الہامی میں جو دونوں خدا کی کتابیں ہیں۔ تفاوت ہو جائے، دونوں ایک دوسرے کی تغلیط کرنے لگیں اور خدا کی ہستی پر نشان ہونے کی بجائے اس کی ہستی کی گواہ ہوں سو خدا جو تبدیلیاں کرتا ہے، پورے علم کے ساتھ جانچ تول کے کرتا ہے۔ فرماتا ہے :-

| | |
|---|---|
| واذا بدلنا اٰیۃ مکان اٰیۃ واللہ اعلم بما ینزل قالوا انما انت مفتر بل اکثرھم لا یعلمون (نحل رکوع ۱۴) | جب ہم ایک آیت کو بدل کر اس کی جگہ دوسری لاتے ہیں اور ہم خوب جانتے ہیں کہ ہم کیوں اور کن مصلحتوں سے یہ تبدیلی کر رہے ہیں، تو یہ لوگ پیغمبر کو کہتے |

ہیں کہ تو نے افترا کیا ہے۔ حالانکہ یہ خود نادان ہیں۔

عالم میں دو قسم کی تبدیلیاں ہوتی ہیں، کبھی تو نئی حالت پہلی سے بہتر ہوتی ہے اور کبھی اس کی مثل۔ بچہ جب پیدا ہوتا ہے اس کے دانت نہیں ہوتے نہ معدہ ثقیل غذا ہضم کر سکتا ہے، اس وقت اس کی قدرتی غذا ماں کا دودھ ہوتی ہے۔ جب بڑھتا ہے تو دانت نکل آتے ہیں اور معدہ میں بھی زیادہ طاقت پیدا ہو جاتی ہے، پھر ماں کے دودھ کی بجائے روٹی چاول وغیرہ کھانے لگتا ہے۔ بعد کی حالت جس میں دانت نکل آئے ہیں، اور معدہ مضبوط ہو گیا ہے اگرچہ پہلی حالت سے ہی پیدا ہوئی ہے پہلی سے بہتر ہے۔ لیکن روٹی ماں کے دودھ کی مثل ہے۔ کیونکہ

دودھ بھی غذا کا کام دیتا تھا اور روٹی بھی وہی کام دیتی ہے، اسی طرح نباتات میں قوت نمو تھی، جیوانی مرتبہ پر پہنچ کر اس میں حرکت ارادی کا بھی ظہور ہو گیا، دوسری حالت پہلی سے بہتر ہے۔ زمانہ ماضی میں کئی انواع حیوان زمین پر موجود تھیں جو اب باقی نہیں رہیں۔ ہاں! اور انواع وجود میں آ گئی ہیں، جو ان کی مثل یعنی انہی کی طرح حیوان ہیں۔

اسی طرح کتاب اللہ کی آیات میں دو طرح کی تبدیلیاں ہوتی ہیں، ایک وہ جنہیں لفظ "ننسخ" سے تعبیر کیا ہے اور دوسری وہ جن کے لئے "ننسہا" فرمایا ہے۔ پہلی قسم کی تبدیلی میں سابقہ کتاب کی آیت سے بہتر لائی جاتی ہے اور دوسری قسم کی تبدیلی میں سابقہ آیت کی مثل۔ "نسخ" کے معنی لغت میں "لکھنا" ہیں۔ "ناسخ" کاتب کو کہتے ہیں اور "نسخہ" کتاب کو، سورہ اعراف میں نسخہ کا لفظ الواح توراۃ کے لئے آیا ہے۔ اور سورہ "جاثیہ" میں ہے "انا کنا نستنسخ ما کنتم تعملون" کہ ہم لکھ لیتے ہیں جو تم کرتے ہو۔ ننسہا کے معنی ہیں، ہم فراموش کرا دیتے ہیں۔ پورے جملہ کے معنی یہ ہیں کہ بعض آیات کو ہم لکھ لیتے ہیں، اور بعض کو فراموش کرا دیتے ہیں۔ جنہیں لکھ لیتے ہیں، انہیں پہلے سے بہتر صورت اور پیرایہ میں لکھتے ہیں۔ اور جنہیں فراموش کرا دیتے ہیں، ان کی مثل نئی آیات لاتے ہیں۔ بتلانا یہ غرض ہو سکتا ہے کہ بنیادی تعلیم سب کتابوں کی ایک ہی ہے، جو ایک کتاب سے دوسری میں اور دوسری سے تیسری میں منتقل ہوتی رہتی ہے، اور شرائع و احکام جو وقتی ہوتے ہیں، وقت کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں۔ پہلے احکام فراموش کرا دیئے جاتے ہیں۔ ہاں ان کی مثل جدید نازل

حالات کے مناسب ہوں دے دیئے جاتے ہیں، پس "نسخ" کا لفظ بنیادی تعلیم سے متعلق ہے، جو پہلی کتاب سے دوسری کتاب میں لکھ لی جاتی ہے، ہاں پہلے سے اُسے زیادہ وسیع کر دیا جاتا ہے۔ مثلاً اگر ایک زمانہ میں وحدت انسانی کا درس اپنے قبیلہ یا اپنے وطن تک محدود تھا تو دوسرے زمانہ میں گو درس وہی ہے اُسے دنیا بھر تک وسیع کر دیا گیا، اگر ایک زمانے میں کہا گیا کہ حب وطن جزِ ایمان ہے اور دوسرے زمانے میں کہا گیا کہ اپنے وطن سے محبت کرنا موجب فخر نہیں کل عالم سے محبت کرنا چاہیئے، تو اگرچہ اس میں بظاہر پہلے حکم کا ازالہ معلوم ہوتا ہے، حقیقت میں یہ پہلے حکم کی توسیع ہے، جو سارے عالم سے محبت رکھے گا وہ وطن والوں سے بھی ضرور محبت رکھے گا، کیونکہ اس کا وطن بھی عالم میں شامل ہے۔ مقصود یہ ہے کہ جس کو 'نسخ' کہا جاتا ہے واقعہ میں وہ پہلے حکم کی توسیع و توضیح ہوتی ہے جو نئے حالات میں بے شک پہلے سے بہتر ہوتی ہے۔ دوسری قسم کی تبدیلی کی مثال تبدیلی قبلہ ہے ایک زمانے میں بیت المقدس قبلہ بنایا گیا دوسرے میں کعبۃ اللہ پہلے کا مقصد بھی یکجہتی تھا دوسرے کا بھی وہی یکجہتی۔

عموماً ہمارے مفسرین نے یہ دریافت کرنے کی کوشش نہیں کی کہ نسخ کن آیات کا ہوتا ہے اور "نسئ" کن کا؟ نئی آیات کن سابقہ آیات سے بہتر ہوتی ہیں اور کن کی مثل؟ حالانکہ یہ ان کا فرض تھا اگر اس طرف توجہ کرتے، تو صحیح منشا پر پہنچ جاتے۔

پوری آیات زیر غور کا مطلب یہ ہے کہ اگر منکر تازہ کلام کے
نزول کو پسند نہیں کرتے تو خدا ان کی خواہشات کا تابع نہیں۔
جیسے تغیرات عالم میں وہ مختار کل ہے، اسی طرح اپنے کلام میں
بھی اپنی حکمتوں اور مصلحتوں سے جو تبدیلیاں چاہے نافذ کرنے
پر پورا اختیار رکھتا ہے۔

عالم کو ان تبدیلیوں کی ضرورت لاحق ہوتی ہے اور خدا کے سوا
کوئی نہیں جو عالم کی اس ضرورت کو پورا کر سکے، چونکہ لوگ تبدیلیوں
کی حکمتوں سے آگاہ نہیں ہوتے، ان پر اعتراض کرتے ہیں، حالانکہ
انہیں شکر گزار ہونا چاہیے تھا کہ خدا نے ان کی ضرورت کا وہ کام
انجام دیا جو وہ خود نہیں کر سکتے تھے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم تازہ وحی کے بارہ میں خود فیصلہ کریں گے، کہ
آیا وہ سابقہ آیات سے بہتر یا اس کی مثل ہے کہ نہیں، حالانکہ قرآن نے جا بجا
معترضین کو اندھا، بہرا قرار دیا، چنانچہ اس مقام پر بھی انہیں نادان کہا ہے
پھر تو ظاہر ہے کہ سونے کا کھرا کھوٹا ہونا صراف بتا سکتا ہے۔ نہ کہ وہ جس نے
سونا کبھی دیکھا ہی نہیں، ہر زمانہ میں منکرین تازہ وحی کو سابقہ سے ناقص بتاتے رہے
حالانکہ جوں جوں مومنین کی تعداد بڑھتی گئی، قدم قدم پر ان کا یہ فیصلہ غلط
ثابت ہوتا رہا، پس نہ لوگ اس بارہ میں فیصلہ کے اہل ہیں نہ ان کے فیصلہ پر
اعتبار ہو سکتا ہے، ہاں جائز مطالبہ یہ ہے کہ مدعی کو معیار رسالت پر
[illegible] لیا جائے، اگر وہ اس معیار پر پورا اتر جائے، تو اس کے ذریعے
[illegible] شدہ آیات دیگر کے ناقص قرار دینے سے ناقص ثابت نہیں ہو
[illegible] آیات زیر غور میں، لوگوں کو یہ اختیار نہیں دیا کہ حکم

آیات کے ناقص یا غلط ہونے کا فیصلہ کریں بلکہ یہ فرمایا ہے کہ خدا جو کچھ نازل کرتا ہے وہ اس کے اپنے نقطۂ نظر سے نہ کہ معترضین کے نقطۂ نظر سے سابقہ وحی سے بہتر یا اس جیسا ہوتا ہے۔

۳۔ أكان للناس عجبا أن أوحينا إلى رجل منهم أن أنذر الناس وبشر الذين آمنوا أن لهم قدم صدق عند ربهم۔
(یونس ع ۱)

کیا لوگوں کو اس پر تعجب ہوتا ہے؟ کہ ہم نے ان میں سے ایک شخص کی طرف وحی کی کہ لوگوں کو ڈرا، اور مومنوں کو بشارت دے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان لوگوں میں شمار کئے جائیں گے، جو سچائی کے اختیار کرنے میں سبقت لے گئے ہیں۔

یہاں بتایا ہے کہ لوگ رسول کے آنے کو انوکھی چیز خیال کرتے ہیں اور خدا ان کے اس خیال کو انوکھی چیز خیال کرتا ہے، کیونکہ رسولوں کا بھیجنا اس کی سنت اور اس کا معمول ہے۔

۴۔ وما قدروا الله حق قدره إذ قالوا ما أنزل الله على بشر من شيء قل من أنزل الكتاب الذي جاء به موسى
(انعام ع ۱۱)

جو لوگ کہتے ہیں کہ خدا نے کسی بشر پر کچھ نازل نہیں کیا، انہوں نے خدا کی شناخت کا حق ادا نہیں کیا۔ کہہ کہ وہ کتاب کس نے نازل کی تھی، جو موسیٰ لائے تھے۔

یہودی یہ تو مانتے تھے کہ حضرت موسیٰ پر خدا کا کلام نازل ہوا۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر تازہ کلام الٰہی کے نزول کا انکار کرتے تھے جیسے کہ دوسری

جگہ مذکور ہے، قالوا نؤمن بما انزل الینا ویکفرون بما
وراءہٗ کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم اسے مانتے ہیں جو ہم پر یعنی حضرت موسیٰ
علیہ السلام کے ذریعہ نازل ہوا اور اس کے سوا مزید کلام نازل ہونے سے
انکاری ہیں، لیکن کلام الٰہی کا انکار خواہ کسی زمانہ میں کیا جائے، دراصل خدا
کی صفت "تکلم" کا انکار ہے، اور اس کی دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں (۱) کہ خدا
نے کبھی کچھ نازل نہیں کیا (۲) کہ پہلے تو وہ کلام کرتا رہا ہے، لیکن اب اس کی
صفتِ تکلم زائل ہو گئی ہے یا وہ اب اتنا سنگ دل ہو گیا ہے کہ خلق کو محتاج
ہدایت پا کر کبھی ان کی راہنمائی کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ پہلی صورت تو ان کے
اپنے مسلمہ کے خلاف ہے کیونکہ وہ مانتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر خدا
کی کتاب نازل ہوئی۔ دوسری صورت کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے خدا کی شان
کو جیسے کہ وہ واقع میں ہے نہیں پہنچانا یعنی خدا کی صفات ربوبیت اور تکلم
کو جو واقع میں تمام زمانوں پر وسیع ہیں، حضرت موسیٰ تک محدود کر بیٹھے ہیں
اور خدا جو تازہ کلام سے ربوبیت فرما رہا ہے، اس کی ناشکری کرتے ہیں
سورہ بقرہ رکوع ۱۱ میں ان کے انکار کی اصل وجہ بیان فرمائی ہے۔
بئس ما اشتروا بہ انفسہم ان یکفروا بما انزل اللہ بغیًا
ان ینزل اللہ من فضلہ علیٰ من یشاء من عبادہ۔ (بقرہ ع ۱۱)
کہ وہ حسد کی وجہ سے برداشت نہیں کر سکتے کہ خدا اپنے فضل سے بنی اسرائیل
کے سوا جسے چاہے نوازے۔ ان کے اس قول کو کہ فضل الٰہی کے لئے وہی
مخصوص ہیں اور توریت کے بعد دوسری کتاب نازل نہیں ہو سکتی۔ خدا
نے یوں تعبیر کیا ہے۔ وقالت الیہود ید اللہ مغلولۃ کہ یہودی
کہتے ہیں کہ خدا کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں اور اس قول پر انتہائی ناراضگی فرمایا

غلت ایدیہم ولعنوا بما قالوا بل یداہ مبسوطتان ینفق کیف یشاء و لیزیدن کثیراً منہم ما انزل الیک من ربک طغیاناً وکفراً - (مائدہ ع ۹) کہ ان کے اپنے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں ، خدا کے ہاتھ بندھے ہوئے قرار دینے کی وجہ سے ان پر لعنت ہے خدا کے دونوں ہاتھ کھلے ہیں وہ اپنے فضل سے جسے چاہتا ہے نوازتا ہے ۔ اے رسول تم پر خدا کا کلام نازل ہونے کے حسد سے یہ لوگ سرکشی اور کفر میں روز بروز بڑھتے جائیں گے ۔

۴ - ولقد جاءکم یوسف من قبل بالبینات فما زلتم فی شک مما جاءکم بہ حتی اذا ھلک قلتم لن یبعث اللہ من بعدہ رسولا ۵ کذالک یضل اللہ من ھو مسرف مرتاب - (مومن ع ۴)

اس سے پہلے یوسف تمہارے پاس واضح نشانات لے کر آیا ، تم کو ہمیشہ اس کے بارہ میں جو وہ لایا شک ہی رہا اور جب وہ وفات پا گیا تو تم نے یہ بات بنائی کہ اب اس کے بعد خدا ہرگز کسی رسول کو مبعوث نہیں کرے گا ، اسی طرح خدا حد سے بڑھنے اور شک کرنے والے کو گمراہ کرتا ہے ۔

ان آیات میں خدا نے یہ بیان فرمایا ہے کہ لوگوں کی یہ پرانی عادت ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ اب کوئی رسول نہیں آئے گا اور اس کے بعد فرمایا کہ خدا حد سے گذرنے والے شکی کو اسی طرح گمراہ کر دیتا ہے کہ وہ یہ عقیدہ بنا لیتا ہے کہ آئندہ کوئی رسول مبعوث نہیں ہو گا ۔
ملاحظہ فرمائیں کہ گذشتہ آیت میں یہودیوں کے نئی کتاب کے انکار

کو خدا کے ہاتھ بنائے ہوئے کے مترادف قرار دیکر ان پر لعنت کی ہے تو اس آیت میں اس عقیدہ کو کہ آئندہ خدا ہرگز رسول مبعوث نہیں کرے گا۔ کھلی گمراہی اور حد سے بڑھنے والوں اور شکی لوگوں کا عقیدہ قرار دیا ہے۔

## شیطان کی وسوسہ اندازی

یہ معلوم کرنے کے لئے کہ شیطان کیا وسوسہ انسان کے دل میں ڈالتا ہے اور کیونکر ڈالتا ہے۔ چند باتوں کو صاف کر نا ضروری ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ سجدہ کا حکم جس کے انکار سے آدم اور شیطان میں نا مخاصمت پڑی، کب اور کہاں ہوا؟ سورہ اعراف میں ہے ولقد خلقنٰکم ثم صورنٰکم ثم قلنا للملٰئکۃ اسجدوا لاٰدم فسجدوا الا ابلیس ۵ کہ جب ہم نے تم کو پیدا کیا، تمہاری شکلیں بنائیں تو ہم نے فرشتوں کو کہا کہ آدم کو سجدہ کرو سو انہوں نے سجدہ کیا لیکن ابلیس نے نہ کیا، اس سے ظاہر ہے کہ سجدہ کا حکم اس وقت ہوتا ہے جب نہ صرف آدم اوّل ہی بلکہ بنی آدم بھی وجود میں آ چکے ہیں، گو یا یہ حکم ہم لوگوں کی موجودگی میں پڑتا ہے، نیز اگر یہ حکم آدم اوّل کی پیدائش کے وقت ہوا اور حضرت آدم کا ذاتی معاملہ تھا، جس سے بنی آدم کو کوئی سروکار نہیں تو قرآن میں بار بار اس کا ذکر کرنے کی ضرورت ظاہر نہیں، ایک اور بات جو اس ضمن میں ہماری توجہ کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ یہ ہے کہ سجدہ کا حکم ملائکہ کو ہوا، شیطان درمیان میں کیونکر آ گیا؟ اس میں شک نہیں کہ سجدہ نہ کرنے پر جن الفاظ میں شیطان سے جواب طلب ہوتا ہے۔ ان سے پتہ چلتا ہے کہ شیطان کو بھی سجدہ کا حکم تھا، چنانچہ وہ الفاظ یہ ہیں۔ ما منعک الا تسجد اذ امرتک کہ جب میں نے تمہیں حکم دیا تم

نے کیوں سجدہ نہ کیا؟ لیکن اس حکم کے سوا جو قلنا للملٰئکۃ اسجدوا لاٰدم کے الفاظ میں فرشتوں کو ہوا۔ کوئی علیحدہ حکم شیطان کے لئے قرآن میں مذکور نہیں، اس سے پایا جاتا ہے کہ شیطان بھی اس حکم میں شامل ہے۔ گویا شیطان بھی ملائکہ میں سے ہے۔ دوسری طرف قرآن میں یہ بھی ہے کہ شیطان جنوں اور کافروں میں سے ہے۔ کان من الجن، کان من الکافرین۔ فرشتوں کی شان قرآن میں لکھی ہے۔

لا یعصون اللہ ما امرھم ویفعلون ما یؤمرون

کہ ملائکہ اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے اور جو حکم انہیں دیا جائے بجالاتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ شیطان جس نے نافرمانی کی ملائکہ سے نہیں، ایک اور بات یہ ہے، کہ سجدہ کا مطلب کیا ہے؟ یہ صحیح ہے کہ ملائکہ خدا کی مشیئت کو نافذ کرنے والے کارکن ہیں جو عالم کے مختلف شعبوں پر مامور ہیں اور انہیں آدم کو سجدہ کرنے کا حکم دینے کے معنی یہ ہیں کہ سارا عالم انسان کی خاطر اور اس کی خدمت کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ جیسے دوسری جگہ فرمایا، سخر لکم ما فی السمٰوات وما فی الارض جمیعا منہ، کہ زمین و آسمان میں جو کچھ ہے انسان کے لئے مسخر کیا گیا ہے، لیکن شیطان اور اس کی جماعت عالم کے کسی شعبہ پر مامور نہیں اگر حکم ملائکہ کو جو عالم کے شعبوں پر مامور ہیں ہوا تھا۔ تو شیطان اس حکم میں شامل نہیں ہو سکتا۔ ضمناً اس سے پھر یہ معلوم ہوا کہ سجدہ صرف آدم اول کے لئے ہی نہ تھا، بلکہ اولاد آدم کے لئے بھی۔ کیونکہ عالم سب انسانوں کے لئے مسخر کیا گیا ہے۔ جیسے سخر لکم سے ظاہر ہے۔ ان مشکلات کے علاوہ ایک یہ مشکل

باقی ہے کہ کیا سجدہ غیر اللہ کو جائز ہے؟

ان حالات میں میں اس نتیجہ پر پہنچتا ہوں کہ آدم کی کہانی میں اولادِ آدم کی کہانی بیان کی گئی ہے، قرآن میں آدم کا لفظ اسم جنس کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے اور نوع کے افراد کاملہ کے لئے بھی، جہاں آدم کو مسجودِ ملائکہ کہا جاتا ہے، وہاں پیغمبر مراد ہوتا ہے جو خلیفۃ اللہ یعنی خدا کے قائم مقام کی حیثیت سے مسجودِ کل ہے۔ یہ بات اچھی طرح سے سمجھ لینا چاہئیے کہ پیغمبر مظہر ظہورِ الٰہی ہے۔ تمام خلق سے خدا کا مدعا اپنے آپ کو ظاہر کرنا ہے، چنانچہ فرماتا ہے، کنت کنزاً مخفیاً فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق کہ میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا، میں نے چاہا کہ اپنے آپ کو ظاہر کروں، سو میں نے خلق کو پیدا کیا، خلق منزل بمنزل ارتقا کرتی آئی ہے اور بے شمار شاخوں اور شعبوں میں پھیل گئی ہے لیکن اس کی تمام سرگرمیوں کا نصب العین کامل ظہور الٰہی ہے، جو آخر پر آکر انسان کامل میں جو پیغمبر ہے ہوا ہے۔ پیغمبر میں خدا کے ارادہ اور اس کی صفات کا ایسا کامل ظہور ہوتا ہے کہ گویا وہ ایک آئینہ ہے، جو سورج کے سامنے رکھا ہے، اس کو جو سجدہ کیا جاتا ہے وہ اس کو نہیں بلکہ خدا کے ظہور کو ہے۔ جو اس میں منعکس ہے اور جو خدا کا اور اس کی تمام مخلوق کا مقصود ہے۔ اسی ظہور کی خاطر تمام عالم وجود میں آیا اور انسان کے لئے مسخر کیا گیا ہے اور باقی تمام افراد اسی کی طفیل اپنی اپنی استعداد کے مطابق عالم پر حکمرانی کرنے اور اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں، وہی ظہور الٰہی مقصودِ عالم ہے۔ اور وہی مسجودِ ملائکہ، مظہر تو فقط ایک شیشہ یعنی محل ظہور ہے۔ جو شیشہ یا

آئینۂ ظہور کو سجدہ کرتا ہے وہ مشرک ہے اور جو ظہور کو نہ کہ شیشہ کو سجدہ کرتا
ہے۔ وہ خود خدا کو سجدہ کرتا ہے یہ یوں سمجھو کہ پیغمبر قبلہ ہے، جس کی طرف
رخ کرکے سجدہ خدا کو کیا جاتا ہے، خدا ایک ہے، اور ہر پیغمبر میں اُسی
ایک خدا کا ظہور ہوتا ہے، جو ظہورِ الٰہی کا پرستار ہے، جہاں اُسے پاتا ہے
سر جھکا دیتا ہے، جو شیشہ کا پرستار ہے اور ظہور سے نا آشنا، جو قبلہ پرست
ہے نہ کہ خدا پرست، وہ خالی شیشہ یا قبلہ سے چمٹا رہتا ہے اور ظہور کا
انکار کر دیتا ہے، سب سے بڑی وجہ پیغمبر وقت کے انکار کی یہی ہوتی ہے
کہ لوگ آئینۂ ظہور کو نہ کہ ظہور کو خدا کا مقام دے دیتے ہیں اور پھر حقیقی
خدا کو اپنی نفسانیت کے بُت پر نثار کر دیتے ہیں، سجدہ سے مراد سچی اطاعت
ہے، اور پیغمبر کی اطاعت خدا کی اطاعت ہے، چنانچہ قرآن میں ہے من
اطاع الرسول فقد اطاع اللّٰہ، یہ طے ہو جانے کے بعد کہ آدم مسجودِ ملائکہ
سے مراد پیغمبر ہے، اور اُسے سجدہ کرنے سے مراد اس کی اطاعت ہے، جو
خود خدا کی اطاعت ہے۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ شیطان سجدہ کے حکم میں جو
ملائکہ کو ہوا، کیونکر شامل ہو گیا، میں نے عرض کیا کہ ظہورِ الٰہی جو پیغمبر کے
ذریعہ ہوتا ہے۔ مسجود و مطاع کل ہے، تمام مخلوق کو اس کی اطاعت
کا یکساں حکم ہوتا ہے اور تمام سے اطاعت کی توقع کی جاتی ہے۔
اطاعت ملائکہ کا خاصہ ہے، اطاعت کی توقع کی بنا پر حسنِ ظن سے تمام
کو ملائکہ کہہ کر خطاب کیا جاتا ہے اور سجدۂ اطاعت کا حکم دیا جاتا ہے جو اطاعت
کی توقع کو پورا کر دیتے ہیں اور سرِ تسلیم خم کر دیتے ہیں، وہ اپنے آپ
کو ملائکہ کے معزز نام کا اہل ثابت کر دیتے ہیں، جو سرکشی اختیار کرتا
ہے وہ سرکشی اختیار کرنے پر شیطان بنتا اور اس نام سے موسوم ہوتا

ہے۔ پہلے اس سے بھی اطاعت کی توقع تھی اور اُسے بھی شامل ملائکہ رکھا گیا تھا، اس واسطے ہر ظہور میں خدا جب اطاعت کا حکم دیتا ہے سب کو ملائکہ کہہ کر مخاطب کرتا ہے، اس وقت شیطان کوئی نہیں ہوتا، جسے علیحدہ حکم سجدہ کا دیا جائے، شیطان شیطنت کے ظہور سے وجود میں آتا ہے، یعنی جب پیغمبر سے سرکشی اختیار کرتا ہے، شیطان بنتا ہے جس طرح ہر ظہور میں ملائکہ کو حکم ہوتا ہے کہ آدم خلیفۃ اللہ کو سجدہ کرو اسی طرح ہر ظہور میں شیطان آدم زاد کو وسوسہ اندازی بھی کرتا ہے یہ نہیں کہ شیطان نے کسی خاص ایک موقعہ پر ہی وسوسہ اندازی کی ہو، چنانچہ وہ خود کہتا ہے۔

فبما اغویتنی لاقعدن لہم صراطک المستقیم ۝ ثم لاٰتینہم من بین ایدیہم ومن خلفہم وعن ایمانہم وعن شمائلہم ولا تجد اکثرہم شاکرین ۝ (اعراف)

کہ اے خدا چونکہ تو نے مجھے آدم کی وجہ سے ذلیل کیا ہے، میں اس کے سیدھے راستہ پر گھات لگا کر بیٹھوں گا، اس کے آگے سے آؤں گا، پیچھے سے آؤں گا، دائیں اور بائیں سے آؤں گا اور اسے گمراہ کروں گا۔ اور تو ان میں سے اکثر کو شکر گذار نہ پائے گا۔

خدا نے متنبہ کیا:۔

یا بنی آدم لا یفتننکم الشیطان کما اخرج ابویکم من الجنۃ ینزع عنہما لباسہما لیریہما سوآتہما

(اعراف - ع ۳)

کہ اے اولادِ آدم ہوشیار رہنا! شیطان تمہیں بھی فتنہ میں نہ ڈال دے جیسے اُس نے تمہارے ماں باپ کو جنت سے نکلوا دیا اور ان کا لباس اتروا کر انہیں ننگا کر دیا، اسی طرح پیغمبر کی مخالفت کے لیڈروں کو خدا شیطان کے نام سے پکارتا ہے۔ واذا خلوا الی شیاطینھم (بقرہ ) اور جو ان کی پیروی کر کے ایمان نہیں لاتے، انہیں شیطان کے دوست قرار دیتا ہے۔ انا جعلنا الشیاطین اولیاء للذین لا یؤمنون (اعراف ع ۳)

اب یہ دیکھنا ہے کہ شیطان کیا وسوسہ ڈالتا ہے اور کیونکر؟ شیطان کے انکار کی وجہ تو اس کا تکبر ہے۔ (ابیٰ و استکبر) وہ کہتا ہے (انا خیر منہ) کہ میں خلیفۃ اللہ سے اچھا ہوں۔ ءَاَسجد لمن خلقت طینا، (بنی اسرائیل ع ۷) کیا میں ایک خاک کے پتلے کو سجدہ کروں؟ نسلِ آدم کو جس درخت کے قریب جانے سے منع کیا گیا ہے وہ یہی انا اور استبداد کا درخت ہے۔ شیطان مرد اور عورت دونوں کو شجرِ ممنوعہ کا پھل کھلانے کی یہ تدبیر کرتا ہے کہ انہیں کہتا ہے، ھل ادلکم علی شجرۃ الخلد وملک لا یبلیٰ (سورہ طٰہٰ ۷) ما نہٰکما ربکما عن ھذہ الشجرۃ الا ان تکونا ملکین او تکونا من الخالدین ۰ وقاسمھما انی لکما لمن الناصحین (اعراف ع ۲)

میں تمہیں ہمیشگی کے درخت اور ابدی بادشاہت کا پتہ دیتا ہوں تم کو اس درخت سے اس لئے منع کیا گیا ہے کہ تم کہیں فرشتے نہ بن جاؤ اور ہمیشہ کی زندگی نہ پا لو۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں، کہ میں تمہارا

خیر خواہی سے یہ کہہ رہا ہوں، میری ذاتی غرض کوئی نہیں،

دیکھ لیجئے! پیغمبر کی مخالفت کے قائد جو بڑے بڑے علما ہوتے ہیں جنہیں لوگوں نے خدا کے دین کے ماہر اور محافظ اور خدا کے کارندے مانا ہوا ہوتا ہے، ان کے وقار کو پیغمبر کے آنے سے ٹھیس پہنچتی ہے۔ اُسے قبول کرنے میں ان کی بڑائی کا خاتمہ ہوتا ہے، جو انہیں ناگوار ہوتا ہے اس واسطے پیغمبر کے بالمقابل انا خیر منہ کا نعرہ یوں لگاتے ہیں، کہ ہمارا موجودہ مذہب تحریک جدید سے بہتر ہے، تحریک جدید کو ماننے کے معنی یہ ہیں، کہ ہم اپنے پہلے مذہب کو جو مسلمہ طور پر خدا کی طرف سے ہے چھوڑ کر اس مٹی کے پتلے کو جس کی ہمارے مقابل کوئی بھی حیثیت نہیں، سجدہ کریں۔ (ءاسجد لمن خلقت طینا) اپنے پیروؤں کو کہتے ہیں، رب کی طرف سے تمہاری تربیت پر مامور ہونے کا دعویٰ ایک ڈھونگ ہے، جو اس مدعی نے رچایا ہے کہ تم لوگ اس کے دھوکے میں آ کر اس کی مخالفت نہ کرو اور وہ آسانی سے تمہیں تمہارے دین اور قومی روایات سے جو آخری ہیں اور زندگی کا سرچشمہ ہیں، برگشتہ کر کے تمہیں ہمیشہ کی زندگی پانے اور خدا کے مقرب (ملائکہ) بننے سے روک دے۔ (ما نہاکما ربکما عن ھذہ الشجرۃ الا ان تکونا ملکین او تکونا من الخالدین) خدا جانتا ہے، ہم تمہاری خیر خواہی میں تمہیں اس خطرہ سے آگاہ کرتے ہیں۔ (وقاسمہما انی لکما لمن الناصحین) اگر اس شخص کے پاس کوئی خیر و خوبی ہوتی، تو ہم خود اسے قبول کرنے میں پیچھے نہ رہتے۔ لو کان خیراً ما سبقونا الیہ (احقاف پ ۲۶) یہ تحریک تمہاری دینی اور قومی زندگی کے لئے بہت بڑا خطرہ ہے، اگر زندہ رہنا چاہتے ہو اور ابدی بادشاہت

حاصل کرنا چاہتے ہو، تو ہم تمہیں اس کا راستہ بتاتے ہیں، پورے عزم سے اٹھو، اپنے دین، اپنے رسول اپنے سلف صالحین کے ننگ و ناموس کے لئے اٹھو، اور ایک آواز ہو کر کہو کہ ہماری موجودہ شریعت اور ہمارے موجودہ طریقے ہمیشہ رہنے والے ہیں، یہ کبھی پرانے نہیں ہوتے کہ ان میں تبدیلی کی ضرورت ہو، ہمیشہ کی زندگی اور ابدی بادشاہت کا سرچشمہ یہی ہیں، نہ ہم ان کو چھوڑنا چاہتے ہیں، نہ تحریک جدید میں جذب ہو کر اپنی قومی زندگی کو مٹانا چاہتے ہیں، ہم زندہ رہنا چاہتے ہیں اور اس خطرہ کو مٹا کر زندہ رہیں گے۔ (هل ادلكم على شجرة الخلد وملك لا يبلى)

اس سے معلوم ہوا کہ پیغمبر کے مقابلہ پر اپنی موجودہ شریعتوں اور طریقوں کے لئے دوام کا دعویٰ کرنا اور ان کی بقا کے لئے پیغمبر سے جنگ آزما ہونے کا مشورہ ہی وہ وسوسہ ہے جو ہمیشہ شیطان ہر پیغمبر کے ظہور پر لوگوں کے دل میں ڈالتا ہے۔ جب لوگ شیطانی وسوسہ سے اپنے پرانے خیالات کی ابدیت اور دوام کے قائل ہو کر پیغمبر کو رد کر دیتے ہیں تو ننگے ہو جاتے ہیں یعنی ان کی اپنی سابقہ تعلیمیں ضرورت وقت کو پورا نہیں کر سکتیں اور وہ اپنے ہاں کمی محسوس کرنے لگتے ہیں، پھر تقاضائے حالات سے مجبور ہو کر اپنی اپنی کتاب کی توجیہہ پیغمبر کی تعلیم اور اقتضائے زمانہ کی روشنی میں کرنے لگتے ہیں یا اور اپنی مجلسوں یا قانون ساز مجلسوں سے پیغمبر وقت کی تعلیمات یا ان سے ملتی جلتی تعلیمات کو منظور کرا کر اپنے ہاں رائج کراتے ہیں، یہ ہوا پیغمبر کی پیش کردہ جنت سے نکل کر اور اس کے لباس تقویٰ کو رد کر کے پھر اسی کی جنت کے پتوں سے اپنے جسموں کو ڈھانپنا فبدت لهما سوأتهما وطفقا يخصفان عليهما من ورق الجنة، اہل مذاہب پیغمبر کے مقابلہ

پر اپنی اپنی شریعتوں کو کامل اور دائمی بتاتے ہیں، اور جو ترمیم ان میں پیغمبر خدا کے حکم سے کرتا ہے اُسے پسند نہیں کرتے، لیکن حالات سے مجبور ہو کر خود وہی ترمیمیں اور اصلاحیں کرنے لگتے ہیں، بالفاظ دیگر خدا کو ترمیم اور اصلاح کے حق سے محروم ٹھہراتے ہیں، پیغمبر کو رد کرتے ہیں، لیکن خود پیغمبر بنتے ہیں، اور خدا کی کتاب میں اصلاحات کرنے لگتے ہیں، ان کا ایسی اصلاحات پر مجبور ہونا خدا کی فعلی شہادت ہوتی ہے۔ کہ پیغمبر کی ضرورت فی الواقع زمانہ کو لاحق تھی، ولہ اسلم من فی السموٰت والارض طوعًا وکرھًا (آل عمران ع ۹) ہر کسی کو چار و ناچار خدا کی مشیت کے سامنے سر تسلیم خم کرنا پڑتا ہے۔
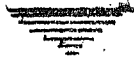
# قیامت

ہر چیز کا قیام اس کے اعضا کے ایکے سے ہے جونہی کہ کوئی چیز ایکے سے محروم ہوئی، معدوم ہو گئی، یہی ایکا وہ سچائی ہے، جس سے دنیا و مافیہا کے پیدا ہونے کا ذکر قرآن میں ہے، قیامہ قیام حق کا نام ہے جس کے دم سے ہر شئے کا وجود ہے، حق پیغمبر کے ذریعہ قائم ہوتا ہے، اس لئے ہر پیغمبر کا ظہور قیامت ہے، اجل امم کے ضمن میں ہم دیکھ آئے ہیں کہ قومیں جب حق کو چھوڑ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتی ہیں تو مر جاتی ہیں، جب کوئی قوم جان بلب ہوتی ہے تو پیغمبران میں سچائی کی روح پھونک کر نئے سرے سے زندہ کرنے آتا ہے - جو سچائی کو قبول کرتے ہیں وہ دوبارہ زندہ ہو جاتے ہیں، جو اسے رد کر دیتے ہیں وہ جھوٹ اور تفرقہ کی موت مر جاتے ہیں اور ذلت و خواری کے جہنم میں جا پہنچتے ہیں، جب اس دنیا سے کوچ کرتے ہیں، اپنی جہنم ساتھ لے جاتے ہیں - اسی طرح مومن اس جہاں سے جاتے ہوئے سچائی اور اطمینان کی جنت ساتھ لے جاتے ہیں، قوموں کا حساب کتاب، فیصلہ اور جنت جہنم میں داخلہ اسی دنیا میں پیغمبر کے آنے پر ہو جاتا ہے، یہ فیصلہ سنانے والی زبان اگرچہ پیغمبر کی ہوتی ہے - حکم جو وہ سناتی ہے خدا کا ہوتا ہے، پس قیامت ہر پیغمبر کے ظہور پر قائم ہوتی رہتی ہے - چنانچہ سورہ اعراف کی آیات مذکورہ سے صاف ظاہر ہے، کہ

جہنم میں داخلہ کے لئے کوئی ایک دن مقرر نہیں، بلکہ ہر رسول کے آنے پر تازہ تکذیب قوم جہنم میں داخل ہوتی ہے، جہاں سابقہ تکذیب قومیں پہلے سے داخل شدہ موجود ہوتی ہیں۔ ان آیات کے آخر پر فرمایا ہے کہ جب مومن جنت میں داخل ہو چکتے ہیں اور کافر جہنم میں، تو مؤذن پکارتا ہے کہ ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۔ جو لوگوں کو خدا کی راہ سے روکتے ہیں اور آخرت کا انکار کرتے ہیں۔ اگر خط کشیدہ الفاظ اگلے جہاں میں جنت اور دوزخ میں داخلہ کے بعد پکارے جاتے ہیں، تو یہ اس وقت کے مناسب حال نہیں، اس وقت کون سے ظالم لوگوں کو اللہ کے راہ سے روک رہے ہوں گے اور آخرت کا انکار کر رہے ہوں گے، اور مثالیں ملاحظہ فرمائیے:-

فاما یأتینکم منی هدًى فمن اتبع هدای فلا یضل ولا یشقی ومن اعرض عن ذکری فان له معیشة ضنکا ونحشره یوم القیامة اعمی قال رب لم حشرتنی اعمی وقد کنت بصیرا قال کذلک اتتک آیاتنا فنسیتها وکذلک الیوم تنسی وکذلک نجزی من اسرف ولم یؤمن بآیات ربه ولعذاب الآخرة اشد وابقی (طٰہٰ - ع ۷)

جب تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت آئے، تو جو اس کی پیروی کرے گا وہ نہ گمراہ ہوگا، نہ ناکام اور جو میرے ذکر سے منہ پھیرے گا اس کو رزق کی تنگی رہے گی، اور ہم اس کو قیامت کے روز اندھا اٹھائیں گے وہ کہے گا، اے میرے ربّا تو نے مجھے کیوں اندھا اُٹھایا میں تو آنکھوں والا تھا، خدا کہے گا تیرے پاس ہماری آیات آئیں، تو نے ان کو چھوڑ دیا اور اسی طرح ہم نے نہیں

چھوڑ دیا، زیادتی کرنے اور نہ ماننے والے کو ہم ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں، اور آخرت کی سزا اس سے زیادہ سخت اور دیرپا ہے۔

ان آیات میں بتایا ہے کہ خدا کی طرف سے ضرور ہدایت آتی رہے گی اور جب جب خدا کا رسول ظاہر ہوگا، جو اس کی پیروی کرے گا، گمراہی و ناکامی سے بچ جائے گا، اور جو اس سے منہ پھیرے گا، روحانی رزق کی اس کو تنگی رہے گی، یہاں تک کہ عین یوم قیامہ میں جب خدا کا پیغمبر سعید روحوں کو حق کی روشنی سے منور کر رہا ہوگا، یہ حق کو دیکھنے سے اندھا ہوگا جب ذلت و نحبت اسے آن لے گی، تو یہ دل ہی دل پر بیکے گا کہ اے خدا! آج تو نے ہمیں ایسی حالت میں کیوں چھوڑ دیا ہے کہ ہمیں کوئی راہ اپنی نجات کی دکھائی نہیں دیتی، اس کا جواب دیا ہے کہ ہماری آیات سے اعراض ہی تیری نابینائی کا موجب ہوگیا ہے۔ تو نے جب آیات اللہ سے آنکھ بند کر لی، تو خدا نے تمہیں اندھاپن کی حالت میں چھوڑ دیا، اور ابھی اندھاپن پر کیا زنا ہے، آخرت میں اس سے بھی زیادہ شدید اور دیرپا عذاب ہے۔ اس موقعہ پر جس چیز کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے، وہ یہ ہے کہ قیامت میں وہ اندھا محشور ہوتا ہے۔ جب وہ پوچھتا ہے، مجھے اندھا کیوں اٹھایا گیا ہے۔ تو جواب ملتا ہے کہ یہ آیات اللہ سے تیرے اعراض کا نتیجہ ہے۔ لیکن ابھی آخرت میں تیرے لئے اس سے زیادہ شدید عذاب ہے۔ گویا آخرت یوم القیامہ کے بعد ہے۔ کتنی صفائی سے یہ آیت بتاتی ہے کہ یوم قیامہ اور حشر و نشر اسی دنیاوی زندگی میں ہوتا ہے۔

| | |
|---|---|
| ۱۔ فقال الله یا عیسیٰ الخ ... | جب اللہ نے کہا اے عیسیٰ ...... |
| جاعل الذین اتبعوک فوق | میں تیرا کہنا ماننے والوں کو تیرے منکروں پر |

الذین کفروا الی یوم القیامۃ ثم الی مرجعکم فاحکم بینکم فیما کنتم فیہ تختلفون۔ فاما الذین کفروا فاعذبہم عذابا شدیدا فی الدنیا والاخرۃ (آل عمران ع ۶)

قیامت تک غالب رکھوں گا۔ پھر تمہاری واپسی میرے حضور میں ہوگی، اور میں تمہارے اختلافات کا فیصلہ کروں گا، پھر جو نہ مانیں گے، ان کو دنیا و آخرت دونوں میں سخت عذاب دوں گا۔

حضرت عیسٰی سے وعدہ فرمایا ہے کہ تیرے پیروؤں کو تیرے منکروں پر قیامت تک غالب رکھوں گا، پھر تیرے پیروؤں کی میرے حضور واپسی ہوگی اور جو اختلافات انہوں نے پیدا کرلئے ہوں گے، ان کا قیامت میں فیصلہ کروں گا پھر جو اس فیصلہ کا انکار کرے گا، اُسے دنیا اور آخرت دونوں میں سخت عذاب دوں گا، قیامت میں فیصلہ ہوتا ہے اور جو اس فیصلہ کو نہیں مانتا اُسے دنیا اور آخرت دونوں میں عذاب کا وعدہ دیا جاتا ہے گویا قیامت کے بعد بھی دنیا چلتی ہے، یہ قیامت جس میں عیسائیوں کا خدا کے حضور رجوع اور فیصلہ ہوا ظہور محمدی ہے۔ جب عیسائیوں نے اختلافات پیدا کرلئے، اور ان کی اجل پوری ہوگئی، تو حضرت محمدؐ رسول اللہؐ نے نمائندہ خدا کی حیثیت سے ان کا فیصلہ کیا، یہاں آنحضرتؐ کے ظہور پر عیسائی قوم کی قیامت قرار دیا ہے۔ اور آنحضرتؐ کے فیصلہ کو خدا کا فیصلہ جو عیسائیوں کی قیامت کے روز صادر ہوتا ہے، جو اس فیصلہ کا انکار کرتا ہے، اسے دنیا اور آخرت دونوں میں سخت عذاب کا وعدہ ہے۔

وتری الظالمین لما رأوا العذاب یقولون ھل الی مرد

جب ظالم عذاب کو دیکھیں گے، تو انہیں یہ کہتے پائے گا کہ کیا کسی طرح یہ عذاب

من سبیل ۔ وتراهم یعرضون علیها خاشعین من الذل ینظرون من طرف خفی وقال الذین آمنوا ان الخاسرین الذین خسروا انفسهم واهلیهم یوم القیامة الا ان الظالمین فی عذاب مقیم وما کان لهم من اولیاء ینصرونهم من دون الله ومن یضلل الله فما له من سبیل استجیبوا لربکم من قبل ان یاتی یوم لا مرد له من الله ما لکم من ملجا یومئذ وما لکم من نکیر ۔ (شوریٰ ع ۵)

ٹل سکتا ہے جب وہ اس پر پیش کیے جائیں گے تو تو انہیں دیکھے گا کہ ذلت اور ڈر کی وجہ سے آنکھ نہیں اٹھا سکتے اور مومن کہیں گے، کہ انہوں نے اپنے آپ اور اپنے اہل کو قیامت کے دن میں ہلاک کر ڈالا، یاد رکھو، کہ ظالم دیرپا عذاب میں ہیں، اور ان کے لیے کوئی دوست یا مددگار نہیں جو انہیں خدا سے بچا سکے۔ اور جسے اللہ گمراہ کرے، اس کے لیے کوئی راستہ کھلا نہیں رہتا۔ اپنے رب کی فرمانبرداری کرو، قبل اس کے کہ وہ دن آئے جو کسی طرح ٹل نہیں سکتا، اس دن نہ کوئی جائے پناہ ہے اور نہ تم انکار کر سکتے ہو۔

جناب مولانا مولوی محمد علی صاحب امیر جماعت احمدیہ لاہور اپنی تفسیر "بیان القرآن" میں ان آیات پر فرماتے ہیں:—

"یہاں جو نقشہ عذاب کا کھینچا ہے، وہ قیامت پر بھی صادق آتا ہے۔ مگر اس سے بڑھ کر صفائی سے ان کی اس حالت پر صادق آتا ہے: جو اس دنیا میں انہیں پیش آئی، ذلت کی وجہ سے عاجزی اختیار کرنا اور کمزور نگاہ سے دیکھنا ان کی وہ حالت ہے، جو فتح مکہ میں ظہور میں آئی۔"

ان آیات میں قیامت کا لفظ موجود ہے، اور کچھ شک نہیں کہ خدا نے یہ

نقشہ مخالفوں کی اس حالت کا کھینچا ہے، جو قیامت میں انہیں پیش آنے والی تھی، اور اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ یہ نقشہ ان کی اس حالت پر جو فتح مکہ کے روز انہیں پیش آئی صادق آتا ہے، لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ خدا نو فنائے عالم کے بعد قائم ہونے والی قیامت کا نقشہ کھینچے اور وہ نقشہ قیامت سے بڑھ کر صفائی سے اسی دنیا میں فتح مکہ کے روز پیش آجائے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ جو غرض قیامت سے تھی وہ بدرجہ احسن فتح مکہ کے روز اتفاقاً پوری ہو گئی، جب وہ غرض بدرجہ احسن فتح مکہ کے روز اتفاقاً پوری ہو گئی . . . . . . . . . . . . . . . . تو جائے غور ہے کہ اب فنائے عالم کے بعد گھٹیا درجہ کی قیامت کیوں اور کس غرض سے قائم ہو گی؟ اصل بات یہ ہے کہ خدا نے نقشہ کھینچا ہی فتح مکہ کے دن کا تھا، اور اسی دن کا نام حق کے قائم ہونے کے لحاظ سے قیامت اور مخالفوں کی تباہی کے لحاظ سے یوم الفصل یا ساعت ہے اور دوسری جگہ اسی کا نام یوم الفتح بھی رکھا ہے، "ویقولون متیٰ ھذا الوعد ان کنتم صادقین، قل یوم الفتح لا ینفع الذین کفروا ایمانہم ولا ہم ینظرون (سجدہ ع ۳)" کہ پوچھتے ہیں فتح یعنی فیصلہ کا دن کب آئے گا۔ سو کہہ دے کہ فتح کے دن کافروں کو ان کا ایمان کچھ نفع نہیں دے گا، اور نہ انہیں ڈھیل دی جائے گی، ہر چیز کی ایک حد ہے، فرعون کو ایک عرصہ تک ایمان کے لئے ترغیب و ترہیب دلائی جاتی رہی۔ آخر جب اس کی ہلاکت کا وقت آ گیا، اس کا ایمان اس کے کام نہ آیا۔ اسی طرح بارہا مخالفین رسول اللہ کو سمجھایا جاتا رہا۔ کہ ہلاکت کے لئے جلدی نہ کرو اور بات کو سوچو کیونکہ جب وہ وقت آئے گا

اُسے ٹالا نہیں جا سکے گا، چنانچہ جب وہ وقت آگیا، اُسے کوئی روک نہ سکا۔ اگر ساعہ فتح مکہ کے روز قائم ہو گئی، تو اس میں کچھ تعجب نہیں بلکہ اگر قائم نہ ہوتی تو سخت تعجب ہوتا، کیونکہ خدا نے قرآن میں بار بار نہیں بتایا تھا کہ تمہارے حساب وکتاب کا وقت اور تمہاری تباہی کی گھڑی بہت قریب ہے۔ ملاحظہ ہوں آیاتِ ذیل۔

اقترب للناس حسابہم و ہم فی غفلۃ معرضون (انبیاء ع ۱)

لوگوں کا حساب قریب آگیا اور وہ غفلت میں روگرداں ہیں۔

اقتربت الساعۃ وانشق القمر (قمر - ع ۱)

ساعت قریب آگئی اور چاند پھٹ گیا۔

فہل ینظرون الا الساعۃ ان تاتیہم بغتۃ فقد جاء اشراطہا (محمدؐ ع ۲)

اگر یہ اس انتظار میں ہیں کہ ان کی ہلاکت کی گھڑی اچانک آجائے تو اس کی علامات ظاہر ہو چکی ہیں، ساعۃ کا معاملہ آنکھ کی ایک جھپک کی طرح ہے یا اس سے بھی قریب۔

وما امر الساعۃ الا کلمح البصر او ہو اقرب (نحل - ع ۱۱)

چاند عربوں کی طاقت وحکومت کا نشان ہے، انہیں بتایا گیا تھا کہ چاند کا پھٹنا تمہاری تباہی کا پیش خیمہ ہے جو تمہارے سر پر کھڑی ہے۔ چنانچہ وہ گھڑی (ساعۃ) فتح مکہ کے روز آگئی۔ اور یہ کوئی انوکھی بات نہ تھی، ہر پیغمبر کے ظہور پر اس کے مخالفوں کی ساعۃ اسی دنیا میں آتی رہی، چنانچہ

فرماتا ہے:

قل ارأیتکم ان اتاکم عذاب
اللہ او اتتکم الساعۃ اغیر اللہ
تدعون ان کنتم صادقین ۝
بل ایاہ تدعون فیکشف ما
تدعون الیہ ان شاء و
تنسون ما تشرکون ۝ ولقد
ارسلنا الی امم من قبلک
فاخذنٰہم بالبأساء والضراء
لعلہم یتضرعون فلولا اذ
جاءھم بأسنا تضرعوا و
لکن قست قلوبھم وزین
لھم الشیطان ما کانوا
یعملون فلما نسوا ما
ذکروا بہ فتحنا علیہم ابواب
کل شیء حتی اذا فرحوا بما
اوتوا اخذنٰہم بغتۃ
فاذا ھم مبلسون فقطع
دابر القوم الذین ظلموا
والحمد للہ رب العالمین
(انعام - ع ۵)

کیا تم نے غور کیا ہے، اگر خدا کی طرف
سے عذاب یا تمہاری ہلاکت کی گھڑی
(ساعۃ) آجائے تو سچ بتاؤ کہ کیا اس
وقت تم اللہ کے سوا کسی اور کو پکارتے
ہو؟ وہ اگر چاہے تو تمہاری اس
تکلیف کو دور کر دیتا ہے، جس کی
وجہ سے تم اُسے پکارتے ہو، اس
وقت تم شرک بالکل بھول جاتے
ہو۔ ہم نے تجھ سے پہلی قوموں میں بھی
رسول بھیجے، تو ہم نے ان کو دکھ اور
تنگی میں مبتلا کیا، تاکہ وہ عاجزی
کریں، کاش عذاب آنے پر وہ عاجزی
کرتے، لیکن ان کے دل سخت ہو گئے۔
اور شیطان نے ان کے کام ان کی نظر
میں خوبصورت کر کے دکھائے۔ جب
وہ ہماری نصیحت کو بھول گئے، تو
ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے
کھول دیئے، یہاں تک کہ اس کی وجہ
جو انہیں دیا گیا ناز کرنے لگے۔ تو ہم
نے ان کو اچانک آلیا۔ تو وہ مایوس
ہو گئے۔ اس طرح اس قوم کی جڑ کٹ

گئی، جنہوں نے ظلم کیا اور سب تعریف اللہ کے لئے ہے جو سب جہانوں کا پروردگار ہے
ان آیات میں ساعۃ کے معنی بیان کئے گئے ہیں، فرمایا ہے کہ سابقہ زمانوں میں
رسولوں کے بھیجنے پر خدا لوگوں کو عذاب میں گرفتار کرتا رہا تا کہ وہ سرکشی سے باز
آئیں، لیکن جب وہ باز نہ آئے اور انہوں نے انتباہ کی پرواہ نہ کی، تو خدا نے
ان پر آسائش کے دروازے کھول دیئے، یہاں تک کہ جب وہ اپنی مرفہ الحالی پر اترانے
لگے، تو اچانک خدا نے مواخذہ کیا، اور ظالموں کی جڑ کاٹ دی۔ ساعۃ میں اور عذاب
میں یہ فرق ہے کہ عذاب وہ ہے جو درمیانی زمانے میں خدا کی طرف متوجہ کرنے کے لئے
آتا ہے اور ساعۃ وہ آخری گرفت ہے، جس سے ظالموں کی بیخ کنی ہو جاتی ہے۔ اور
یہ دونوں قسم کے مواخذے بروئے آیات مذکورہ ہر پیغمبر کے ظہور پر ہوتے رہتے ہیں
حضرت نوحؑ کی قوم کے متعلق فرمایا ہے، مما خطیئاتہم اغرقوا فادخلوا
ناراً، کہ اپنی خطا کاریوں کے باعث غرق کئے گئے اور آگ میں داخل کیے گئے
یہ نہیں کہ فنائے عالم کے بعد آگ میں داخل ہوں گے، بلکہ جب غرق ہوئے اسی
وقت داخل ہو گئے۔ یہ قوم نوحؑ کی ساعۃ تھی۔ سورہ ہود میں اس کا نام
عذاب یوم الیم۔ عذاب مقیم لا عاصم الیوم من
امر اللہ مذکور ہیں، یعنی دردناک عذاب، دیرپا عذاب، وہ دن جس
میں اللہ کے عذاب سے کوئی چیز بچا نہیں سکتی۔

اسی طرح قوم ہود کی ساعۃ کے نام عذاب غلیظ اور عذاب یوم عظیم
ہیں، قوم لوط کی ساعۃ کے نام عذاب غیر مردود۔ یوم عصیب اور
عذاب یوم عظیم ہیں۔ قوم صالح کی ساعۃ کے نام عذاب قریب جعلنا
عالیہا سافلہا (؟) غیر مکذوب۔ عذاب یوم عظیم اور رجفہ ہیں۔ قوم شعیب کی
کی ساعۃ کے نام عذاب یوم محیط اور صیحہ ہیں (دیکھو سورہ ہود۔ اعراف

اور شعرا)

ان ناموں کا ذکر میں نے اس لئے کیا ہے کہ عام طور پر یہ نام قیامت کے سمجھے جاتے ہیں، جو فنائے عالم کے بعد مانی جاتی ہے، حالانکہ بروئے قرآن ان ناموں والی قیامت اسی دنیا میں کئی بار قائم ہو چکی ہے۔

| ان ربک لیحکم بینھم یوم القیمۃ فیما کانوا فیہ یختلفون ٥ (نحل ع ١٦) | نیز اور ب ان کے درمیان ان کے اختلافات کا فیصلہ قیامت کے دن میں کرتا ہے۔ |
| --- | --- |

اس آیت میں یحکم پر لام تاکید ہے، اور مضارع پر جب لام تاکید آتا ہے، تو اسے حال کے لئے خاص کر دیتا ہے۔ جیسے انی لیحزننی ان تذھبوا بہ (یوسف ع ٢) اس واسطے یہ معنی نہیں ہو سکتے کہ اللہ فنائے عالم کے بعد اختلافات کا فیصلہ کرے گا، بلکہ یہ معنی ہیں کہ اللہ ظہورِ محمدیؐ میں جو قیامت کا دن ہے، فیصلہ کر رہا ہے۔ اس کے علاوہ آیہ کریمہ کان الناس امۃ واحدۃ فبعث اللہ النبین مبشرین ومنذرین لیحکم بین الناس فیما اختلفوا پہلے آ چکی ہے، جو قاعدہ کلیہ کے طور پر بتاتی ہے کہ خدا نبیوں کو اسی غرض سے مبعوث کرتا ہے کہ لوگوں کے اختلافات کا فیصلہ اسی دنیا میں کر دے۔ جب ایک طرف فیصلہ قیامت میں ہوتا ہے، اور دوسری طرف فیصلہ اسی دنیا میں رسول کے ذریعہ ہو جاتا ہے، تو اس سے پایا گیا کہ قیامت وہی وقت ہے کہ جب رسول ظاہر ہو کر خدا کا فیصلہ سنا دیتا ہے۔ فیصلہ جب اسی دنیا میں پیغمبر کے ظہور پر ہو جاتا ہے، بلکہ نافذ بھی ہو جاتا ہے، مکذب ذلت و ہلاکت کے جہنم میں داخل ہو جاتے ہیں، اور مومن دینی اور دنیوی

فلاح کی جنت میں داخل ہو جاتے ہیں۔ جیسے کہ اجل امم کے ضمن میں متعدد آیات سے دکھایا جا چکا ہے، تو پھر وہ کونسا فیصلہ باقی ہے، جو نظام عالم کے بعد کی مفروضہ قیامت میں ہونا ہے، پیغمبر کے مخالفوں کی تباہی اور پیغمبر کی کامیابی کا دن جو اسی دنیا میں آ جاتا ہے، وہی یوم الدین اور یوم الفصل بھی ہوتا ہے، چنانچہ فرمایا ہے

(ا) فانما ھی زجرۃ واحدۃ فاذا ھم ینظرون وقالوا یا ویلنا ھذا یوم الدین ھذا یوم الفصل الذی کنتم بہ تکذبون ۰
(صافات ع ۱)

ایک ہی ڈانٹ سے انہیں نظر آنے لگے گا اور کہیں گے، افسوس یہ تو جزا و سزا اور فیصلہ کا دن ہے، جس کو تم جھٹلاتے تھے۔

(ب) وما انزلنا علی قومہ من بعدہ من جند من السماء وما کنا منزلین ان کانت الا صیحۃ واحدۃ فاذا ھم خامدون۔
(یٰس ع ۲)

اور ہم نے اس کی قوم پر اس کے بعد آسمان سے کوئی لشکر نہ اتارا اور نہ ہم اتارا کرتے ہیں، وہ فقط ایک چیخ تھی، جس سے ٹھنڈے ہو کر رہ گئے۔

(ج) ویقولون متی ھذا الوعد ان کنتم صادقین ۰ ما ینظرون الا صیحۃ

کہتے ہیں اگر تم سچے ہو تو عذاب جس کا وعدہ دیتے ہو، کیوں نہیں آتا۔ یہ صرف ایک چیخ کی انتظار میں ہیں

واحدة تأخذهم وهم يخصمون ۔ فلا يستطيعون توصية ولا الى اهلهم يرجعون ونفخ في الصور فاذا هم من الاجداث الى ربهم ينسلون قالوا يا ويلنا من بعثنا من مرقدنا هذا ما وعد الرحمن وصدق المرسلون، ان كانت الا صيحة واحدة فاذا هم جميع لدينا محضرون فاليوم لا تظلم نفس شيئا ولا تجزون الا ما كنتم تعملون
(یٰس - ع ۳ - ۴)

جو ان کو آپکڑے، جب کہ یہ جھگڑ رہے ہوں اور وصیت کرنے یا اپنے اہل کی طرف لوٹنے کی فرصت نہ پائیں اور بگل بجایا گیا تو وہ فوراً اپنی قبروں سے نکل کر اپنے رب کی طرف بھاگنے لگے۔ انہوں نے کہا۔ افسوس ہم کو قبروں سے کس نے اٹھایا یہ تو وہی ہے، جس کا رحمان نے وعدہ کیا تھا۔ رسولوں کی بات سچ نکل آئی نہ تھی وہ مگر ایک چیخ، جس سے وہ آن کی آن میں سب ہمارے ہاں حاضر ہو گئے۔ آج کے دن کسی پر کچھ ظلم نہیں کیا جائے گا۔ تمہیں صرف تمہارے اپنے کیے کا بدلہ دیا جائے گا۔

آنحضرتؐ کے مخالف جس وعید کا انتظار کرتے تھے، اور بار بار پوچھتے تھے کہ وہ کب آئے گی، اُسے آیات ۷ میں صیحۃ واحدۃ (ایک چیخ) کہا ہے، آگے اس کا واقعہ ہونا بیان کیا ہے، کہ رب کے حضور پہنچنے کے لیے بگل بجایا گیا۔ پس وہ قبروں سے اُٹھ کر یہ کہتے ہوئے رب کے حضور بھاگنے لگے کہ ہائے افسوس یہ تو وہی حالت پیش آگئی جس کا رحمان نے وعدہ کیا تھا، اور نبا کئی دیا ہے کہ یہی (بگل) وہ ایک چیخ تھی، جس کے واقع ہونے پر آن کی آن میں وہ سب خدا کے حضور حاضر ہو گئے۔ آگے فرمایا، کہ جب وہ

ظاہر ہوتے ہیں ، تو انہیں کہا گیا کہ یہ جزا وسزا کا روز ہے ، جس میں ہر شخص کو اس کے اعمال کا بدلہ ملے گا اور کسی پر کچھ ظلم نہیں ہوگا ، چونکہ ان آیات میں مردوں کے قبروں سے اٹھنے کا ذکر ہے ، ہمارے مفسر مردوں کے زندہ ہونے سے جو الہامی کتابوں کا منشا ہے ، اُسے معلوم کرنے کی کوشش کئے بغیر اپنے خیال کے تابع ان آیات کو فنائے عالم کے بعد مزعومہ قیامت پر لگاتے ہیں - جس میں وہ سمجھتے ہیں کہ قبریں کھلیں گی اور مردے اپنے پرانے عنصری جسموں کے ساتھ اٹھائے جائیں گے ، مردوں کے زندہ ہونے کا بیان آگے آئے گا -

سردست میں ناظرین کرام کی توجہ آیت (ب) کی طرف دلاتا ہوں جس میں بعینہٖ انہیں الفاظ میں جو اس آیت میں ہیں ، (ان کانت الا صیحۃ واحدۃ) سابقہ زمانہ میں کسی مکذب قوم کے ہلاک ہونے کا ذکر کیا گیا ہے ، اور اس ذکر سے مدعا آنحضرتؐ کے مخالفوں سے جو سلوک ہونے والا تھا ، اُسے سابقہ مثال سے واضح کرنا تھا - یہ مسلّم ہے کہ آیت (ب) والی صیحۃ سابقہ زمانہ میں اسی دنیا کے اندر واقع ہو گئی ، جس سے مکذب قوم ہلاک ہوگئی ، نہ یہ کہ فنائے عالم کے بعد واقع ہوگی جب زمین کی قبروں سے مردے برآمد ہوں گے ، جیسا اس کو اس صیحہ کے لئے جو آنحضرتؐ کے مخالفوں پر واقع ہونے والی تھی بطور مثال بیان کیا گیا تو ہمارا فرض ہے کہ یہاں اس صیحہ میں بھی آنحضرتؐ کے مخالفوں کی اسی دنیا میں ہلاکت مراد لیں ، نہ کہ فنائے عالم کے بعد جسمانی طور پر مردوں کا قبروں سے نکلنا -

آیت ج کے آخر پر بتایا ہے کہ وہی روز جس میں یہ چیخ واقع ہوئی روز جزا وسزا ہے ، جس چیز کو آیت ج میں ایک چیخ کہا ہے ، اسی کو آیتہ الف میں ایک ڈانٹ کہا ہے ، جیسے آیت ج میں ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ

ہم پر افسوس یہ تو وہی وقت آگیا، جس کا رحمان نے وعدہ کیا تھا، اسی طرح آیت ۵ میں ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم پر افسوس یہ تو یوم الدین یعنی جزا و سزا کا روز اور یوم الفصل یعنی فیصلہ کا دن ہے، پس ان لوگوں کے فیصلہ اور جزا و سزا کا روز بھی فتح مکہ کا روز ہی تھا۔

## مردوں کا زندہ ہونا

قرآن میں ہے :-

(۱) اومن کان میتا فاحیناہ وجعلنا لہ نوراً یمشی بہ فی الناس کمن مثلہ فی الظلمات لیس بخارج منہا کذالک زین للکافرین ما کانوا یعملون (انعام - ع ۱۵)

کیا وہ جو مردہ تھا۔ پس ہم نے اُسے زندہ کیا اور اس کے لئے نور بنایا، جس سے وہ لوگوں میں چلتا ہے اس کے برابر ہے؟ جو تاریکیوں میں پڑا ہے، اور ان سے نکل نہیں سکتا، اسی طرح کافروں کے عمل ان کے لئے خوبصورت بنائے گئے۔

(۲) قل اللھم مالک الملک تؤتی الملک من تشاء وتنزع الملک ممن تشاء وتعز من تشاء وتذل من تشاء بیدک الخیر انک علی کل شیء قدیر۔ تولج اللیل فی النہار وتولج النہار فی اللیل وتخرج الحی من المیت وتخرج المیت من الحی وترزق من تشاء بغیر.

کہہ کہ اے اللہ تو بادشاہت کا مالک ہے، جسے چاہتا ہے، بادشاہت عطا کرتا ہے اور جس سے چاہتا ہے چھین لیتا ہے، جسے چاہتا ہے عزت بخشتا ہے اور جسے چاہتا ہے ذلیل کرتا ہے۔ بھلائی تیرے ہاتھ میں ہے، بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے۔ تو رات کو دن اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے، اور مردہ سے زندہ

حساب۔ (آل عمران ع ۳) اور زندہ سے مردہ نکالتا ہے اور جسے چاہتا ہے، بلا حساب دیتا ہے۔

پہلی آیت میں کافر کو صاف طور پر مردہ کہا ہے اور ایمان لانے کو زندہ ہونا جب ایک کافر ایمان لاتا ہے، تو خدا کہتا ہے کہ مردہ زندہ ہو گیا، دوسری آیت میں قومی حیات اور موت بیان کی ہے، پہلے جو قوم برسر اقتدار ہے اس کے ذلیل ہو جانے کا نام اس کی موت رکھا ہے اور نئی قوم کے برسر اقتدار آنے کو مردہ قوم کا زندہ ہونا کہا ہے۔

۳۔ وقالوا أذا کنا عظاماً و رفاتاً أانا لمبعوثون خلقاً جدیداً اولم یروا ان اللہ الذی خلق السمٰوٰت والارض قادر علیٰ ان یخلق مثلہم و جعل لہم اجلا لاریب فیہ فابی الظالمون الا کفورا۔ (بنی اسرائیل۔ ع ۱۱)

وہ کہتے ہیں کہ جب ہم بوسیدہ ہڈیاں ہوں گے، تو کیا ہم نئے سرے سے پیدا کر کے اٹھائے جائیں گے۔ کیا ان کو پتہ نہیں کہ جس خدا نے زمین اور آسمانوں کو پیدا کیا، وہ ان جیسوں کو پیدا کر سکتا ہے، خدا نے ان کی ایک میعاد رکھی ہے، جس میں کوئی شک نہیں، مگر ظالموں کے حصہ میں صرف ناشکر گذاری ہے۔

جب وہ پوچھتے ہیں کہ کیا ہماری بوسیدہ ہڈیوں کو پھر زندہ کیا جائے گا تو جواب میں یہ نہیں کہا کہ ہاں! بلکہ یہ کہا ہے کہ تمہاری ہلاکت کی گھڑی مقرر ہے۔ تم ہلاک ہو جاؤ گے، خدا تم جیسے اور پیدا کرے گا، یہ ان جیسی اور مخلوق کون ہے؟ یہی خلق جدیدہ (مسلمان قوم) ہے، جو مردوں کے زندہ ہونے سے وجود میں آئی اور یہ کیونکر تھے اور زندہ

کیونکہ ہوتے ہیں پہلے بتایا جاچکا ہے، کہ کافر مردہ ہوتا ہے، جب ایمان لاتا ہے زندہ ہوجاتا ہے۔

تو خدا نے فنائے عالم کے بعد مردے زندہ کرنے کا وعدہ نہیں کیا، بلکہ اسی وقت انہیں میں سے ان کی آنکھوں کے سامنے کافروں کو جو مردہ تھے، نور ایمان سے زندہ کرنے کا وعدہ کیا، اور وہ وعدہ اسی وقت پورا بھی کر دیا اچھی طرح غور کر کے دیکھو، کافروں کو بجائے زندہ کرنے کے ہلاکت کا وعدہ دیا ہے، ہاں ان میں سے جو ایمان لائیں انہیں ہلاک شدہ قوم کا جانشین بنانے کا وعدہ کیا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہی پورا کر دیا گیا، اس مفہوم کو بنی اسرائیل کی مثال سے بھی جو ساتھ ہی آگے آتی ہے واضح کر دیا ہے۔ فاذا جاء وعد الآخرۃ جئنا بکم لفیفا کہ جب ان کا وقت آ گیا، ہم نے ان کی صف کو لپیٹ دیا۔

| | |
|---|---|
| (۴) فاوحی الیہم ربہم | خدا نے ان کو وحی کی کہ میں ضرور ظالموں |
| لنھلکن الظالمین و | کو ہلاک کر ڈالوں گا، اور تم کو زمین |
| لنسکننکم الارض من | میں آباد کروں گا۔ یہ انعام اس کے |
| بعدھم ذلک لمن خاف | لئے ہے جو میرے حضور کھڑا ہونے سے ڈرا |
| مقامی وخاف وعید ۔ | اور میری دھمکی سے ڈرتا ہے۔ اور |
| واستفتحوا وخاب کل جبار | انہوں نے فیصلہ چاہا۔ اور ہر ظالم سرکش |
| عنید من ورائہ جہنم، | ناکام ہو گیا، اس کے سامنے جہنم ہے |
| ویسقی من ماء صدید | اور وہ گندہ پانی پلایا جائے گا۔ |
| یتجرعہ ولا یکاد یسیغہ ۔ | گھونٹ گھونٹ کر اسے پئے گا۔ |

ویاتیہ الموت من کل مکان وما ھو بمیت ومن ورائہ عذاب غلیظ۔ مثل الذین کفروا کرماد اشتدت بہ الریح فی یوم عاصف لا یقدرون مما کسبوا علی شیٔ ذلک ھو الضلل البعید۔ الم تر ان اللہ خلق السموات والارض بالحق ان یشاء یذھبکم ویأت بخلق جدید

(ابراہیم ع۳)

اور ہر مشکل سے اُسے گذرنا پڑے گا۔ ہر طرف سے اُسے موت آئے گی مگر وہ مرے گا نہیں اور سامنے اس کے سخت عذاب ہوگا۔ کافروں کے اعمال کی مثال اس راکھ کی طرح ہے جسے آندھی کے دن تیز ہوا اُڑا کر لے گئی۔ یعنی ان کی کوششیں رائگاں جائیں گی۔ یہ پرلے درجے کی گمراہی ہے۔ کیا تجھے معلوم نہیں؟ کہ خدا نے زمین و آسمان کو حق و حکمت سے پیدا کیا ہے۔ اگر وہ چاہے تو تمہیں لے جائے۔ اور نئی مخلوق لے آئے۔

ان آیات میں فرمایا ہے کہ جیسے خدا سابقہ زمانوں میں ظالموں کو ہلاک کرکے پیغمبروں کے پیروؤں کو ان کے جانشین بناتا رہا۔ اسی طرح زمانہ نزول قرآن میں ہوگا۔ موجودات کا وجود حق سے ہے، اور حق ظالموں کے ہاتھوں برباد نہیں ہوسکتا۔ اگر ظالم باز نہ آئے۔ تو خدا انہیں لے جائے گا۔ اور نئی مخلوق ان کی جگہ لے آئے گا۔ کہاں لے جائے گا؟ جہنم جو ان کے سامنے انتظار میں کھڑی ہے۔ اس کی نذر کردے گا، ان کی مخالفانہ کوششیں اس طرح اڑ جائیں گی جیسے تیز آندھی کے سامنے راکھ، اور ناکامی و حسرت کی موت ہر آن اُن پر آئے گی۔ اور وہ مریں گے بھی نہیں

نئی مخلوق کونسی ہے؟ مسلمان قوم، ان آیات میں خلق جدید یا مردہ زندہ ہونے کے معنی یہ بتائے ہیں کہ ظالموں کو ہلاک کرکے پیغمبر کے پیروؤں کو زمین میں بسا دوں گا، یعنی انہیں استحکام و تمکنت بخشوں گا۔ اور ان کے مخالفوں کو ذلیل و خوار کر دوں گا۔ یہاں جہنم کی کیفیت بھی بیان کر دی ہے، کہ وہ تنگی اور عذاب کی زندگی ہے، جو موت سے بدتر ہے۔ جہاں انسان پر ناکامی و حسرت کی موت آتی رہتی ہے، لیکن اس کی جان بھی نہیں نکلتی جان نہ نکلنے کا یہ مطلب نہیں کہ مرتا ہی نہیں، مطلب یہ ہے کہ زندگی بھر ذلت و حسرت سے نجات نہیں ہوتی اور موت پر بھی چونکہ جہنم ساتھ ہی چلی جاتی ہے، وہاں بھی چھٹکارا نہیں ہوتا۔

(۵) ولقد اتوا علی القریۃ التی امطرت مطر السوء افلم یکونوا یرونھا بل کانوا لا یرجون نشورا ...... وسوف یعلمون حین یرون العذاب من اضل سبیلا۔ (فرقان ع۴)

اور یہ لوگ اس بستی سے گذرتے رہے ہیں، جس پر عذاب کی بارش برسائی گئی، کیا یہ لوگ اُسے دیکھتے نہیں رہے؟ بلکہ دوبارہ جی اُٹھنے کی امید نہیں رکھتے ......... اور وہ ضرور جان لیں گے، جب وہ عذاب دیکھیں گے، کہ گمراہ کون ہے۔

یہ آیت دوبارہ جی اُٹھنے (نشور) کی کیفیت کو خوب واضح کرتی ہے پہلے کہا، کہ یہ لوگ اس بستی سے گذرتے رہے ہیں، جسے ہلاک کیا گیا، تو کیا یہ لوگ اُسے دیکھتے نہیں رہے، دیکھتے تو رہے ہیں، اور اگر وہ چاہتے تو اس بستی کے بد انجام سے عبرت حاصل کرکے اپنی بدکرداری و بدحالی کی موت سے چھٹکارا پاکر از سر نو زندگی حاصل کر سکتے تھے۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ یہ مردے

زندہ ہونا چاہتے نہیں، ظاہر ہے کہ کسی ہلاک شدہ بستی کے نظارہ میں مردوں کے نشاۃ عالم کے بعد جی اُٹھنے پر کوئی دلیل نہیں، کہ یہ کہا جائے کہ یہ لوگ ہلاک شدہ بستی کو دیکھنے کے باوجود قیامت مزعومہ میں مُردوں کے جی اُٹھنے کو نہیں مانتے، ظاہری طور پر مُردوں کے جی اُٹھنے پر ایک ہلاک شدہ بستی کا زندہ ہوتے دیکھنا تو دلیل ہو سکتا ہے، لیکن محض ایک بستی کی ہلاکت کا نظارہ مردوں کے جی اُٹھنے پر کوئی دلیل بہم نہیں پہنچاتا، اس نظارہ سے اگر کوئی دلیل پیدا ہوتی ہے تو یہ پیدا ہوتی ہے کہ اگر ان لوگوں نے اپنا رویہ نہ بدلا۔ تو یہ بھی اسی بستی کی طرح ہلاک ہو جائیں گے اور یہی مراد ہے، جیسے کہ فرمایا کہ یہ لوگ زندگی کے نہیں ہلاکت کے منتظر ہیں، ورنہ اگر زندگی کے خواہاں ہوتے تو ہلاکت سے بچ سکتے تھے، اور زندگی پا سکتے تھے۔ چنانچہ آخری الفاظ میں ان کی ہلاکت کی پیش گوئی بھی کر دی ہے۔

(۴) أمن يهديكم في ظلمات البرّ والبحر ومن يرسل الرياح بشرًا بين يدي رحمته أإله مع الله تعالى الله عما يشركون - أمن يبدءُ الخلق ثم يعيده ومن يرزقكم من السماء والأرض أإله مع الله قل هاتوا برهانكم إن كنتم صادقين - قل لا يعلم من في السموات والأرض

کون ہے جو خشکی و تری کی تاریکیوں میں تمہاری راہنمائی کرتا ہے۔ اور کون اپنی رحمت سے پہلے ہواؤں کو بطور خوشخبری بھیجتا ہے۔ کیا کوئی معبود اللہ کے سوا ہے؟ اللہ کی شان اس سے بالا ہے کہ اس کا کوئی شریک ہو۔ بھلا بتاؤ، تو خلق کو پیدا کون کرتا ہے، اور واپس کون بلاتا ہے اور تم کو زمین و آسمان سے رزق کون دیتا ہے؟

الغیب الا اللہ وما یشعرون
ایان یبعثون بل ادّرک
علمهم فی الاخرة بل هم فی
شك منها بل هم منها عمون
وقال الذین کفروا ءاذا کنا
ترابا وآباءنا ائنا
لمخرجون - لقد وعدنا
هذا نحن وآباءنا
من قبل ان هذا الا
اساطیر الاولین - قل
سیروا فی الارض فانظروا
کیف کان عاقبة المجرمین
(نمل ع ۵-۶)

کیا خدا کے ساتھ کوئی شریک ہے؟
کہو اگر تم سچے ہو تو ثبوت پیش کرو
کہو کہ زمین و آسمان میں سوائے
اللہ کے غیب کو کوئی نہیں جانتا۔
یہ لوگ اتنا بھی نہیں جانتے کہ کب
اُٹھائے جائیں گے۔ دوسری زندگی
ان کی علمی دسترس سے باہر ہے۔
بلکہ وہ اس کے بارے میں شک میں
ہیں بلکہ وہ اس سے اندھے
ہیں۔ کافر کہتے ہیں، کیا جب ہم اور
ہمارے باپ دادا مٹی ہوں گے تو کیا ہم
نکال کھڑے کئے جائیں گے، ہمیں اور
ہمارے باپ دادوں کو اس کا وعدہ
دیا جاتا رہا ہے، یہ صرف پرانی داستانیں ہیں کہو کہ زمین میں چلو پھرو اور
دیکھو کہ مجرموں کا انجام کیسا ہوا؟

مطلب یہ ہے کہ خدا نے "تاریکیوں میں حیران اور حق کے پانی کے بغیر سسکتی
ہوئی مخلوق" کو نئے سرے سے زندہ کرنے اور جسمانی اور روحانی رزق دینے
کا انتظام فرمایا ہے، جب مرتی ہوئی مخلوق کو از سر نو زندہ کرنے میں خدا
کا ہاتھ بٹانے والا کوئی نہیں تو استحقاقِ عبادت میں کون اس کا شریک ہو سکتا
ہے؟ اگر مشرک اپنے دعوی میں سچے ہیں تو "خلق جدید" کے کام میں شرکا کا
حصہ دکھائیں، یہ بات کہ مخلوق از سر نو زندہ ہونے والی ہے بالکل درست ایک

غیب کی خبر ہے، جس کا سوائے خدا کے کسی کو علم تک نہیں، مشرکانے دوسروں کو زندہ کیا کرنا ہے، ان کو یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ خود کب اٹھائے جائیں گے روحانی زندگی یا دوسری زندگی ان کی علمی دسترس سے باہر ہے، بلکہ وہ اس کے وجود سے ہی شک میں ہیں، اور اس کی طرف سے اندھے ہیں، اس کا تصور تک نہیں کر سکتے، زندگی سے فقط یہ جسمانی و حیوانی زندگی ہی سمجھتے ہیں، چنانچہ دوسری (روحانی) زندگی کے ذکر پر حیرت زدہ ہو کر پوچھتے ہیں کہ کیا جب ہم اور ہمارے آباء مٹی ہو جائیں گے، تو ہم پھر زندہ کئے جائیں گے یا پھر کہہ دیتے ہیں، یہ وعدہ ہم سے پہلے ہمارے آباء سے بھی ہوتا رہا، لیکن پورا کبھی نہیں ہوا، یہ پرانی کہانیاں ہیں، ان سے کہو کہ زمین پر پھر کر دیکھو کہ مجرموں کا کیسا انجام ہوا، یعنی وعدہ جو کیا جاتا رہا یا اب کیا جاتا ہے، وہ یہ تھا اور یہی ہے کہ اگرچہ تم ایک حیوان کی حیثیت سے زندہ ہو، انسانیت تمہارے اندر سے مر چکی ہے یا تم وحی الٰہی کی بارش وقت سے اپنے اندر نئے سرے سے انسانی و اخلاقی زندگی پیدا کر لو یا تم کو مٹا دیا جائے گا، تاکہ تم زندگی کے خواہشمندوں کی راہ میں روک نہ بنو۔ سو تم زمین پر سفر کر کے دیکھ سکتے ہو کہ سابقہ قوموں میں جنہوں نے روحانی زندگی پانے سے انکار کر دیا، حسبِ وعدہ ان کو مٹا دیا گیا اور یہی حال تمہارا ہوگا،

اگر یہ تشریح قبول نہ کی جائے، اور کہا جائے کہ فی الواقع جو لوگ جسمانی طور پر مر گئے ہیں وہ زندہ کئے جائیں گے۔ تو کفار کا یہ کہنا صحیح ٹھہرے گا کہ "یہ وعدہ ہمیشہ ہوتا رہا، لیکن پورا کبھی نہیں ہوا"، اس قول کا یہ کوئی جواب نہیں کہ "چل پھر کر دیکھو، مجرموں کا کیا انجام ہوا؟" جواب تو یہ ہونا چاہیے کہ فلاں فلاں جگہ دیکھ لو، مردوں کے ظاہری قبروں سے زندہ نکل کھڑے

ہونے کی مثالیں ملتی ہیں"۔

٧ - ءاذا متنا وكنا ترابا ذلك رجع بعيد - قد علمنا ما تنقص الارض منهم و عندنا كتب حفيظ - بل كذبوا بالحق لما جاءهم فهم في امر مريج ..... ونزلنا من السماء ماءً مباركا فانبتنا به جنات وحب الحصيد والنخل باسقات لها طلع نضيد - رزقاً للعباد واحيينا به بلدة ميتا - كذلك الخروج كذبت قبلهم قوم نوح واصحاب الرس وثمود وعاد وفرعون واخوان لوط واصحاب الايكة وقوم تبع، كل كذب الرسل فحق وعيد - افعيينا بالخلق الاول - بل هم في لبس من خلق جديد ٥ (ق)

کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی ہو جائیں گے، پھر لوٹنا بعید از عقل ہے بے شک ہم جانتے ہیں جو زمین ان سے کم کرتی ہے اور ہمارے پاس حفاظت کرنے والی کتاب ہے۔ بلکہ انہوں نے سچائی کو جھٹلایا جب وہ ان کے پاس آئی اور اس کے مفہوم کو لگاڑا ...... اور ہم بادل سے برکت والا پانی اتارتے ہیں۔ پھر اس سے باغ اور غلہ پیدا کرتے ہیں اور بلند کھجور کے درخت جن کو تہ بہ تہ خوشے لگتے ہیں جو بندوں کے لئے رزق ہے، اور اس سے ہم مردہ بستی کو زندہ کرتے ہیں، مردوں کے زندہ ہونے کی یہی کیفیت ہے، ان سے پہلے قوم نوح اور اصحاب رس اور ثمود نے جھٹلایا اور عاد، فرعون - لوط کے بھائیوں، اصحاب ایکہ اور قوم تبع سب نے رسولوں کو جھٹلایا

تو عذاب کا وعدہ پورا ہو کر رہا ۔ کیا ہم پہلی خلق سے تھک گئے ہیں ، نہیں، بلکہ یہ لوگ خلق جدید کے بارہ میں غلط فہمی میں مبتلا ہیں ۔
کافر کہتے ہیں کہ کیا جب ہم مٹی ہو جائیں گے؟ پھر زندہ کئے جائیں گے؟ جواب ملتا ہے کہ یہ لوگ سچائی کو جھٹلا رہے ہیں اور غلط بحث کر رہے ہیں وہ زندگی جو مرنے پر جزو زمین بن جاتی ہے ہم اسکا ذکر نہیں کرتے ہم اس زندگی کا ذکر کرتے ہیں جس کا مادہ ہماری کتاب میں محفوظ ہے ، آگے اس کی مثال بیان فرمائی ہے کہ جیسے ظاہری بارش سے ظاہری حیات کا سامان بہم پہنچتا ہے ، اسی طرح روحانی بارش سے جو وحی الہی ہے ، اخلاقی اور روحانی حیات کا سامان مہیا ہوتا ہے ، پھر اس مفہوم کو واضح کرنے کے لئے مختلف اقوام کی مثالیں دی ہیں کہ انہیں بھی ہم نے کہا تھا کہ اے مردو! زندہ ہو جاؤ ۔ جب انہوں نے پیغمبروں کو جھٹلایا اور وحی الہی کے پانی سے زندہ ہونے سے انکار کر دیا ۔ تو عذاب کا وعدہ پورا ہو گیا ۔ یہ تو ظاہر ہے کہ سابقہ زمانوں میں جو عذاب کی دھمکی پوری ہوئی ، وہ مخالفین پیغمبر کی تباہی تھی ، نہ کہ ان کا زمینی قبروں سے نکل کھڑا ہونا ، دیکھنا یہ ہے کہ آنحضرت کے مخالفوں کے سامنے کیا چیز پیش کی گئی تھی ، جسے انہوں نے جھٹلایا ۔ آیا انہیں یہ کہا گیا تھا کہ تم مرنے کے بعد زمینی قبروں سے نکال کھڑے کئے جاؤ گے ۔ یا یہ کہ تم اخلاقی طور سے مردہ ہو ، پیغمبر کی تعلیم سے زندہ ہو جاؤ؟ اگر پہلی بات کہی گئی تھی ، تو سابقہ قوموں کے عذاب سے تباہ ہو جانے اور ان کی جگہ نئی قوموں کے پیدا ہوتے رہنے کا ذکر برمحل نہیں ، اگر دوسری بات تھی تو بے شک اس ذکر میں ان کے لئے درس عبرت ہے ۔ آگے جو فرمایا ہے کہ کیا ہم پہلی خلق سے تھک گئے ہیں کہ اب ان کو مٹا کر ان کی جگہ نئی مخلوق پیدا نہیں کر سکتے ۔ اس سے بھی یہی

معلوم ہوتا ہے کہ بات جو انہیں کہی گئی تھی اور جس کو وہ جھٹلاتے تھے۔ یہ تھی کہ اگر وہ مخالفت سے باز نہ آئے تو انہیں مٹا دیا جائے گا، اور نئی قوم کو جو مسلمان ہیں۔ اُن کا جانشین بنایا جائے گا، وہ اپنی طاقت اور جمعیت کے گھمنڈ میں اسے انہونی چیز سمجھتے تھے، پہلے ان کو سابقہ قوموں کی مثالوں سے سمجھاتے رہے، کہ زمانہ ماضی میں بھی ایسا ہی ہوتا رہا ہے۔ آخر جب وہ باز نہ آئے تو خدا نے انہیں مٹا دیا، اور مسلمانوں کو جو خالق جانتے تھے، ان کا وارث بنا دیا۔

جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں، قرآن نے کہیں نہیں کہا کہ مردوں کو زمینی قبروں سے نکال کھڑا کیا جائے گا، یہ بات کافر خود اس کی طرف منسوب کرتے تھے۔ اسی لئے فرمایا "ہم فی امر مریج"، کہ یہ غلط بحث کر رہے ہیں، اسے یہاں خلط مبحث کہا ہے، اُسے سورہ ہود میں پیغمبر کی تعلیم ہی کی پیدا کرنا کہا ہے۔
فرماتا ہے:-

۲/۱ انی لکم منہ نذیر و بشیر و ان استغفروا ربکم ثم توبوا الیہ یمتعکم متاعاً حسناً الی اجلٍ مسمًّی و یؤت کل ذی فضلٍ فضلہ و ان تولوا فانی اخاف علیکم عذاب یوم کبیر ........ و ھو الذی خلق السماوات والارض فی ستۃ ایام

میں تمہارے لئے خدا کی طرف سے انتباہ کرنے اور بشارت دینے کے لئے آیا ہوں۔ کہ تم خدا سے بخشش مانگو، پھر اس کی طرف جھک جاؤ، وہ تم کو ایک مقررہ میعاد تک اچھی چیزوں سے فائدہ پہنچائے گا۔ اور زیادہ نیکی کرنے والے کو اس کی نیکی کے مطابق بدلہ عطا کرے گا۔ اگر تم یہ نہ مانو، تو میں ڈرتا ہوں

وكان عرشه على الماء
ليبلوكم ايكم احسن عملا
ولئن قلت انكم مبعوثون
من بعد الموت ليقولن
الذين كفروا ان هذا
الا سحر مبين، ولئن
اخرنا عنهم العذاب الى
امة معدودة ليقولن
ما يحبسه الا يوم
ياتيهم ليس مصروفا
عنهم وحاق بهم ما كانوا
به يستهزءون ....

. . . . . . . . . . .

. . . . . . . . . . .

افمن كان على بينة من
ربه ويتلوه شاهد منه
ومن قبله كتاب موسى
اماما ورحمة، اولئك
يؤمنون به، ومن يكفر
به من الاحزاب
فالنار موعده....

کہ تم پر بڑے دن کا عذاب آ جائیگا
...... خدا نے آسمانوں اور
زمین کو چھ دن میں پیدا کیا - اور
اس کا عرش پانی پر تھا - تا کہ
تم کو آزمائے - کہ کون تم میں سے
سب سے اچھے کام کرتا ہے - اور
اگر تو ان کو کہے کہ تم اپنی موجودہ
حالت سے جو موت کی حالت ہے
نکل کر زندہ کئے جانے والے نہ ہو
تو منکر کہتے ہیں کہ یہ تو صریح جادو
ہے ، اگر ہم کچھ عرصہ کے لئے عذاب
کو ملتوی کر دیتے ہیں ، تو کہتے ہیں
کونسی چیز اس (عذاب) کو آنے
سے روکتی ہے - یاد رکھو کہ جب
عذاب آ جائے گا تو وہ رکے گا
نہیں اور وہ جس سے ہنسی کرتے
تھے وہ ان کو گھیر لے گا ...

. . . . . . . . . . .

جو خدا کی طرف سے حقیقت واضح
پر قائم ہے ، اور اس کی طرف
سے ایک گواہ اسے پڑھتا ہے

...... اولئك يعرضون على ربهم ويقول الاشهاد هؤلاء الذين كذبوا على ربهم الا لعنة الله على الظالمين الذين يصدون عن سبيل الله ويبغونها عوجا وهم بالآخرة هم كافرون۔

(هود - ع ۱-۲)

اور اس کی پیروی کرتا ہے اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب پیشوا اور رحمت ہے وہ سب اس پر ایمان لاتے ہیں اور جو جماعتوں میں سے اس کا انکار کرتا ہے، اس کے لیے آگ کی سزا ہے ...... وہ سب خدا کے سامنے ...... پیش کیے جائیں گے، اور گواہ کہیں گے، یہی وہ لوگ ہیں، جنہوں نے اپنے رب کو جھٹلایا، یاد رکھو، کہ ظالموں پر خدا کی لعنت ہے۔ جو لوگ خدا کے راستہ سے روکتے ہیں اور اس کے مفہوم کو بگاڑنا چاہتے ہیں۔ اور آخرۃ کے منکر ہیں۔

فرمایا ہے کہ میں بشارت دینے اور ڈرانے والا ہوں، بشارت یہ ہے کہ خدا نے جو زندگی کے پانی پر پورا اختیار رکھتا ہے، اور اس سے مردہ قوموں کو زندہ کرتا رہتا ہے، تاکہ آزمائے کہ کون اچھے عمل کرتا ہے۔ زندگی کے پانی کا رخ تمہاری طرف پھیرا ہے، اور اب تم اس مردگی سے جو تم پر طاری ہے، زندہ کیے جانے والے ہو، مخالف، اس سیدھی بات کو جو روحانی اور قومی زندگی کی خوشخبری ہے۔ بگاڑ کر یوں پیش کرتے ہیں، کہ لو اب یہ مردوں کو زندہ کرنے لگا ہے، اور کہتے ہیں کہ یہ تو پھر جادو ہوا، اور جبکہ ہم

بڑے دن کے عذاب سے ڈرایا گیا ہے، اس کا جواب دیتے ہیں کہ پھر اس عذاب کو کس چیز نے روک رکھا ہے، حالانکہ جب وہ عذاب آئے گا، اسے ٹالنے کی کوشش کریں گے، لیکن وہ ٹلے گا نہیں اور چاروں طرف سے انہیں گھیرے گا، یہ بات خدا کی طرف سے قطعی علم پر مبنی ہے اور کتاب موسیٰ سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ یعنی فرعون نے جب روحانی و اخلاقی زندگی پانے سے انکار کر دیا اور پیغمبر کو جھٹلا کر اپنی تباہی کے عذاب کا طالب ہوا، تو آخر فرعون کو اس کی ہلاکت نے آلیا، سو انسانی جماعتوں میں سے جو کوئی اس سچائی کا انکار کرے، اس کا ٹھکانا آگ ہے، عنقریب ان لوگوں کی اپنے رب کے حضور پیشی ہوگی۔ اور ان کے خلاف گواہ اٹھ کھڑے ہوں گے۔ ان ظالموں پر جو لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں۔ اور اس کے لئے کجی تلاش کرتے ہیں، یعنی دوسری زندگی سے اخلاقی اور روحانی زندگی مراد لینے کی بجائے زمینی قبروں سے مردوں کا نکال کھڑا کرنا مراد لے کر اس کی ہنسی اڑاتے ہیں، اللہ کی پھٹکار ہے۔

| | |
|---|---|
| ۹۔ تلک الجنۃ التی نورث من عبادنا من کان تقیا۔۔ ۔۔۔۔۔۔۔۔ رب السموٰت والارض۔۔۔۔۔۔۔۔ فاعبدہ واصطبر لعبادتہ ۔۔۔۔ ویقول الانسان ءاذا ما مت لسوف اخرج حیا۔ اولا | یہ وہ جنت ہے، جس کا وارث ہم اپنے بندوں میں سے متقی لوگوں کو بناتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔ وہ آسمانوں اور زمین کا رب ہے ۔۔۔۔۔ پس اس کی عبادت کر اور اس کی عبادت پر مضبوطی سے قائم رہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ انسان کہتا ہے کہ کیا جب میں مر |

يذكر الانسان انا
خلقناه من قبل ولم
يك شيئا فوربك لنحشرنهم
والشيطين ثم لنحضرنهم
حول جهنم جثيا ......
وان منكم الا واردها
كان على ربك حتما
مقضيا ثم ننجي الذين اتقوا
ونذر الظالمين فيها جثيا
.... وكم اهلكنا قبلهم
من قرن .... قل من كان
في الضلالة فليمدد له الرحمن
مدا حتى اذا راوا
ما يوعدون اما العذاب
واما الساعة فسيعلمون من
هو شر مكانا واضعف جندا
ويزيد الله الذين اهتدوا
هدى والباقيات الصلحت
خير عند ربك ثوابا وخير
مردا ....... واتخذوا
من دون الله آلهة

جاؤں گا تو میں زندہ کر کے نکالا
جاؤں گا ؟ کیا انسان یہ یاد
نہیں کرتا، کہ ہم نے اُسے پہلے
پیدا کیا، اور وہ کچھ بھی نہ تھا
پس تیرے رب کی قسم ہے، ہم
ان کو اور شیطانوں کو اکٹھا
کریں گے، پھر ان کو دوزخ کے گرد
حاضر کریں گے، در آنحالیکہ وہ
گھٹنوں پر گرے ہوئے ہوں گے،
...... تم میں سے کوئی نہیں مگر
اس میں وارد ہوگا، یہ تیرے رب
پر لازم ہے جس کا فیصلہ ہو چکا
پھر ہم متقیوں کو نجات دیں گے۔
اور ظالموں کو اس میں گھٹنوں پر
گرے ہوئے چھوڑ دیں گے۔...
.... ان سے پہلے کتنی ہی بستیاں ہم
نے ہلاک کر ڈالیں۔ کہہ کہ جو گمراہ
ہے، خدا اُسے گمراہی میں مہلت
دیتا ہے، یہاں تک کہ جس کا وعدہ
ان کو دیا گیا وہ ان کے سامنے آ
جاتا ہے، عذاب ہو یا ساعۃ،

لیکونوا لھم عزًا ۔ کلا سیکفرون
بعبادتھم ......
فلا تعجل علیھم انما نعد لھم
عدًا ۔ یوم نحشر المتقین
الی الرحمن وفدًا ونسوق
المجرمین الی جھنم وردًا ۔
لا یملکون الشفاعۃ الا
من اتخذ عند الرحمن
عھدًا ۔
(مریم ع ۴ - ۶)

اس وقت جان لیتے ہیں کہ کون
برے حال میں ہے، اور کمزور
جتھے والا کون ہے، ہدایت پانے
والوں کی خدا مزید راہنمائی کرتا ہے
اور باقی رہنے والے نیک کام تیرے
رب کے نزدیک بدلہ اور انجام کے
لحاظ سے بہتر ہیں ...... انہوں نے
خدا کے علاوہ معبود بنائے تاکہ
وہ ان کے لئے غلبہ کا موجب بنیں، وہ ضرور
ان کی عبادت کا انکار کریں گے،

...... پس تو جلدی نہ کر ہم ان کے لئے خوب تیاری کر رہے ہیں، اس دن ہم متقیوں کو بارگاہ رحمٰن میں عزت کے ساتھ جمع کریں گے ۔ اور مجرموں کو دوزخ کی طرف ہانکیں گے ۔ وہ شفاعت کے مجاز نہ ہوں گے ۔ سوائے اس کے جس نے رحمٰن سے عہد لیا ہوگا ۔

دہریہ دوسری زندگی کا انکار کرتا ہے ، اور اس کے انکار کی وجہ یہ ہے کہ وہ اسے دکھائی نہیں دیتی ۔ اس کا علاج ایک ہی ہے کہ اسی زندگی میں انسان کو دوسری زندگی نظر آ جائے ۔ اور درحقیقت مومن جو اس کا اقرار کرتا ہے، تو وہ اسے یہاں ہی دیکھ لیتا ہے ، اور کافر اس سے ناآشنا رہتا ہے ۔ سو اس دنیوی زندگی کے دو پہلو ہیں ۔ ایک تو بہیمی دوسرا ملکی ۔ جس نے اپنی بہیمیت پر بحکم موتوا قبل ان تموتوا موت وارد کر دی ، اس کی روحانیت بیدار رہ گئی ، اور اسے یہاں ہی روحانی

زندگی حاصل ہوگئی، اسی کو جب وہ اس جہاں سے کوچ کرتا ہے ساتھ لے جاتا ہے، جس کی بہیمیت غالب اور روحانیت خفتہ رہی، وہ اندھا رہا، اور اپنا اندھاپن ساتھ لے گیا، اگر اندھا کہے کہ سرخی و سیاہی کا وجود کوئی نہیں تو بیچارہ ٹھیک کہتا ہے، جیسے اندھے کو سرخی و سیاہی منوانے کے لئے ضروری ہے کہ اس کا اندھاپن دور ہو تاکہ وہ سرخی و سیاہی کا مشاہدہ کر سکے، اسی طرح ایک دہریہ کو دوسری زندگی کا یقین دلانے کے لئے ضروری ہے کہ اس کے اندر وہ حس بیدار ہو، جس سے وہ دوسری زندگی محسوس کر سکے، ایک اندھے کو سزا دینا کہ تو کیوں سرخی و سیاہی کا اقرار نہیں کرتا، لاحاصل ہے۔ ہاں! اس کی آنکھوں پر عمل جراحی کرنا یا دوسری طرح علاج کرنا صحیح ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ حشر و نشر علاج و اپریشن یہاں ہی ہو تاکہ وہ اس زندگی میں دوسری زندگی کا مشاہدہ کر کے اس کے انکار سے باز آئے۔

آیات زیر غور میں متقیوں کو جنت کا وعدہ دے کر اور استقلال سے کام میں لگے رہنے کی تلقین کر کے کافر کا اعتراض نقل کیا ہے، کہ کیا جب میں مر جاتا ہوں، تو اس کے بعد زندہ کیا جاؤں گا؟ قرآن اس کے انکار کی علت سے باخبر ہے۔ فرماتا ہے کہ عنقریب اندھوں کے آنکھیں پانے میں جو روک ہے۔ اسے دور کرنے کے لئے سب منکروں کو مع ان کے لیڈروں کے جمع کروں گا، سب جہنم پر وارد ہوں گے، مومنوں کو اس سے نجات دیدوں گا اور مخالفت کے لیڈروں کو اسی میں چھوڑ دوں گا، یعنی ظالم اپنی بھڑکائی ہوئی جنگ کی آگ میں بھسم ہو جائیں گے اور مسلمان قوم نجات پا کر ان کی وارث ہو جائے گی، اور یوں لوگوں کے ایمان

لانے میں جو روک ہے دور ہو جائے گی۔ قرون سابقہ میں بھی سنت اللہ
رہی ہے اور اب بھی ویسا ہی عمل ہوگا، جلد ہی ان کی تباہی کا وعدہ
آ پہنچے گا، تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ بدحال کون ہے اور لاؤ لشکر کے لحاظ
سے کمزور کون، ہدایت پانے والوں کو خدا کامیاب کرے گا اور ایسے کام
کرنے کی توفیق دے گا، جو باقی رہنے والے ہیں۔ مخالفین نے اللہ کے سوا
دوسروں کو معبود بنایا ہے کہ ان کا غلبہ اور قوت بحال رہے، ہرگز ایسا
نہ ہوگا، عنقریب یہ اپنے چھوٹے لیڈروں کی پیروی اور باطل معبودوں
کی عبادت سے انکار کریں گے۔

کچھ دن کی بات ہے کہ ہم متقیوں کو ایمان لانے والے وفدوں کی
صورت میں جمع کر دیں گے اور مجرموں کو جہنم کی طرف ہانکیں گے، شفاعت
کا کسی کو اختیار نہ ہوگا، ہاں اگر کسی نے رحمٰن سے عہد لیا ہوگا۔ یعنی مسلمانوں
کی معاہد قوم ہوگا، تو وہ بچے گی، ورنہ سب سرکش سزا پائیں گے۔

یہ سب کچھ واقع ہو چکا اور حضرت محمدؐ کے زمانہ میں اسلام کے غلبہ کے
ساتھ روحانی زندگی پانے میں جو رکاوٹیں تھیں، دور ہو جانے سے سارے
کا سارا جزیرہ عرب روحانی طور پر زندہ ہو کر دوسری زندگی کا اسی
زندگی میں مشاہدہ کر کے قائل ہو گیا، پس خدا نے اسی دنیا میں مردوں
کو زندہ کر کے مردوں کے زندہ ہونے سے جو انکا منشا تھا وہ واضح
کر دیا۔ "فماذا بعد الحق الا الضلال"

**نفخ صور**

سورہ یٰسین کی آیات مذکورہ صفحہ ۹۱، صفحہ ۹۲ میں ہم دیکھ چکے ہیں کہ وعید جس کا آنحضرت صلعم کے مخالف انتظار کرتے تھے، اور بار بار پوچھتے تھے کہ وہ کب آئے گی، اس کا وقوع اس طرح ہوا کہ رب کے حضور پیشی کے لئے بگل بجایا گیا، تو وہ قبروں سے اُٹھ کر اپنے رب کی طرف بھاگنے لگے، صرف ایک ہی چیخ یعنی بگل کی ایک ہی آواز سے سب کے سب خدا کے حضور حاضر ہو گئے۔ اسی طرح سورہ قٓ میں ہے:-

"ونفخ فی الصور ذلک یوم الوعید وجاءت کل نفس معہا سائق وشہید"

کہ یوم وعید میں بگل بجایا گیا تو ہر نفس اپنے ہانکنے والے اور گواہ کے ساتھ خدا کے حضور حاضر ہو گیا۔ بگل بجایا گیا یعنی طلبی ہوئی یوم وعید یعنی سزا کے لئے پیشی کی تاریخ، ہانکنے والا یعنی پولیس کا سپاہی جو ملزم کو گرفتار کر کے لے جاتا ہے، ملزم خود جانا نہیں چاہتا، اس واسطے اُسے ہانکنے کی ضرورت ہے، گواہ یعنی گواہان استغاثہ جو ملزم کے خلاف ارتکاب جرم کی شہادت دیں۔ آنحضرت کے مخالفوں کی پیشی کی تاریخیں یوم بدر۔ یوم اُحد۔ یوم فتح، وغیرہ کے دن تھے۔ جب بگل بجایا گیا اور ان کی طلبی ہوئی اور وہ اپنی سزا کے لئے خدا کے رسول کے حضور میں جو خدا کے قائم مقام کی حیثیت سے کرسی عدالت پر بیٹھا، حاضر ہو گئے۔ سورہ نبا میں ہے:-

"ان یوم الفصل کان میقاتا یوم ینفخ فی الصور فتاتون افواجا"

کہ فیصلہ کی تاریخ مقرر ہے، اُس دن بگل بجا کر طلبی کی جائے گی، تو تم گروہ در گروہ خدا کے حضور حاضر ہو جاؤ گے، یوم بدر میں بگل بجایا گیا، تو مسلمانوں اور کافروں کے گروہوں کے گروہ حاضر ہو گئے، مسلمان دینی اور دنیوی فلاح کی جنت کا انعام پانے کے لئے اور کافر ذلت و ناامیدی کی جہنم کا لقمہ بننے کے لئے، سورۂ انعام رکوع ۹ میں ہے، وھوالذی الیہ تحشرون وھوالذی خلق السمٰوٰت والارض بالحق ویوم یقول کن فیکون۔ قولہ الحق، ولہ الملک یوم ینفخ فی الصور عالم الغیب والشھادہ (ع ۹)

یعنی خدا نے زمین و آسمان کو کلمہ کُن سے جو قول حق ہے پیدا کیا ہے، جب خلق سے سچائی کی روح جاتی رہتی ہے، اُسے نئے سرے سے قول حق سے زندہ کرنے کے لئے حضور میں طلب کرنا ضروری ہوتا ہے چنانچہ بگل بجایا جاتا ہے، اور خلق کی طلبی ہوتی ہے، پھر وہ بادشاہ ذی اختیار ارادہ کرتا ہے کہ خلق سچائی کی روح سے نئے سرے سے زندہ ہو جائے، تو وہ ہو جاتی ہے۔ کلمہ کُن سے مراد ارادہ ہی ہے، چنانچہ دوسری جگہ فرمایا۔ انما امرہ اذا اراد شیئا ان یقول لہ کن فیکون ۵ کہ جب وہ ایک چیز کا ارادہ کرتا ہے کہ ہو جائے، تو کہتا ہے کہ ہو جا، سو وہ ہو جاتی ہے، آیت زیر غور میں بتایا ہے کہ یہ ارادہ یا کُن کا لفظ جس میں اتنی تاثیر ہے۔ قول حق یعنی سچائی ہے، سو خلق جا بجا جو خدا کے کلمہ سے پیغمبر کے ہاتھ پر پیدا ہوتی ہے، سچائی کا پیدا وار ہوتی ہے اور سچائی ہی اس کی جان ہوتی ہے، جس سے وہ قائم رہتی ہے، جب خدا پیغمبر میں اپنا کلام جو حق ہے پھونکتا ہے، تو اس پھونکنے سے جو خدا

کے حضور حاضری کے لئے آواز بلند ہوتی ہے ۔ اس کے نتیجہ میں نیک بخت اور بدبخت دونوں اٹھ کھڑے ہوتے ہیں ۔ سب اللہ تعالیٰ کے لئے اور سچائی کی زندگی اور جنت پانے کے لئے اور شقی مخالفت کے لئے اور جہنم کا ایندھن بننے کے لئے ۔ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے ۔ "انا الحاشر الذی یحشر الناس علیٰ قدمی" کہ میں ہی لوگوں کو اکٹھا کرنے والا یا مردوں کو زندہ کرنے والا ہوں، جس کے قدموں پر لوگ محشور ہوتے ہیں، چنانچہ جنگل بھی آنحضرتؐ کے ذریعے سے بپا پایا گیا، اور حشر بھی آنحضرتؐ کے قدموں پر آپ کے زمانہ میں ہی ہو گیا ۔ سورہ الحاقہ میں ہے ۔

الحاقة ما الحاقة وما
ادراك ما الحاقة كذبت
ثمود وعاد بالقارعة -
فاما ثمود فاهلكوا
بالطاغية واما عاد
فاهلكوا بريح صرصر عاتية
سخرها عليهم سبع ليال
وثمانية ايام حسوما
فترى القوم فيها صرعى
كانهم اعجاز نخل خاوية
فهل ترى لهم من باقية
وجاء فرعون ومن
قبله والمؤتفكات

یقیناً آ گھیرنے والی مصیبت،
وہ مصیبت کیا ہے ؟ میں تجھے
کیا بتاؤں کہ وہ مصیبت کیا ہے
ثمود اور عاد نے اس بڑی مصیبت
کو جھٹلایا، تو ثمود شدید عذاب
زلزلہ سے ہلاک ہو گئے ، اور
عاد آندھی سے جو آٹھ روز
تک لگاتار ان پر مسلط رہی -
جس سے ان کے آثار بھی مٹ
گئے وہ لوگ اس میں کھجور کے
کھوکھلے تنوں کی طرح گر گر رہے
گئے اور ان میں سے ایک بھی نہ
بچ سکا ، فرعون اور اس سے

بالخاطئة فعصوا رسول
ربهم فاخذهم اخذة
رابية - انا لما طغا الماء
حملناكم في الجارية لنجعلها لكم تذكرة
وتعيها اذن واعية
فاذا نفخ في الصور نفخة
واحدة وحملت الارض
والجبال فدكتا دكة
واحدة فيومئذ وقعت
الواقعة ........
........ وانا لنعلم
ان منكم مكذبين وانه
لحسرة على الكافرين وانه
لحق اليقين - (الحاقة)

پہلے لوگوں اور زیروزبر کی ہوئی
بستی والوں نے جرم کیا، اور خدا
کے رسول کو نہ مانا، تو خدا نے
شدید گرفت کی، جب سیلاب
آیا، تو ہم نے تم کو کشتی میں سوار
کیا تا کہ ہم اسے تمہارے لیے
درس عبرت بنائیں اور گوش ہوش
اسے یاد رکھے، جب بگل
بجایا جائے گا، تو اس کی ایک
ہی آواز سے زمین اور پہاڑوں
میں زلزلہ بپا ہو گا، پہاڑ
گر جائیں گے اور زمین ہموار
ہو جائے گی۔ اس روز وہ
بڑی مصیبت جو یقیناً واقع ہو کر
رہنے والی ہے، واقع ہو جائے گی۔ اور ہم جانتے ہیں کہ تم میں جھٹلانے والے ہیں،
یقیناً وہ کافروں کے لئے حسرت ہے، اور یقیناً وہ حق ہے۔

یقیناً آگھیرنے والی مصیبت کیا ہے؟ سورۃ کے آخری الفاظ
میں خود بتایا ہے، کہ تم جو رسولوں کی تکذیب کر رہے ہو،
یاد رکھو! یہ تمہارے لئے باعث حسرت بن جائے گی۔ اور
اس کا تمہارے لئے مقام حسرت بن جانا قطعی [illegible] یقینی ہے
اسی کو شروع میں الحاقۃ کہا ہے، اور اس کو آگے چل کر واقع ہو کر

رہنے والی بات الواقعہ کہا ہے، اور اسی کے اٹل ہونے پر سابقہ مکذب قوموں کے دردناک اور عبرت انگیز انجام کو بطور گواہ پیش کیا ہے، جس سے مقصود یہ ہے کہ جیسے سابقہ قومیں تکذیب کرکے بُرے انجام سے نہ بچ سکیں، اسی طرح وہ بھی نہ بچ سکیں گے، آنحضرتؐ کے مخالفوں کا بُرا انجام جس سے انہیں ڈرایا گیا جسے قطعی اور یقینی بتایا گیا، اور جس کے اٹل ہونے کو کئی مثالوں سے واضح کیا گیا، کب ظہور میں آئے گا؟ فاذا نفخ فی الصور نفخۃ واحدۃ وحملت الارض والجبال فدکتا دکۃً واحدۃ، فیومئذ وقعت الواقعہ، چونکہ ہمارے علما زیرِ خط کشیدہ الفاظ سے فنائے عالم مراد لیتے ہیں، اس لئے ان کے نزدیک آنحضرتؐ کے مخالفوں کا بُرا انجام فنائے عالم کے بعد واقع ہوگا، اگر یہ صحیح ہے تو جہاں سابقہ مکذب قوموں پر خدا کی گرفت اسی دنیا میں ان کے اپنے زمانوں میں آتی رہی، آنحضرتؐ کے مخالف خدا کے اتنے لاڈلے ہیں، کہ ان کو فنائے عالم تک کی لمبی تاریخ ملتی ہے، اس صورت میں سابقہ مکذب قوموں کی ہلاکت میں ان کے لئے درسِ عبرت ہے نہ ان کے سامنے یہ مثالیں پیش کرنے کا موقعہ ومحل، جب اُن کا معاملہ سابقہ مکذب قوموں کے معاملہ سے بالکل الگ ہے سابقہ قوموں کو تو اسی دنیا میں مواخذہ ہوتا ہے، لیکن ان کو مواخذہ فنائے عالم کے بعد ہونا ہے جو بالکل اور نوعیت کا ہے تو آخر اس سارے بیان کا مقصد کیا ہے؟

محاورۂ عرب میں لفظ جبل کا استعمال قوم کے سردار کے لئے بھی ہوتا ہے اور طاقتور انسان کے لئے بھی، چنانچہ لسان العرب میں ہے، الجبل سید القوم و عالمھم انہ فلانٌ جبلٌ من الجبال، کہ جبل قوم کے سردار اور

عالم کو کہا جاتا ہے ، اور طاقتور آدمی کے لئے کہا جاتا ہے کہ وہ پہاڑ وں
میں سے ایک پہاڑ ہے ۔ خود قرآن شریف میں لفظ جبل کا استعمال ان
معنوں میں آیا ہے ، ولو انزلنا ھذا القرآن علی جبل لرأیتہ
خاشعا متصدعا من خشیۃ اللہ وتلک الامثال نضربھا
للناس لعلھم یتفکرون ۔ کہ اگر ہم قرآن کو پہاڑ جیسے سخت دل آدمی پر
بھی نازل کریں ، تو خدا کے خوف سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہے گا ،
اس آیت میں جبل سے مراد پہاڑ نہیں ، کیونکہ خود بتا دیا ہے کہ یہ مثالیں
ہیں جو ہم لوگوں کے غور و فکر کے لئے بیان کرتے ہیں ، دوسرے پڑھتے
واقعات بھی یہ صحیح نہیں کہ قرآن کو پہاڑ پر رکھ دیا جائے ، تو وہ گر جاتا
ہے ۔ جب لغت کی رو سے بھی جبل کا لفظ قوم کے لیڈر کے لئے استعمال
ہوتا ہے اور قرآن نے بھی تصریح کر دی کہ جبل سے مراد پہاڑ نہیں ، بلکہ
سنگدل اور طاقتور انسان ہیں تو تصریح قرآن کے خلاف جبال سے
ظاہری پہاڑ مراد لینا درست نہیں ۔ اسی طرح "منجد" میں ہے کہ جب
دکّ کا لفظ ارض کے لیے آئے ، تو معنے ہوتے ہیں ، سوّی
صعودھا وھبوطھا کہ زمین کے نشیب و فراز کو ہموار کر دیا
"نیز قرآن میں ارض کا لفظ اہل ارض پر بھی استعمال ہوا ہے ، چنانچہ فرمایا
ہے :- "افلا یرون انا نأتی الارض ننقصھا من اطرافھا
افھم الغالبون" ۔ کیا دیکھتے نہیں ؟ کہ ہم زمین کو اس کے کناروں
سے گھٹاتے چلے آتے ہیں ، تو کیا یہ مخالفوں کے غلبہ کے آثار ہیں ؟
اس آیت میں زمین سے مراد وہ باشندگان زمین ہیں جو آنحضرت
کے مخالف تھے ، اور زمین کو گھٹانے سے مراد ان مخالفوں کا روز بروز

کم ہوتے جاتے ہیں۔ پس سورۃ حاقہ کی آیت میں جبال سے مراد مخالفت کے لیڈر ہیں، جو حق کی راہ میں پہاڑوں کی طرح روک بن کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور ارض سے مراد عوام ہیں، جو ان لیڈروں کے تابع ہوتے ہیں، اور پورے جملہ کا مطلب یہ ہے کہ جب بگل بجا یا جائے گا اور مخالف لیڈروں اور ان کے پیروؤں کو ان کے گھروں سے ان کے مقام ہلاکت پر لایا جائے گا، اس روز حاقہ اور واقعہ جو یقینی طور پر واقع ہو کر رہنے والی بات ہے واقع ہو جائے گی یعنی کافروں کو مع ان کے لیڈروں کے زمین کے ساتھ ہموار کر دیا جائے گا اور اسلام کا راستہ پہاڑوں جیسی روکوں اور تمام شبہوں اور فرازوں سے صاف کر دیا جائے گا، چنانچہ ایسا ہی ہوا، اسلام سے جو جزیرہ نما عرب میں انقلاب آیا، اس پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے، کہ واقعی نہ پہلی سی زمین رہی نہ پہلا سا آسمان، سارا نقشہ ہی بدل گیا، قرآن نے اس انقلاب کا انہی الفاظ میں ذکر بھی کیا ہے، چنانچہ فرماتا ہے یوم تبدل الارض غیر الارض والسمٰوات وبرزوا للہ الواحد القہار (ابراہیم) کہ جب زمین و آسمان بدل دیئے جائیں گے، خدا کی نافرمانی کا جہان تباہ ہو جائے گا، اور سب خدائے واحد و غالب کے سامنے نکل پڑیں گے، ایسے محاورات قرآن میں بکثرت آتے ہیں۔ عیسائیوں کے اتخاذ ولد کے عقیدہ پر فرماتا ہے۔ تکاد السمٰوات یتفطرن منہ و تنشق الارض وتخر الجبال ھدا کہ قریب ہے کہ اس عقیدہ کی وجہ سے آسمان پھٹ جائیں، زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر گر جائیں۔ ظاہر ہے کہ ان الفاظ سے اس خیال کی انتہائی

ذہنیت مراد ہے، نہ کہ فنائے عالم۔

پس آنحضرت کی زندگی میں ہی بگل بجایا گیا اور دعدہ عذاب جیسے سچ اور واقعہ ہو کر رہنے والی بات کہا گیا تھا پورا ہو گیا۔ جیسے کہ سابقہ مکذبہ قوموں کی صورت میں یہ وعدہ ان کے زمانوں میں اسی دنیا میں پورا ہوتا رہا۔

میں پہلے بتا آیا ہوں کہ آدم خلیفۃ اللہ سے مراد انسان کامل ہے، جو پیغمبر ہوتا ہے، خدا فرماتا ہے "فاذا سویتہ ونفخت فیہ من روحی فقعوا لہ ساجدین" کہ جب میں اس کا تسویہ کر چکوں، یعنی اُسے انسان کامل بنا چکوں اور اس میں اپنا کلام پھونکوں تو اس کے سامنے سب نے سجدۂ اطاعت پیش کرنا، خدا جب پیغمبر میں اپنا کلام پھونکتا ہے تو پیغمبر سے خدا کے حضور حاضری کے لئے آواز بلند ہوتی ہے، چونکہ بگل میں بھی پھونک ماری جاتی ہے، تو اس سے حاضری کے لئے آواز پیدا ہوتی ہے، اس مشابہت کی بنا پر نفخ فی الصور سے مراد پیغمبر کا ظہور ہے، جو لوگوں کو فیصلہ کے لئے نئی زندگی پانے کے لئے یا بصورت انکار جہنم میں بھیجے جانے کے لئے خدا کے حضور طلب کرتا ہے۔

## ابداء و اعادہ

سورۂ یونس میں ہے:-

| | |
|---|---|
| انہ یبدؤا الخلق ثم یعیدہ لیجزی الذین آمنوا وعملوا الصلحت بالقسط والذین کفروا لھم شراب من حمیم وعذاب الیم بما کانوا یکفرون (یونس - ع ۱) | اللہ بے شک خلق کا ابداء اور اعادہ کرتا ہے تاکہ مومنوں اور نیک عمل کرنے والوں کو انصاف کے ساتھ بدلہ دے، منکروں کے لئے گرم پانی پینے کو اور دردناک |

عذاب ان کے کفر کے سبب سے ہے۔

(ب) قل هل من شرکائکم من یبدؤا الخلق ثم یعیدہ فانیٰ تؤفکون، قل هل من شرکائکم من یهدی الی الحق افمن یهدی الی الحق احق ان یتبع امن لا یهدی الا ان یهدیٰ فما لکم کیف تحکمون -(یونس ع ۴)

کہہ کہ کیا ان میں جنہیں تم خدا کے شریک ٹھہراتے ہو کوئی ہے جو خلق کو پیدا کرتا اور واپس بلاتا ہو؟ تم کس گمراہی میں پھنسے ہو، کہہ کہ کیا تمہارے شرکاء سے کوئی ہے جو حق کی طرف راہنمائی کرتا ہو؟ تو جو حق کی طرف راہنمائی کرتا ہے وہ پیروی کرانے کا حقدار ہے یا وہ جو ایسی راہنمائی نہیں کرتا بلکہ خود راہنمائی کا محتاج ہے۔ تم کو کیا ہو گیا اور تم کیسے فیصلے کرتے ہو؟

آیہ ا سے عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ سب لوگوں کو مر کر اور پھر قیامت کے روز قبروں سے اٹھ کر خدا کے حضور اچھا یا برا بدلہ پانے کے لئے لوٹنا ہے، آیہ ب سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا اسی دنیا میں ابداء بھی کرتا ہے اور اعادہ بھی، اگر خدا بھی اعادہ اس دنیا میں نہیں کرتا بلکہ فنائے عالم کے بعد قیامت کے روز کرے گا جب قبروں سے مردوں کو اٹھائے گا تو شرکاء سے یہ مطالبہ کرنا کہ کیا تم ابداء اور اعادہ کر سکتے ہو برمحل نہیں، چنانچہ اگلے فقرے میں خدا کے پیغمبر بھیج کر اسی دنیا میں راہنمائی کرتے اور شرکاء سے یہ کام نہ ہو سکتے سے اس بات پر دلیل قائم کی ہے کہ فرمانبرداری کا حق دار خدا ہی ہے۔ پس جیسے خدا تو اسی دنیا میں حق کی طرف راہنمائی کرتا ہے لیکن شرکاء یہ نہیں کر

سکنے، اسی طرح خدا اسی دنیا میں ابدا اور اعادہ دونوں کرتا ہے اور شہر کا
ہیں سے کوئی نہیں جو یہ کام کر سکے، سو منشا یہ ہے کہ پیغمبر کے ظہور پر اسی
دنیا میں خدا کے حضور رجوع خلق ہوتا ہے، پیغمبر کے ظہور کو جو بگل بجانے
سے تشبیہہ دی گئی ہے، اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ پیغمبر کے ذریعہ خدا کے
حضور حاضری کے لئے آواز دلائی جاتی ہے، پھر حکم دیا جاتا ہے، کہ خدا
کی فرمانبرداری کرو، جو انکار کرتے ہیں، انہیں ذلت و ہلاکت کی سزا دے
کر جہنم میں بھیج دیا جاتا ہے۔ اور دنیا میں عزت و کامگاری کی زندگی کی
طرف لوٹنا ان پر حرام کر دیا جاتا ہے "حرام علی قریۃ اھلکناھا انھم لا یرجعون"
اور جو حکم مانتے ہیں انہیں نئی زندگی عطا ہوتی ہے تو مومنوں کی جزا ابدا
کی شکل لیتی ہے، اور کافروں کی سزا اعادہ کی، غرض نافرمان مخلوق کو
سزا کے لئے واپس بلا لیا جاتا ہے، اور فرمانبرداروں کو زندہ قوم بنا کر ان کا
جانشین بنا دیا جاتا ہے، پھر جب یہ تازہ قوم رفتہ رفتہ بگڑ کر پہلی قوم کی
طرح اس قابل نہیں رہتی کہ دنیا میں اسے خدا کی نمائندہ قوم کے طور پر
باقی رکھا جائے تو پھر وہی پہلا عمل دہرایا جاتا ہے اور اس نافرمان قوم کو سزا
کے لئے واپس بلا لیا جاتا ہے اور تازہ فرمانبردار قوم کو ابداً پیدا کر کے اس کا
جانشین بنا دیا جاتا ہے، ہر قوم کی زندگی کا زمانہ وہ وقفہ ہے جو اس کے
ابدا اور اعادہ کے درمیان ہے۔ جس پر لفظ "ثمّ" دلالت کرتا ہے
اسی طرح خدا کا سچا وعدہ کہ سب کا رجوع اللہ کی طرف ہے ہر زمانہ
میں پیغمبر کے ظہور پر پورا ہوتا رہتا ہے اور یہی فرمایا ہے، الی اللہ مرجعکم
جمیعا وعد اللہ حقا انہ یبدؤا الخلق ثم یعیدہ کہ سب
رجوع اللہ کی طرف ہے، یہ خدا کا سچا وعدہ ہے اور خدا بے شک

کہ تخلیق پر پہلی ہی فرمان خلق کو سزا کے لئے واپس بلا کر اور خلق جدید کو ان کی جگہ پیدا کرکے اس وعدے کو ہمیشہ پورا کرتا رہتا ہے۔

## قیامت کے معنی بروئے قرآن

اب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ قرآن نے خود قیامت کے کیا معنے کئے ہیں؟

یا ایها الناس قد جاءتکم موعظة من ربکم وشفاء لما فی الصدور وهدی ورحمة للمؤمنین قل بفضل الله وبرحمته فبذلک فلیفرحوا هو خیر مما یجمعون - قل ارأیتم ما انزل الله لکم من رزق فجعلتم منه حراما وحلالا قل آلله اذن لکم ام علی الله تفترون وما ظن الذین یفترون علی الله الکذب یوم القیمة ان الله لذو فضل علی الناس ولکن اکثرهم لا یشکرون وما تکون فی شان وما تتلوا منه من قرآن

اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب سے نصیحت آئی ہے اور وہ شفا ہے، اس کے لئے جو تمہارے سینوں میں ہے اور ہدایت اور رحمت ہے مومنوں کے لئے، کہہ کہ خدا کے فضل اور رحمت سے خوش ہو جائیں، وہ بہتر ہے اس سے جو وہ جمع کرتے ہیں، کہ کیا تم نے غور کیا ہے کہ خدا نے تمہارے لئے جو رزق نازل کیا، تم نے اس میں سے کچھ حرام اور کچھ حلال قرار دیا - کیا خدا نے تمہیں اس کی اجازت دی ہے یا تم خدا پر جھوٹ باندھتے ہو؟ خدا پر جھوٹ باندھنے والے قیامت کو کیا خیال کرتے ہیں، خدا لوگوں پر فضل کرنے والا ہے، لیکن ان میں سے

وَلَا تَعْمَلُونَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُودًا اِذْ تُفِيضُونَ فِيهِ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَبِّكَ مِنْ مِثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَلَا اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَا اَكْبَرَ اِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ۔ اَلَا اِنَّ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۔ اَلَّذِينَ اٰمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ لَا تَبْدِيلَ لِكَلِمَاتِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ

(یونس [illegible]۶)

اور تم کوئی عمل نہیں کرتے اے رسول تو کسی حال میں نہیں ہوتا نہ اس کے بارہ میں قرآن سے کچھ پڑھتا ہے، نہ مومن کوئی عمل کرتے ہیں، مگر ہم تمہارے نگران ہوتے ہیں جب تم اس میں مصروف ہوتے ہو، اور تیرے رب سے کوئی ذرہ برابر چیز بھی یا اس سے چھوٹی یا بڑی خواہ وہ زمین میں ہو یا آسمان میں پوشیدہ نہیں بلکہ کتاب مبین میں ہے۔ یاد رکھو کہ خدا کے اولیاء کے لئے نہ کوئی خوف ہے اور نہ غم، جو ایمان لائے اور تقویٰ اختیار کرتے ہیں، ان کے لئے دنیا و آخرت میں خوشخبری ہے، خدا کی باتیں اٹل ہیں۔ یہ بڑی بھاری کامیابی ہے۔

قرآن کے شفا، ہدایت، رحمت، فضل اور روحانی رزق ہونے کا جسے کافر رد کر رہے تھے، ذکر کر کے سوال کیا ہے کہ یہ لوگ قیامت کو کیا خیال کرتے ہیں؟ قیامت تو خدا کے فضل کا مظاہرہ ہے، جو زندگی بخش تازہ کلام نزول کی صورت میں ہوا ہے۔ قیامت میں اللہ رسول کی ہر حالت پر اور اس حالت سے متعلقہ نازل شدہ کلام

کی تلاوت اور پیروی پر اور مومنوں کے تمام اعمال پر بنفسِ نفیس شاہد ہوتا ہے، اور اپنی تربیتِ عالم کی سکیم کو کامیاب بنانے کے لئے زمین اور آسمانوں کے ذرّہ ذرّہ پر کڑی نظر رکھتا ہے، اپنے دوستوں یعنی مومنوں کی ہر خوف و حزن سے نجات کا متکفل ہوتا ہے، ان کو دنیوی اور آخری کامیابی کی بشارت دیتا ہے، اور کوئی مخالف اس کے کلمہ کو پورا ہونے سے روک نہیں سکتا، تمام قیامت یا تازہ کلام کا نزول تو خلق اللہ کو اس فوزِ عظیم پر فائز کرنے کے لئے ہوتا ہے، پھر یہ لوگ کس غلط فہمی میں پھنس کر قیامت میں تازہ کلام کی نعمت عظمیٰ کو رد کر رہے ہیں؟

ان آیات میں قرآن نے خود یہ سوال اٹھایا ہے کہ لوگ قیامت کو کیا سمجھتے ہیں اور در واقعہ میں وہ کیا ہے، پھر بتایا ہے کہ وہ خدا کے فضل کا مظاہرہ ہے، اس میں خدا مومنوں کی حفاظت کرتا ہے، انہیں اپنے مقصد میں کامیاب کرتا ہے اور انہیں مخالفوں کے ہاتھوں مٹنے نہیں دیتا، بلکہ مخالفوں کو مٹا دیتا ہے، جیسے یہاں فرمایا ہے کہ خدا رسول اور مومنوں کے حالات کا خود شاہد رہتا ہے، ویسے ہی حضرت موسیٰ کو فرمایا «فانک باعیننا» کہ میں تجھ پر نظر رکھوں گا، کہ تجھے کوئی مٹانے نہ پائے، پس قیامت خدا کے ظہور کا نام ہے جو پیغمبر کے ذریعہ ہوتا ہے، گویا خدا اپنے خلیفہ کے ذریعے قیام فرماتا یا کھڑا ہوتا ہے، اور لوگوں کو حق پر قائم ہونے کے لئے بلاتا ہے جو حق پر قائم ہو جاتے ہیں، ان کی حفاظت کرتا ہے اور جو نہیں ہوتے انہیں مٹا دیتا ہے اور حق پر قائم ہونے والوں کو ان کا جانشین بنا دیتا ہے یہ قیامت کے وہ معنی ہیں جو آیات مذکورہ میں قرآن نے خود بتائے ہیں یہاں نظام شمسی کی فنا اور زمینی قبروں سے مردے اٹھ کر آموجود ہونے کا کوئی ذکر نہیں البتہ ظہورِ حق حامیانِ حق کی کامیابی، اور دشمنانِ حق کی ناکامی کا ذکر ہے۔

**غلط فہمی کی وجہ** اس مقام پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب قیامت ظہورِ پیغمبر کا نام ہے تو لوگوں کو کیونکر یہ غلط فہمی ہوئی کہ ظہورِ پیغمبر کو قیامت سمجھنے کی بجائے فنائے عالم کے بعد قیامت کا انتظار کرنے لگے، اس کی دو وجہیں ہیں:-

(۱) اس میں کچھ شک نہیں کہ قیامت کے معنی قیامِ حق ہیں، اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ ہر پیغمبر کے ذریعہ حق قائم ہوتا رہا ہے، لیکن ہر پیغمبر کے ذریعہ قیامِ حق صرف ایک حصہ نسلِ انسانی میں ہوتا رہا ہے، اگرچہ پیغمبر کو نہ ماننے والے بھی اسکی تعلیم سے فائدہ اٹھاتے رہے ہیں اور یوں عالم کی عمومی ترقی ہوتی رہی ہے تاہم ہر پیغمبر کے ہاتھ پر قیامِ حق کا جو کام ہوتا رہا وہ ایک حصہ نسلِ انسانی تک محدود تھا، اور پیغمبر کے بعد لمبا زمانہ گزرنے پر وہ حصہ بھی جس میں پیغمبر حق کو قائم کر جاتا تھا بگڑ جاتا رہا، پس دنیا بھر میں اور ہمیشہ کے لئے قیامِ حق کا کام جو مقصود ہے ابھی ہونا باقی ہے، یہ کام پیغمبروں کی تاریخی ترتیب کے نتیجے میں آخر پر ہونا مقدر تھا، اور سارے پیغمبر اس سنہری زمانہ کی خبر دیتے رہے ہیں، جس میں دنیا بھر میں حق قائم ہو جائے گا، گویا کام جو پیغمبروں کے زمانہ میں ہوا وہ ان کی منزلِ مقصود کی طرف ایک ایک قدم تھا، اور بالآخر عالم بھر میں قائم ہونے والے حق کا ہی جزوی ظہور تھا، پس پیغمبروں کے ظہور پر جو قومی قیامتیں قائم ہوتی رہیں وہ قیامت کا نمونہ اور اس کی گواہ تھیں، اور پوری قیامت جس میں عالم بھر میں ہمیشہ کے لیے قیامِ حق ہونا تھا آئندہ آنے والی تھی، سو لوگ قیامت کا جو آئندہ انتظار کرتے رہے ہیں اس میں وہ غلطی پر نہیں، ہاں غلطی

یہ ہے جو قیامت منتظرہ کی نوعیت کو بدل ڈالتے ہیں یعنی اُسے قیامت کے
ان نمونوں سے جو پیغمبروں کے ہاتھ پر ظاہر ہوتے رہے، بالکل نرالی چیز
مانتے ہیں، مثلاً نمونہ کی قیامتوں میں تو عالم کے فنا ہونے اور نیا عالم پیدا
ہونے سے انقلاب مراد لیتے ہیں، جس سے بدی کا نظام تباہ ہو کر نیکی کا
نظام قائم ہوتا رہا۔ اور مردوں کے زندہ ہونے سے باطل پرستوں کا نورِ
ایمان اور سچائی کی روح سے زندہ ہونا مراد لیتے ہیں، لیکن قیامت میں
جس کے وہ منتظر ہیں فنائے عالم سے نظامِ شمسی کی فنا مراد لیتے ہیں۔
اور مردوں کے زندہ ہونے سے قبروں سے جسمِ عنصری کے ساتھ مردوں کا
نکل کھڑا ہونا مراد لیتے ہیں۔ اگر قیامت کے نمونوں اور قیامت میں واقعی
نوعیت کا اختلاف ہے، تو نہ وہ قیامت کے نمونے ہیں، نہ اُس کے گواہ
اور ثبوت، اور جس کی کوئی شہادت اور ثبوت پیش نہیں کیا جا سکتا، اس
کو ماننے کا مطالبہ تکلیف مالا یطاق ہے۔

(۲) دوسری وجہ غلط فہمی کی یہ ہے کہ قرآن میں ایسے ذکر بکثرت ہیں کہ
خدا قیامت کے روز مومنوں کو نیک بدلہ دے گا، اور کافروں کو سزا
دے گا، لوگ کہتے ہیں کہ ہم جو قیامت کے روز سے پہلے مر چکے ہوں گے
اگر زندہ نہ کیے جائیں گے تو ہمیں جزا و سزا کیونکر ملے گی؟ سو واضح
رہے کہ ایسے وعدے دو وعدوں پر مشتمل ہیں، (۱) جہاں تک اس وعدہ
کا تعلق زمانہ مستقبل سے ہوتا ہے وعدہ اسی زمانہ میں پورا کر دیا جاتا
ہے۔ یعنی مومن جو حق کے داعی ہوتے ہیں قیامِ حق سے کامیاب ہو جاتے
ہیں، اور دشمنانِ حق ناکامی اور ذلت کے جہنم میں داخل ہو جاتے ہیں
مومن دنیا سے جاتا ہوا اپنی سچائی اور اطمینان کی جنت ساتھ لے جاتا ہے

اور منکر اپنی جہنم ، گویا دنیا اور آخرت دونوں میں جزا سزا کا وعدہ پورا ہو جاتا ہے۔ پس ان کی صورت میں قیامت سے جس میں انہیں جزا سزا ملنے کا وعدہ دیا جاتا ہے وہی قیامت مراد ہوتی ہے جو پیغمبر وقت کے ظہور پر قائم ہوتی ہے اور اس قیامت کا دور دوسرے پیغمبر کے ظہور تک ہوتا ہے یعنی پیغمبر وقت کی تعلیم اس کے دور میں معیار حق ہوتی ہے ، جس سے لوگوں کی سچائی اور نیکی کو ماپا جاتا ہے ، پیغمبر کے ساتھ میزان یا عملوں کے تولنے کا ترازو نازل ہونے کے یہی معنے ہیں (ب) باقی رہے آئندہ زمانے میں واقع ہونے والے وعدے تو ان کی صورت میں مومنوں سے مراد اس زمانے کے مومن ہوتے ہیں جو آئندہ دور میں اس زمانے کے پیغمبر پر ایمان لاتے ہیں اور منکروں سے مراد وہ منکر ہوتے ہیں جو پیغمبر وقت کے منکر ہوتے ہیں ، جیسے خدا قیامت میں خواہ چھوٹے پیمانے پر ہو خواہ بڑے پر ، خواہ ماضی میں خواہ حال میں ، خواہ مستقبل میں ، خواہ ایک قوم میں یا دوسری میں ، فرق نہیں کرتا ، اسی طرح وہ سب مومنوں کو خواہ کسی زمانہ اور وطن کے ہوں اور کسی رسول کے ذریعہ ایمان لائے ہوں ایک سمجھتا ہے ۔ اور سب زمانوں اور قوموں کے منکروں کو خواہ انہوں نے کسی رسول کا انکار کیا ہو ایک قرار دیتا ہے ، چنانچہ فرماتا ہے :-

(۱) واذ وعدنا موسیٰ اربعین لیلۃ ثم اتخذتم العجل من بعدہ وانتم ظلمون (بقرہ ع ۶)

(۲) قالوا ان اللہ عہد الینا الا نؤمن لرسول حتی یاتینا بقربان تاکلہ النار قل قد جاءکم رسل من قبلی بالبینات وبالذی قلتم فلم قتلتموھم ان کنتم صادقین (آل عمران - ۱۹)

(۳) ولقد جاءکم یوسف من قبل ..... حتیٰ اذا ھلک قلتم لن یبعث اللہ من بعدہٖ رسولا (مومن ع ۴)

(۴) ربنا واٰتنا ما وعدتنا علیٰ رسلک ۔ (آل عمران ع ۲۰)

پہلی آیت میں بنی اسرائیل کو جو آنحضرتؐ کے سامنے تھے، مخاطب کرکے فرمایا ہے کہ تم نے بچھڑے کو اپنا معبود بنا لیا، حالانکہ جنہوں نے بچھڑے کو معبود بنایا تھا، وہ حضرت موسیٰؑ کے زمانہ کے لوگ تھے، جو انہیں سو سال پہلے ہو گذرے تھے، اور آنحضرتؐ کے وقت ان میں سے کوئی باقی نہ تھا۔ دوسری آیت میں ان کے اس قول کا ذکر کرکے کہ ہم رسول کو نہ مانیں گے، جب وہ سوختنی قربانی کا نشان لائے۔ فرمایا ہے کہ تمہارے پاس وہ رسول بھی آئے جو سوختنی قربانی کا نشان اپنے ساتھ رکھتے تھے، انہیں تم نے کیوں قتل کیا؟ حالانکہ آنحضرتؐ کے زمانہ کے یہودیوں کے پاس کوئی رسول سوختنی قربانی کا نشان لے کر نہ آیا تھا۔ آیت سوم میں حضرت موسیٰؑ کے عہد کے ایک شخص کا ذکر ہے جو مصریوں کو کہتا ہے کہ جب حضرت یوسفؑ فوت ہوئے تو تم نے کہا، اب ان کے بعد ہرگز خدا کوئی رسول مبعوث نہیں کرے گا، حالانکہ حضرت یوسفؑ کے بعد جن لوگوں نے یہ بات کہی، ان میں سے حضرت موسیٰؑ کے زمانہ میں کوئی باقی نہ تھا۔ چوتھی آیت میں مسلمانوں کی زبان سے کہلوایا ہے کہ اے رب ہمیں وہ عطا کر جس کا وعدہ تو نے اپنے رسولوں کے ذریعہ ہمارے ساتھ کیا تھا، حالانکہ سابقہ رسولوں کے وقت میں نہ وہ لوگ موجود تھے، نہ ان رسولوں نے ان سے کوئی وعدہ کیا تھا۔

چونکہ سچائی ہمیشہ ایک ہے، اس کے دلائل اور علامات ایک ہیں:

# مسلمانوں کا تنزل

سلسلۂ رسالت کی غرض اور اس کا عالمگیر ہونا، رسولوں کی بعثت کا عام قانون، ہر امت کی میعاد مقرر ہونا اور اس کے خاتمہ پر رسول کا آنا، اس کے اختلافات کا فیصلہ کرنا، اس پر موت وارد کرنا، مردوں کو زندہ کرکے نئی قوم پیدا کرنا اور اسے مردہ قوم کا جانشین بنانا، ہر زمانہ میں بقدر ضرورت کلام الٰہی کا نازل ہونا اور ہر زمانہ کے لئے جداگانہ کتاب ہونا، رسولوں کے سلسلہ کو بند سمجھنے کی انتہائی مذمت اور قیامت کے معنے ہم قرآن سے دیکھ چکے ہیں، اب یہ دیکھنا ہے، کہ کیا قرآن شریف نے یہ ذمہ داری اٹھائی ہے کہ مسلمان قوم قاعدہ کلیہ سے مستثنیٰ ہے، نہ یہ بگڑے گی، نہ اس کی کوئی میعاد مقرر ہے، آئندہ کے لئے سنت اللہ بدل گئی ہے؟ جہاں تک میں معلوم کر سکا ہوں مسلمان قوم کے قاعدہ کلیہ سے مستثنیٰ ہونے اور سنت اللہ کے بدلنے کا کوئی ذکر قرآن میں نہیں، بخلاف اس کے مسلمانوں کے بگڑ جانے اور دوسری قوم کے لئے جگہ خالی کردینے کا ذکر کئی مقامات پر ہے، جن میں سے بعض پیش کئے جاتے ہیں۔

## مسلمانوں کی اجل مسمّٰی

انّی لکم منہ نذیر وبشیر

میں تمہارے لئے خدا کی طرف سے

وان استغفروا ربكم ثم توبوا اليه يمتعكم متاعا حسنا الى اجل مسمّى -

(هود - ع ١)

ڈرانے والا اور بشارت دینے والا ہوں، اپنے رب سے بخشش مانگو اور اس کی طرف رجوع کرو، وہ تم کو ایک مقررہ میعاد تک اچھا فائدہ پہنچاتا رہے گا۔

اس آیت میں رسول اللہ کے مخاطبوں سے وعدہ کیا ہے، کہ اگر وہ خدا کی طرف رجوع کریں، تو خدا انہیں ایک مقررہ میعاد تک متاع حسنہ سے متمتع فرمائے گا، ظاہر ہے کہ جن لوگوں نے آنحضرتؐ کے پیغام کو لبیک کہا وہ مسلمان قوم ہے، پس یہاں مسلمان قوم کی اجل مسمّیٰ کا ذکر ہے۔ یہ میعاد کتنی ہے؟ اس کا ذکر آگے آئے گا،

## مسلمانوں کا باہمی تفرقہ

(١) ولا تكونوا كالذين تفرقوا واختلفوا من بعد ما جاءهم البينات واولئك لهم عذاب عظيم، يوم تبيض وجوه وتسود وجوه فاما الذين اسودت وجوههم اكفرتم بعد ايمانكم فذوقوا العذاب بما كنتم تكفرون -

(آل عمران - ع ١١)

ان لوگوں کی طرح نہ ہونا جنہوں نے بینات آجانے کے بعد اختلاف اور تفرقہ کیا، اور انہیں عذاب عظیم سہنا پڑا، جس دن کچھ چہرے روشن ہوں گے اور کچھ سیاہ، سیاہ روؤں کو کہا جائے گا، کہ کیا ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے؟ اپنے کفر کے بدلے میں عذاب چکھو۔

(٢) واوفوا بعهد الله اذا عاهدتم ولا تنقضوا الايمان بعد توكيدها

اللہ سے جو تم نے عہد کیا ہے اُسے پورا کرنا، اور قسموں کو پکا کرنے کے بعد

وقد جعلتم الله عليكم كفيلا ۔
ان الله يعلم ما تفعلون ،
ولا تكونوا كالتي نقضت
غزلها من بعد قوة انكاثا
تتخذون ايمانكم دخلا
بينكم ان تكون أمة هي
اربى من امة انما يبلوكم
الله به وليبينن لكم يوم
القيمة ما كنتم فيه تختلفون
ولو شاء الله لجعلكم امة واحدة
ولكن يضل من يشاء و
يهدي من يشاء ولتسئلن
عما كنتم تعملون، ولا تتخذوا
ايمانكم دخلا بينكم فتزل
قدم بعد ثبوتها وتذوقوا
السوء بما صددتم عن
سبيل الله ولكم عذاب
عظيم ۔

(نحل رکوع ۱۳)

نہ توڑنا جب کہ تم نے اللہ کو اپنا
کفیل بنایا ہے۔ خدا جانتا ہے جو
تم کرتے ہو، اور اس کی طرح نہ ہونا
جس نے اپنے سوت کو مضبوط کاتنے
کے بعد توڑ ڈالا، تم اپنی قسموں کو
باہمی فساد کی وجہ بناتے ہو، تاکہ
ایک جماعت دوسری سے بڑھ جائے
خدا اس سے تم کو آزماتا ہے اور
وہ بیان کرے گا قیامت کے دن
ان امور کو جن میں تم اختلاف کرتے
ہو، اگر خدا چاہے تو تم کو ایک
ہی جماعت بنائے، لیکن وہ جسے
چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے
چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ اور
ضرور تم سے تمہارے کئے کے بارہ
میں جواب طلبی کی جائے گی اور اپنی قسموں
کو باہمی بگاڑ کی وجہ مت بناؤ تاکہ ایسا نہ
ہو کہ تمہارا پاؤں مضبوط ہونے کے
بعد لغزش کھائے اور تم کو خدا
کی راہ سے روکنے کے باعث دکھ اور دردناک عذاب میں مبتلا
ہونا پڑے ۔

پہلی آیت میں مسلمانوں کو متنبہ کیا ہے، کہ پہلی قوموں کی طرح تفرقہ کرکے عذاب عظیم کا شکار ہونے سے بچنا، ایک وقت آنے والا ہے، کہ تم میں سے بعض کے چہرے روشن ہوں گے اور بعض کے سیاہ، جو سیاہ رو ہوں گے، انہیں کہا جائے گا کہ پہلے تو تم ایمان لائے تھے، اب انکار کرتے ہو؟ سو اپنے کفر کی وجہ سے عذاب چکھو۔

سورۂ نحل کی آیات میں پھر مسلمانوں کو عہد پورا کرنے کا تاکیدی حکم دیا ہے اور بتایا ہے کہ عہد توڑنے کی مثال ایسی ہے، جیسے ایک عورت نے اپنا محنت سے کاتا ہوا سوت ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، یہ بھی بتا دیا ہے کہ مسلمان اپنا سوت اس طرح ٹکڑے ٹکڑے کر دیں گے کہ خود ٹکڑے ٹکڑے ہو کر کئی فرقے بن جائیں گے، ہر ٹکڑا خود غرض ہو گا، اور اپنی بڑائی چاہے گا، عہد و پیمان کو نبھانے کا کوئی خیال نہ ہو گا، اس سے باہمی فسادات رونما ہوں گے، اور اس طرح مسلمان عروج کو پہنچ کر پھر گر جائیں گے اور خدا کی راہ سے لوگوں کو روکنے کی پاداش میں عذاب عظیم میں مبتلا ہو جائیں گے

جناب مولانا مولوی محمد علی صاحب اپنی تفسیر "بیان القرآن" میں ان آیات کے تحت لکھتے ہیں "صاف بتاتا ہے کہ یہ مسلمانوں کا ذکر ہے کہ ان کا قدم جم کر پھر باہمی فسادات سے پھسل جائے گا۔ ....... کیا آج اسی حکم کی خلاف ورزی کی سزا تو ہم پر نہیں"؟

## مسلمانوں سے بنی اسرائیل کا سا سلوک

واذکروا نعمۃ اللہ علیکم و میثاقہ الذی واثقکم بہ اذ قلتم سمعنا و اطعنا واتقوا اللہ ان اللہ علیم

| | |
|---|---|
| بذات الصدور ٥ | اللہ کی نعمت کو جو اس نے تم پر کی، |

یاایھا الذین امنوا کونوا
قوامین للہ شہداء بالقسط
. . . . . . . . . ان اللہ
خبیر بما تعملون . . . . .
ولقد اخذ اللہ میثاق
بنی اسرائیل . . . . . . .
فبما نقضھم میثاقھم لعنٰھم
. . . . . . . ومن الذین
قالوا انا نصاریٰ اخذنا
میثاقھم فنسوا حظاً مما
ذکروا بہ فاغرینا
بینھم العداوۃ والبغضاء
الی یوم القیمۃ
(مائدہ ع $\frac{2}{3}$)

اور اس عہد کو جو اس نے تم سے لیا
یاد رکھنا، جب تم نے کہا کہ ہم نے سن
لیا اور اطاعت قبول کی، خدا سے
ڈرتے رہنا، اللہ دل کی باتوں کو جانتا
ہے، اے مومنو! اللہ کے لئے عدل و
انصاف کو قائم رکھنا . . . . . . . .
بے شک اللہ تمہارے کئے سے خبردار ہے . . .
. . . خدا نے بنی اسرائیل سے عہد لیا،
. . . . پھر بوجہ ان کی عہد شکنی کے ان کو
راندۂ درگاہ کر دیا . . . . . اور نصرانیوں
سے ہم نے عہد لیا، وہ اس کا ضروری
حصہ جس کے یاد رکھنے کی ان کو تاکید کی
گئی تھی بھول گئے، تو ہم نے ان کے درمیان
قیامت تک بغض و عداوت ڈال دی۔

ان آیات میں مسلمانوں کو تاکید کی گئی تھی کہ تم نے جو فرمانبرداری کا عہد
خدا سے باندھا ہے، اسے اچھی طرح یاد رکھنا، خدا تمہارے عمل کی نگرانی
کرتا رہے گا، کہ تم عہد کو نبھاتے ہو کہ نہیں اور یہ بھی یاد رکھنا کہ ایسا ہی عہد
ہم نے بنی اسرائیل سے لیا تھا، جب انہوں نے اسے توڑا تو خدا نے ان کو راندۂ
درگاہ کر دیا اور ایسا ہی عہد نصاریٰ سے لیا تھا، جب وہ اسے بھول گئے، تو
ان کے درمیان باہمی عداوت رونما ہو گئی، جس سے وہ اس وقت تک نجات
نہیں پا سکتے، جب تک وہ پیغمبر وقت پر ایمان لا کر حق پر قائم نہ ہوں۔

بنی اسرائیل اور نصاریٰ کے عہد توڑنے اور ان کی سزا کے ذکر سے مدعا مسلمانوں کو سمجھانا ہے کہ اگر انہوں نے عہد توڑا، تو ان کے ساتھ بھی وہی سلوک کیا جائے گا، جو ان سے پہلی قوموں کے ساتھ کیا گیا۔

حضرت موسیٰ اور آپ کی قوم بنی اسرائیل کا ذکر قرآن میں بار بار آیا ہے اس ذکر میں اگر ایک طرف مسلمانوں کو تنبیہ ہے کہ وہ ان راہوں سے بچیں، جن پر بنی اسرائیل چل کر برباد ہوئے، تو دوسری طرف مسلمانوں کی تاریخ بھی اس میں آجاتی ہے۔ چنانچہ رسول اللہ نے صاف طور پر فرمایا:-

لتتبعن سنن من قبلکم شبراً بشبر وذراعاً بذراع حتی لو دخلوا جحر ضب تبعتموهم قیل یا رسول اللہ الیہود والنصاریٰ قال فمن متفق علیہ (مشکوٰۃ - باب تغیر الناس)

یعنی تم ضرور اپنے سے پہلے لوگوں کے قدم بقدم چلو گے، یہاں تک کہ اگر وہ سوسمار کے بل میں داخل ہوئے ہوں گے تو تم بھی داخل ہو جاؤ گے۔ صحابہؓ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ، کیا پہلے لوگوں سے آپ کی مراد یہود و نصاریٰ ہیں؟ فرمایا اور کون؟

## مسلمانوں سے خلافت کا چھینا جانا

(۱) وعد اللہ الذین آمنوا منکم وعملوا الصالحات لیستخلفنہم فی الارض کما استخلف الذین من قبلہم ولیمکنن لہم دینہم الذی ارتضیٰ لہم ولیبدلنہم من بعد خوفہم امنا یعبدوننی لا یشرکون

اللہ نے تم میں سے ان لوگوں سے جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں وعدہ کیا ہے کہ انہیں زمین میں جانشین بنائے گا، جیسے کہ ان

بی شیئاً ومن کفر بعد ذلک فاولئک ھم الفاسقون

(نور - ع ۷)

سے پہلے لوگوں کو بناتا رہا ہے اور ان کے دین کو تمکنت بخشے گا، جیسے اس نے ان کے لئے پسند کیا ہے اور ان کی حالت خوف کو امن میں بدل دے گا، میری عبادت کریں اور میرا شریک کسی کو نہ ٹھہرائیں اور جو اس کے بعد انکار کرے گا وہ عہد شکن ہو گا۔

ان آیات میں صاف بتایا ہے کہ مسلمان قوم کو ایسے ہی خلافت ارضی دی جائے گی، جیسے ان سے پہلی قوموں کو دی گئی، یعنی جب مسلمان قوم بگڑ جائے گی اور خلافت کی اہل نہ رہے گی، تو یہ مقام ان سے چھین لیا جائے گا، جیسے پہلی قوموں سے چھینا گیا، یہ صرف اشارہ ہی نہیں بلکہ آیت مذکورہ کے آخری ٹکڑے میں صراحت ہے کہ جب مسلمان قوم انکار کرے گی تو وہ خود عہد کو توڑنے والی ہو گی، اس وقت ان سے خلافت چھن جائے گی، ذمہ داری خدا پر نہیں بلکہ اس قوم پر ہو گی جو عہد شکن ہو گی۔

(۳) ولقد وصینا الذین اوتوا الکتاب من قبلکم وایاکم ان اتقوا اللہ وان تکفروا فان للہ ما فی السموٰت وما فی الارض ...... ان یشاء یذھبکم ایھا الناس و یأت بآخرین وکان اللہ علی ذلک قدیراً - (نساء ع ۱۹)

ہم نے تم سے پہلے اہل کتاب کو وصیت کی اور تمہیں بھی ہم کہتے ہیں، کہ خدا سے ڈرو، اگر تم انکار کرو گے، تو زمین و آسمان میں سب کچھ خدا ہی کا ہے ......... اے لوگو! وہ اگر چاہے گا تو تم کو لے جائے گا، اور اور لوگوں کو تمہارا جانشین بنا دے گا اور خدا اس امر پر قادر ہے۔

اس آیت میں مسلمانوں کو متنبہ کیا ہے کہ خدا کی نافرمانی سے بچنا۔ اگر وہ
دیکھے گا کہ تمہارا رویہ تسلی بخش نہیں تو تمہاری صف لپیٹ دے گا، اور دوسروں
کو تمہارا جانشین بنا دے گا جیسے کہ وہ سابقہ نافرمان قوموں کو مٹا کر دوسروں کو ان کی جگہ لاتا رہا۔

سورہ محمد ع ۴ میں مسلمانوں کو خطاب کرکے فرمایا ہے: وان تتولوا
یستبدل قوما غیرکم ثم لا یکونوا امثالکم۔ اگر تم خدا سے منہ
پھیر لوگے تو وہ تم سے اپنی عنایات اور خلافت واپس لے کر دوسری قوم کو
دے گا، جو تمہاری طرح خدا سے منہ پھیرنے والی نہیں، بلکہ اس پر ایمان
لانے والی ہوگی۔

ان تسمع الا من یؤمن
بآیتنا فهم مسلمون۔ واذا
وقع القول علیهم اخرجنا
لهم دابة من الارض تکلمهم
ان الناس کانوا بآیتنا
لا یوقنون ۝ ویوم نحشر
من کل امة فوجا ممن
یکذب بآیتنا فهم یوزعون
حتی اذا جاءو قال
اکذبتم بآیتی ولم تحیطوا
بها علما اماذا کنتم تعملون
ووقع القول علیهم بما ظلموا
فهم لا ینطقون ۝ الم یروا

(اے رسول!) تو صرف انہی کو سنا سکتا
ہے، جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں اور
وہ مسلمان ہیں۔ اور جب ان پر
قول واقع ہو جائے گا، ہم ان کے
لئے زمین میں سے ایک جانور نکالیں
گے جو انہیں کہے گا کہ یہ
لوگ ہماری آیتوں پر یقین نہ کرتے
ہوں گے۔ اور جس دن ہم تمام قوموں
سے آیات اللہ کو جھٹلانے والے
گروہوں کو اکٹھا کریں گے، پھر وہ روکے
جائیں گے، یہاں تک کہ جب وہ
آجائیں گے، خدا ان سے کہے گا، کہ
تم نے میری آیتوں کو جھٹلایا حالانکہ

انا جعلنا الیل لیسکنوا فیہ
والنہار مبصرا ان فی
ذلک لایت لقوم یومنون
ویوم ینفخ فی الصور ففزع
من فی السموت ومن
فی الارض الا من شاء
اللہ وکل اتوہ داخرین
وتری الجبال تحسبہا جامدۃ
وھی تمر مر السحاب ۝
(نمل رکوع ۷/۶)

تمہیں ان پر احاطۂ علمی حاصل نہ تھا
یہ تم نے کیا کیا؟ اور ان کے ظلم کے
سبب ان پر قول واقع ہو جائے
گا، پھر وہ بات نہ کریں گے۔ کیا
یہ لوگ غور نہیں کرتے، کہ ہم نے رات کو
اس لئے بنایا ہے کہ اس میں آرام کریں اور دن
کو روشن بنایا ہے، اس میں بیشک ان لوگوں کے لئے جو
ایمان لاتے ہیں نشان ہیں اور جب بگل بجایا جائے گا
تو زمینوں اور آسمانوں والے سب گھبرا اٹھیں گے
سوائے اس کے جسے اللہ چاہے گا
(کہ وہ محفوظ رہے) اور سب بے بس
ہوکر اس کے پاس آئیں گے، اور تو دیکھے گا کہ پہاڑ جن کو تو جمے ہوئے سمجھتا ہے
بادل کی طرح گذر جائیں گے۔

ان آیات کی بنا پر یہ مسئلہ ہے کہ جب مسلمان اللہ کی آیات کو نہ مانتے ہوں گے اور اس باعث سے مستوجب عذاب ہوں گے، تو دابۃ الارض نکلے گا۔ ابن کثیر کہتے ہیں کہ "یہ دابہ آخری زمانے میں لوگوں کے فساد کے وقت نکلے گا، جب وہ اللہ تعالے کے احکام کو ترک کر دیں گے، اور دین حق کو تبدیل کر دیں گے"۔

اور بیان القرآن میں ہے کہ "اس آیت کا تعلق مسلمانوں کی حالت بگڑ جانے سے ہے"۔ اس باب میں اتنا ہی دکھانا مقصود ہے کہ بموجب قرآن شریف مسلمان قوم پر ایسا وقت آنے والا ہے، جب کہ

بگڑ جائیں گے، اور خدا کے عذاب کے نیچے آ جائیں گے۔

اگر دابہ مذکورہ کی حقیقت کو معلوم کرنا ہو تو سورۂ سبا کی آیت کی طرف رجوع کریں، جو حضرت سلیمان کی حکومت کے زوال کے بارے میں آتی ہے اور جس کے الفاظ یہ ہیں:- فلما قضینا علیہ الموت ما دلہم علی موتہ الا دابۃ الارض تاکل منساتہ، کہ ہم نے سلیمان پر موت وارد کرنے کا فیصلہ کیا، تو اس کا وقوع ایک زمینی جانور کے ہاتھوں ہوا جو حضرت سلیمان کے عصا کو گھن کے کیڑے کی طرح کھا گیا۔ "منساۃ" سونٹے کو کہتے ہیں، جس سے چرواہا جانوروں کو قابو میں رکھتا ہے۔ یہاں سونٹے سے مراد طاقت حکومت ہے، جس سے رعایا کو قابو میں رکھا جاتا ہے، سورہ سبا والی آیت اور آیت زیر بحث متوازی ہیں، جیسے کہ ذیل کے مقابلے سے عیاں ہو گا:-

| | آیت زیر بحث | آیت سورہ سبا |
|---|---|---|
| پہلا ٹکڑا | واذا وقع القول علیہم | فلما قضینا علیہ الموت |
| دوسرا ٹکڑا | اخرجنا لہم دابۃ من الارض | ما دلہم علی موتہ الا دابۃ الارض |
| تیسرا ٹکڑا | تکلمہم | تاکل منساتہ |

قضا ایک چیز کے خدا کے علم میں ہونے کو کہتے ہیں، اور قضا اس کے نفاذ یا وقوع کو۔ تکلمہم کے معنی ہیں تجرحہم، جرح زخم کو بھی کہتے ہیں، اور جراحت اسی سے ہے، اور جرح تنقیدی گفتگو کو بھی کہتے ہیں، پہلے ٹکڑے میں واذا فلما کے اور وقع قضینا کے مقابل ہے

قول جس سے مراد عذاب یا ہلاکت ہے، موت کے مقابلہ پر ہے۔
دوسرے ٹکڑے میں دونوں جگہ دابۃ الارض کا ذکر ہے، فرق یہ ہے، کہ
سورہ سبا والی آیت میں دابۃ الارض کہا ہے، جس کے معنی ہیں زمین کا ایک جانور
اور آیت زیر بحث میں دابۃ من الارض کہا ہے، جس کے معنی ہیں زمین سے
پیدا ہونے والا جانور، یعنی سورہ سبا والی آیت میں دابہ ایک فرد ہے اور
آیت زیر بحث میں اسم جنس، جس میں اس جنس کے سارے جانور شامل ہیں
تیسرے ٹکڑے میں تکلمہم یعنی تجرحہم ہے، جو تاکل منساتہ کے مقابل ہے۔
تکلمہم کا لفظ لانے میں یہ حکمت ہے، کہ ایک طرف دابہ مذکور کے انسانوں
میں سے ہونے پر دلالت کرے، کیونکہ کلام انسان کا خاصہ ہے، اور دوسری
طرف اس بات پر کہ دابہ مسلمانوں کو گھائل کر دے گا،

غرض جس طرح حضرت سلیمان کی سلطنت وحشمت ان کے ناخلف جانشین کے
ہاتھوں جسے اس کی پستیٔ فطرت کی وجہ سے زمینی جانور کہا گیا ہے، برباد ہوئی
اسی طرح مسلمانوں کی قوت وحشمت ناخلف جانشینوں کے ہاتھوں برباد ہوگی،
جن میں تباہ خلافت کو چاک کرنے والے حکمران بھی شامل ہیں اور علماء سوء
بھی، وہ تازہ نازل شدہ آیات کا تو کھلا انکار کرتے ہوں گے،
اور ان کی زبان حال بتا رہی ہوگی کہ سابقہ نازل شدہ قرآنی آیات پر بھی
ان کو کوئی یقین باقی نہیں رہا، وہ تفرقہ و فساد کے تیر سے مسلمانوں کی قومی
زندگی کو زخم کاری لگا کر ناکارہ اور ناقابل رفتار کر دیں گے، اگلی آیت میں
بتایا ہے کہ جس زمانے میں مسلمان انکار آیات اللہ کی وجہ سے زیر عذاب
ہوں گے، باقی قوموں کے مجرموں کو بھی جنہوں نے آیات منزلہ کو جھٹلایا
ہوگا اکٹھا کیا جائے گا، اور بازپرس کے لئے روکا جائے گا، ان سے جواب

مطلب ہوگا کہ آیات اللہ پر غور کرنے اور ان کی تہ تک پہنچنے کے بغیر غیر ذمہ دارانہ طور پر تم نے انہیں کیوں جھٹلایا؟ وہ لاجواب ہو جائیں گے، اور ان پر [illegible] لگ جائے گی، ان سے کہا جائے گا، کیوں رات آرام و سکون کے لئے ہے نہ کہ فتنہ و فساد کے لئے، کیا تم یہ سمجھ بیٹھے تھے، کہ ظلم و ستم کی سیاہ رات جو تمہارے فتنہ و فساد سے دنیا پر چھا گئی، ہمیشہ رہے گی، اور اس کو ختم کرنے کا کوئی اقدام نہ کیا جائے گا؟ اس وقت بگل بجایا جائے گا، اور چھوٹے بڑے سب گھبراہٹ میں مبتلا ہو جائیں گے، سوائے ان کے جنہیں خدا محفوظ رکھے گا، اس وقت تمام سرکشیاں ختم ہو جائیں گی، اور سب لوگ جھک کر فرمانبرداری اختیار کریں گے، اس وقت اے مخاطب! تو دیکھے گا، کہ سچائی کے راستے میں جو مشکلات کے پہاڑ تھے اور جنہیں تو خیال کرتا تھا، کہ کبھی ہلنے والے نہیں، بادل کے گذرنے کی طرح گذر جائیں گے، اور مطلع صاف ہو جائے گا، بادل جب انسان میں اور آفتاب میں حائل ہو جاتا ہے تو انسان نہ آفتاب کو دیکھ سکتا ہے اور نہ اس کی روشنی اور حرارت سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ پیغمبر آفتاب صداقت ہوتا ہے اور دنیا کے ہوا و ہوس اور بدکاریوں کے بادل دنیا میں اور اس میں حائل ہو جاتے ہیں، اللہ کے بادلوں میں آنے کے یہی معنی ہیں۔ جیسے کہ فرمایا۔ هل ینظرون الا ان یاتیهم اللہ فی ظلل من الغمام ۵ (بقرہ ع ۲۵)

## قرآن کا اٹھایا جانا اور اسلام کا باقی نہ رہنا

سورہ مومنون میں ہے:- وانزلنا من السماء ماء بقدر فاسکنه فی الارض وانا علی ذهاب به لقادرون، کہ ہم بادل سے بقدر

ضرورت پانی اُتارتے ہیں اور اُسے زمین پر ٹھہراتے ہیں اور ہم اُسے اُٹھا لے جانے پر اختیار رکھتے ہیں، قرآن شریف میں وحی الٰہی کو بار بار بارش سے تشبیہ دی ہے، یہاں بھی یہی مراد ہے کہ ہم نے جو روحانی بارش قرآن کی شکل میں برسائی ہے، جب چاہیں گے، اسے اٹھا لے جائیں گے، چنانچہ سورہ بنی اسرائیل میں اس مضمون کو بالکل صاف کر دیا ہے۔

ولئن شئنا لنذهبن بالذی اوحینا الیك ثم لا تجد لك به علینا وکیلا ۔ کہ جب ہم چاہیں گے، قرآن کو جو ہم نے تیری طرف وحی کیا ہے اُٹھا لے جائیں گے، اور اس وقت تو یعنی تیری قوم کوئی تجویز کار نہ پائے گی، جو ہمیں اُسے اُٹھا لے جانے سے روک سکے۔

جب قرآن نازل ہوا، اور خدا نے اُسے زمین پر قائم کرنے کا ارادہ فرمایا، تو مخالفوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا کہ یہ جڑ پکڑنے اور رائج ہونے نہ پائے، لیکن خدا کے سامنے کچھ پیش نہ گئی۔ وہ خود تباہ ہو گئے اور قرآن قائم ہو گیا،

اسی طرح جب خدا اپنی مصلحت سے نیا پروگرام دینا چاہے گا، قرآن لوگوں کے علم و عمل سے نکل جائے گا، اور مسلمان اس کے شرائع اور احکام کو دوبارہ رائج نہ کر سکیں گے، اس وقت مسلمان، جو قرآن کو خود چھوڑ چکے ہوں گے، تو محض ضد کے طور پر کہنے کو کہیں گے کہ شریعت اسلام کے جملہ احکام واجبی ہیں لیکن ان کا اپنا عمل ان کے دعوے کو جھٹلاتا ہو گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صورت حال کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا ہے :۔

لا یبقی من الاسلام الا اسمہ ولا من القرآن

۲ لاد سمہا کہ اسلام سے سوائے نام کے اور قرآن سے سوائے اس کے حروف
کچھ باقی نہ رہ جائے گا۔ جائے غور ہے کہ رسول صلی اللہ تو فرمائیں کہ اسلام
اور قرآن دونوں نے ایک وقت تک رہنا ہے، اس کے نتیجے نہ اسلام
باقی رہے گا نہ قرآن اور مسلمان یہ دعویٰ کریں کہ جب تک کرۂ ارض
قائم ہے، اسلام اور قرآن باقی رہیں گے۔ ؎
ببیں تفاوت راہ از کجا است تا بہ کجا
سورۂ اعلیٰ میں ہے: سنقرئک فلا تنسیٰ الا ما شاء اللہ
کہ اے رسول ہم تمہیں قرآن پڑھائیں گے، سو تو اسے نہ بھولے گا، مگر
اس میں سے جو کچھ اور جب اللہ چاہے گا تو بھول جائے گا۔ یہی ما
ننسخ من اٰیۃ او ننسہا کے تحت بتایا گیا ہے کہ سابقہ کتاب کی
بنیادی تعلیم نئی کتاب میں منتقل ہو جاتی ہے، اور اس کا وہ حصہ جو
وقتی تھا فراموش کرا دیا جاتا ہے۔ سورہ اعلیٰ کی آیت کا منشا یہ ہے
کہ اے رسول تو قرآن کو نہ بھولے گا، ہاں خدا ننسہا کے تحت اس
کا جو حصہ جب چاہے گا فراموش کرا دے گا، یعنی آئندہ زمانے میں اس کا
ایک حصہ مسلمانوں کے عمل سے نکل جائے گا، اور دوبارہ رائج نہ ہو سکے
گا۔ بعض علماء نے کافی غور کئے بغیر لکھ دیا ہے کہ الا ما شاء اللہ
سے قرآن کے علاوہ دوسری باتیں مراد ہیں، جن میں سے کوئی آنحضرت
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بتقاضائے بشریت بھول بھی جایا کرتے
تھے، حالانکہ الا حرف استثناء ہے، ما شاء اللہ مستثنیٰ ہے، اور لا
تنسیٰ جس کا مفعول قرآن محذوف ہے، مستثنیٰ منہ ہے۔ پس ما شاء اللہ
قرآن کے بھول نے کے متعلق ہی ہو سکتا ہے نہ کہ قرآن کے سوا دوسری

باتوں کو بھول جانے کے متعلق، علاوہ ازیں یہ مانتے کہ آنحضرتؐ بتقضائے بشریت کوئی بات کبھی بھول بھی جاتے تھے، تو اس فقرہ میں آ گئی کہ ہم تمہیں قرآن پڑھائیں گے اور ہمارے پڑھانے کی تاثیر یہ ہو گی۔ کہ جہاں کوئی دوسری بات آپ کبھی بھول بھی جاتے ہیں۔ قرآن کو نہ بھولیں گے، اور واقعہ بھی یہی ہے کہ آنحضرتؐ کبھی کوئی حصہ قرآن کا نہیں بھولے، پس آیت زیر غور کے معنی سوائے اس کے کوئی نہیں ہو سکتے کہ آئندہ زمانے میں چل کر جب اور جو حصہ قرآن کا خدا چاہے گا فتنہا کے تحت فراموش کرا دے گا۔

## قرآن اور اسلام کے باقی نہ رہنے کا وقت

نہ صرف قرآن کا ایک زمانہ میں مرفوع ہو جانا ہی لکھا ہے بلکہ اس کے مرفوع ہونے کا وقت بھی لکھا ہے، چنانچہ فرماتا ہے یدبر الامر من السماء الی الارض ثم یعرج الیہ فی یوم کان مقدارہ الف سنۃ مما تعدون، کہ خدا تدبیر امر کر رہا ہے، تدبیر امر مکمل ہو چکنے کے بعد ہزار سال کے عرصہ میں یہ امر خدا کی طرف چڑھ جائے گا، امر سے مراد شریعت ہے، جیسے فرمایا ولقد آتینا بنی اسرائیل الکتاب والحکم والنبوۃ ........ وآتیناھم بینات من الامر ........ ثم جعلناک علی شریعۃ من الامر (جاثیہ ع ۲) کہ ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب حکم اور نبوت عطا کی ........ اور انہیں امر کی بینات دیں ......

پہلے رسول ہم نے تم کو ایک شریعت پر قائم کیا جو امر ہے، پس شریعت موسوی بھی امر تھا اور شریعت اسلامی بھی امر ہے۔

آیۃ "یدبر الامر" میں دو باتیں بیان فرمائی ہیں:۔

۱۔ شریعت اسلام کی تدبیر یعنی امر، کا نزول، استحکام اور تفصیلات یا بہ تدبیر امر کا زمانہ اڑھائی تین سو سال کا ہے۔ یہی وہ زمانہ ہے، جسے آنحضرتؐ نے خیر القرون قرنی ثم الذین یلونہم ثم الذین یلونہم فرمایا، کہ بہترین زمانہ میرا ہے، پھر تابعین کا پھر تبع تابعین کا، اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ فیج اعوج یعنی کجی کا زمانہ ہے، اور اس کجی کے زمانہ کے آخر پر وہ وقت ہے، جس کے متعلق فرمایا کہ سوائے نام کے اسلام سے کچھ باقی نہ رہ جائے گا۔ ۲۔ اڑھائی صدیاں امر اسلام کی تدبیر کی ہیں، اور اس کے بعد فیج اعوج یا زوال اسلام کا زمانہ ہے جس کی میعاد صاف طور پر آیۃ مذکورہ میں ایک ہزار سال بتائی ہے، یہی ذکر اور جگہوں پر بھی ہے، چنانچہ سورہ طٰہٰ میں شروع زوال اسلام سے ہزار سال بعد اور سورہ فجر میں ابتدائے اسلام سے تیرہ صدیاں بعد قیامت مذکور ہے، جیسے کہ آگے مفصل ذکر آئے گا۔

# آئندہ رسول

مسلمانوں کے تنزل کے باب میں جو آیات اوپر نقل ہو چکی ہیں ان پر مکرر نظر ڈالیں :-

۱- سورۂ آل عمران کی آیت میں مسلمانوں کو تفرقہ سے باز رہنے کی نصیحت کرکے متنبہ کیا گیا ہے کہ ایک وقت آنے والا ہے، جب تمہیں کہا جائے گا کہ پہلے تو تم ایمان لاتے تھے، اب انکار کرتے ہو؟ آنے والا وقت آئندہ رسول کے ظہور کا وقت ہے، جو مسلمان قوم کی قیامت ہے۔ پہلے ایمان لانے سے حضرت محمدؐ پر ایمان لانا مراد ہے اور ایمان کے بعد کفر کرنے سے آئندہ رسول کا انکار۔ آیت کے پہلے حصّہ سے ظاہر ہے کہ یہ لوگ اسلام سے مرتد نہیں۔ کہ ان کے کفر سے مراد ارتداد عن الاسلام ہو۔ یہ آخری زمانہ کے برائے نام مسلمان ہیں، جو پہلی قوموں کی طرح تفرقہ کر چکے ہیں۔ اور ان کے اختلافات کا فیصلہ کرنے کے لئے سنّت اللہ کے مطابق نیا رسول آتا ہے، جس کا یہ انکار کرتے ہیں۔ اس وقت انہیں کہا جاتا ہے کہ تم وہ قوم ہو، جو اس وقت تک ظاہر ہونے والے سارے رسولوں کو مانتے رہے ہو، کیا اب اس اصول کو ترک کرکے آئندہ رسول کا انکار کرتے ہو؟ اچھا اگر تم کفر سے باز نہیں آتے تو اس کا نتیجہ بھگتو:

فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنتُمْ تَكْفُرُونَ ؕ

۲- سورۂ نحل کی آیات میں یہ بتا کر کہ مسلمان قوم کیونکر باہمی تفرقہ اور اختلافات کے باعث اپنا کاتا ہوا سوت خود توڑ دے گی، بتایا ہے کہ

یوم قیامت میں مسلمانوں کے اختلافات کا فیصلہ کیا جائے گا، ہم دیکھ چکے ہیں، کہ سابقہ قوموں کے فیصلے خدا اسی دنیا میں رسول بھیج کر کرتا رہا ہے اور ظہور رسول پر ہی ہر قوم کی قیامت قائم ہوتی رہی ہے۔ سو مسلمان قوم کی قیامت بھی اسی دنیا میں ہی قائم ہونے والی ہے، جس سے مراد ان کے اختلافات کے فیصلہ کے لئے آئندہ رسول کا ظہور ہے، آگے چل کر انہیں آیات میں ذکر ہے کہ اے مسلمانو! اس وقت تم خدا کی راہ سے لوگوں کو روکنے کی پاداش میں مصیبت کا مزہ چکھو گے اور عذاب عظیم میں گرفتار ہو گے، یہ فقرہ کہ تم اللہ کی راہ سے لوگوں کو روکنے کی پاداش میں گرفتار مصائب ہو گے، نہایت اہم اور قابل غور ہے، یہ کونسی اللہ کی راہ ہے، جس سے مسلمان قوم اس وقت لوگوں کو روکتی ہو گی، مسلمانوں کا لوگوں کو مسلمان ہونے سے روکنا نہ قرین قیاس ہے نہ اس کی کوئی مثال تاریخ میں ہے، ظاہر ہے کہ یہ اللہ کی راہ جس سے اس وقت مسلمان قوم لوگوں کو روکتی ہو گی، نئے پیغمبر کا مذہب ہے جو مسلمان قوم کے اختلافات کا فیصلہ کرنے کے لئے ظاہر ہو گا، سوائے اس کے اور کوئی معنی اس فقرہ کے سمجھ میں نہیں آتے اور یہ آیات آئندہ رسول کے ظہور پر واضح ہیں۔

۳۔ آیۃ استخلاف میں یہ ذکر کر کے کہ مسلمانوں کو اسی طرح خلافت الٰہی دی جائے گی، جیسے سابقہ قوموں کو دی جاتی رہی، آخر پر فرمایا ہے "من کفر بعد ذلک فاولئک ھم الفاسقون" کہ پھر جو کفر کرے گا وہ عہد شکن ہو گا، یہاں کفر سے آئندہ رسول کا انکار مراد ہے نہ کہ اسلام سے انکار، سورۃ نساء والی آیت میں "ان تکفروا" کے الفاظ اور سورۃ محمد والی آیت میں "ان تتولوا" کے الفاظ میں بھی کفر اور روگردانی کا ذکر ہے،

کھلنے کا ذکر بھی ہے اور بگل بجایا جانے، تمام منکروں کے گرفتار فرع ہونے، عاجزی سے فرمانبرداری اختیار کرنے، اور حق کے راستے سے مشکلات کے تمام پہاڑ دور ہو جانے کا بیان بھی ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس وقت پیغمبر ظاہر ہوگا۔ اگر پیغمبر نہ ہوگا تو آیات جن کو جھٹلانے کی وجہ سے مسلمانوں اور باقی تمام قوموں کو سزا دی جائے گی، کس ذریعے سے نازل ہوں گی؟ اتمام حجت کیونکر ہوگا، اور عذاب کا وعدہ کون دے گا؟ جب وعدہ بھی نہ دیا گیا تو پورا کیا ہوگا، اور کونسا نزول مسلمانوں اور باقی قوموں پر واقع ہوگا؟ اگر یہ کہا جائے کہ آیات سے مراد آیات قرآنی ہیں، تو اس زمانے میں جب مسلمان جو حامل قرآن تھے، خود زیر عتاب ہوں گے، اور قرآن ان کے اپنے علم و عمل سے نکل چکا ہوگا، اسے پیش کون کرتا ہوگا کہ اس کو جھٹلانے کی نوبت آتی، ہاں خدا کی تمام کتابیں بنیادی طور پر ایک ہی ہیں اور کسی ایک کو جھٹلانا سب کو جھٹلانا ہے۔ سو یہ صحیح ہے کہ تازہ نازل ہونے والی آیات کے انکار کا سبب بھی قرآن پر سے ایمان و ایقان کا اُٹھ جانا ہی ہوگا، اس طرح انکار آیات میں قرآن کی آیات کا انکار بھی شامل ہے۔ اور اس زمانے میں نازل ہونے والی آیات کا بھی۔

غرض نفخ صور، نزول آیات، مکذبین سے بازپرس، مومنوں اور منکروں کو اپنے اپنے اعمال کا بدلہ ملنے، حق کا راستہ صاف ہو جانے اور سب مخلوق کے عاجزی اور فرمانبرداری اختیار کرنے سے عیاں ہے کہ اس زمانہ میں عظیم الشان پیغمبر کا ظہور ہوگا۔

۵۔ سورۃ بنی اسرائیل رکوع ۶ میں ہے:-

وان من قریۃ الا نحن مہلکوھا قبل یوم القیامۃ

او معذبوھا عذاباً شدیداً اور رکوع ۲ میں ہے ، وما کنا معذبین حتیٰ نبعث رسولا ، پہلی آیت میں قرب قیامت میں ہر بستی کو ہلاک کرنے یا سخت عذاب دینے کا وعدہ ہے اور دوسری آیت میں سنت اللہ بیان فرمائی ہے کہ جب تک رسول بھیج کر اتمام حجت نہ کر لیا جائے ، خدا عذاب نہیں دیا کرتا ، ان دو آیتوں کو ملا کر پڑھنے سے قطعی نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ قرب قیامت میں رسول ظاہر ہوگا ۔

(۶) سورہ زلزال میں ہے :-

اذا زلزلت الارض زلزالھا واخرجت الارض اثقالھا وقال الانسان مالھا ، یومئذ تحدث اخبارھا ، بان ربک اوحیٰ لھا ، یومئذ یصدر الناس اشتاتا لیروا اعمالھم

جب زمین بہ شدت ہلائی جائے گی ، اور وہ اپنے بوجھ باہر نکال دے گی اور انسان کہے گا کہ اسے کیا ہو گیا ، اس دن وہ اپنی خبریں بیان کرے گی بوجہ اس کے کہ رب نے اس کے لئے وحی کی اور اس دن لوگ اپنے اپنے عمل کا بدلہ پانے کے لئے نکل پڑیں گے

ان آیات میں زلزلہ قیامت کا ذکر ہے ، جس سے زمین اپنے دفینے نکال دے گی ، اور علم طبقات الارض کے ذریعہ اپنی کہانی بھی کہہ سنائے گی اور اہل زمین کے دل و دماغ میں بھی ایسی بیداری پیدا ہو گی ، اور علوم اس قدر ترقی کریں گے کہ انسان کہہ اٹھے گا ؎

محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی

اس وقت سب لوگ اپنے عمل کا بدلہ پانے کے لئے اکٹھے کھڑے ہوں گے ، یہ مادی ، علمی اور روحانی انقلاب جو دنیا کو نئی دنیا بنا دے گا ، کیونکہ

وجود میں آئے گا؟ "بان ربك اوحی لها" یہ سارا انقلاب وحی
الٰہی سے ہوگا جو اہل ارض کے فائدے کے لئے کی جائے گی، دیکھئے
... قیامت کا ذکر کیا ہے، ساتھ ہی یہ بھی ذکر کیا ہے کہ اس وقت وحی
الٰہی ہوگی، اور ظاہر ہے کہ وحی پیغمبر کے ذریعہ ہی ہوتی ہے واضح ہو کہ اوحی لها
فرمایا ہے اوحی الیها نہیں فرمایا اس لئے اس کے معنی یہ نہیں ہو سکتے ہیں کہ خدا زمین کو
وحی کرے گا، بلکہ یہ معنی ہیں کہ خدا اہل زمین کے فائدہ کے لئے وحی کرے
گا، پس قیامت میں پیغمبر اور وحی الٰہی کا ہونا ثابت ہے۔

وقد اتيناك من لدنا
ذكراً - من اعرض عنه
فانه يحمل يوم القيامة
وزراً - خلدين فيه
وساء لهم يوم القيمة
حملا - يوم ينفخ في الصور
ونحشر المجرمين يومئذ زرقا
يتخافتون بينهم ان
لبثتم الا عشرا - نحن
اعلم بما يقولون اذ
يقول امثلهم طريقة ان
لبثتم الا يوما - ويسئلونك
عن الجبال فقل ينسفها ربي
نسفا - فيذرها قاعا

ہم نے تجھے اپنے پاس سے ذکر عطا
کیا ہے جو اس سے منہ پھیرے گا،
وہ قیامت کے دن بوجھ اٹھائے
گا، اسی میں ہمیشہ رہیں گے اور قیامت
کے دن ان کا بوجھ برا ہوگا، اس
دن بگل بجایا جائے گا اور ہم مجرموں
کو اس دن اندھا محشور کریں گے وہ
آپس میں سرگوشیاں کریں گے کہ تم
صرف دس دن ٹھہرے ہو، ہم خوب
جانتے ہیں جو وہ کہیں گے، جب کہے گا
ان میں سب سے زیادہ اچھا ہوا کہ تم
صرف ایک دن ٹھہرے تھے، تجھ سے پہاڑوں
کے متعلق پوچھتے ہیں کہہ کہ خدا ان کو جڑ
سے اکھاڑ کر بکھیر دے گا، اور ان کو

صفصفا لا ترى فيها عوجا ولا امتا - يومئذ يتبعون الداعي لا عوج له وخشعت الاصوات للرحمن فلا تسمع الا همسا - يومئذ لا تنفع الشفاعة الا من اذن له الرحمن ورضي له قولا -

(طٰہٰ - ع ۶)

ہموار میدان کر دے گا۔ نہ تو ان میں کوئی کجی دیکھے گا نہ بلندی و پستی، اس دن دعوت دینے والے کی پیروی کریں گے، جس میں کوئی کجی نہیں اور رحمان کے سامنے آوازیں دھیمی ہو جائیں گی، تو صرف ہلکی آواز سنے گا۔ اس دن شفاعت کوئی فائدہ نہ دے گی، سوائے اس کے جس کے لئے رحمن اجازت دے اور اپنے حضور میں اس کا بولنا پسند فرمائے۔

ان آیات میں بتایا ہے کہ قیامت کے روز جب بگل بجایا جائے گا، مجرموں کو اکٹھا کیا جائے گا، وہ آپس میں گلہ کریں گے کہ ہم صرف دس صدیاں ٹھہرنے پائے ہیں کہ قیامت قائم ہو گئی ہے، اس کا جواب دیا ہے کہ تم ایک دن یعنی ہزار سال کی میعاد جو بروئے آیۂ کریمہ ثم یعرج الیہ فی "یوم کان مقدارہ الف سنۃ مما تعدون" تمہارے لئے مقرر تھی، پوری کر چکے ہو، تمہارا گلہ فضول ہے۔ اس کے آگے ساتھ تو یوم قیامہ میں بلانے والے رسول اور اس کی عظیم الشان کامیابی کا ذکر ہے، کہ جو مشکلات کے پہاڑ عالمگیر روحانی احیا کے راستہ میں ہیں انہیں اڑا کر صاف کر دیا جائے گا، اس وقت خدا کی طرف بلانے والے کی پیروی کریں گے، ساری سرکشی دور ہو کر آوازیں رحمن کے حضور دھیمی پڑ جائیں گی۔ اور اس وقت خدا کے اذن کے سوا کسی کی شفاعت کام نہ آسکے گی۔

اچھی طرح غور کر کے دیکھیں، تدبیر امر سے ہزار سال بعد آنے والے زمانہ کا نہ صرف نام ہی یوم القیمہ رکھا ہے، بلکہ بگل بجایا جانا، مجرموں کو اکٹھا کرنا، پہاڑوں کا اُڑایا جانا، زمین کا ہموار چٹیل میدان بن جانا، آوازوں کا خدا کے حضور دھیما پڑ جانا، بلا اجازت شفاعت کا کام نہ آنا سارا نقشہ قیامت کا ہے اور لطف یہ ہے کہ عین اسی روز میں خدا کی طرف بلانے والے رسول اور اس کی عظیم الشان کامیابی کا ذکر بھی ساتھ ہی کیا۔ جب خدا کہتا ہے کہ تدبیر امر سے ہزار سال بعد قیامت ہوگی اور اسی دن میں رسول ظاہر ہوگا، تو کسی کو کیا حق ہے کہ وہ یہ کہے کہ رسول آ سکتا ہی نہیں سکتا اور قیامت فنائی عالم کے بعد آئے گی؟

۸۔ سورہ فجر میں ہے:۔

والفجر ولیال عشر والشفع والوتر والیل اذا یسر هل فی ذلک قسم لذی حجر ...... کلا اذا دکت الارض دکا دکا وجاء ربک والملک صفا صفا وجیئ یومئذ بجهنم ...... یا ایتها النفس المطمئنة ارجعی الی ربک راضیة مرضیة فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی (فجر)

گواہ ہیں فجر اور دس راتیں اور جفت اور طاق اور رات جب چلی جائے ...... جب زمین کوٹ کوٹ کر برابر کر دی جائے گی اور تیرا رب آئے گا اور فرشتے صف بستہ کھڑے ہو جائیں گے جہنم پیش ہوگی ...... اے نفس مطمئنہ اپنے رب کی طرف لوٹ آ، تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی ہے۔ میرے بندوں میں داخل ہو جا۔ اور میری جنت میں داخل ہو جا۔

دک ارض کے معنی پہلے بیان ہو چکے ہیں، رب کے آنے سے مراد ظہور پیغمبر ہے، جو مظہر ظہور الٰہی ہوتا ہے، جہنم اور جنت مسلمہ طور پر احوال قیامت میں سے ہیں، خدا کے بندوں میں داخل ہونے سے مراد ایمان لاکر پیغمبر کی جماعت میں داخل ہونا ہے اور یہی خدا سے راضی ہونا ہے، کیونکہ جو خدا کے حکم سے جو پیغمبر کے ذریعہ آتا ہے راضی ہوتا اور اسے پسند کرتا ہے، وہی ایمان لاتا ہے، جب بندہ خدا سے راضی ہو کر اور ایمان لاکر پیغمبر کی جماعت میں داخل ہوتا ہے، تو خدا اُس سے راضی ہو کر اس کی بندگی کی وجہ سے اسے جنت میں داخل کرتا ہے، اس سے معلوم ہوا، کہ قیامت کے روز صرف جنت میں داخل ہی نہیں ہونا ہے کہ عام خیال ہے، بلکہ اس روز پیغمبر مبعوث ہوتا ہے، خدا کے بندوں میں داخل ہونے کی دعوت دیتا ہے، پھر جو اس دعوت کو قبول کر کے پیغمبر کی جماعت میں داخل ہوگا، اس نے جنت میں داخل ہونا ہے۔ پس یہ مضمون سورہ طٰہٰ کے مضمون سے ملتا ہے، وہاں بتایا ہے کہ قیامت شریعہ زوال اسلام سے ہزار سال بعد قائم ہوگی، تو یہاں شفع اور وتر اور دس راتوں کے بعد رات کے جاتے رہنے، قیامت قائم ہونے مظہر ظہور الٰہی کے مبعوث ہونے، اس کے سینا اس کے لئے جہنم بپا ہونے اور ایمان لانے والوں کو جنت میں داخل کرنے کا ذکر ہے۔ پس کچھ شک نہیں، کہ شفع اور وتر سے [illegible] اسلام کی تین صدیاں اور دس راتوں سے زوال اسلام کی دس صدیاں مراد ہیں، جن کے بعد جہالت کی رات جاتے رہنے اور عالمگیر پیمانہ پر روحانی احیائے ملت کا ذکر ہے۔ غرض قیامت کو ابتدائے اسلام سے قریباً تیرہ صدیاں بعد قائم ہونا ہے یعنی چودھویں صدی کا نام قیامت ہے۔

۹- سورۃ ق میں ہے۔ واستمع یوم ینادِ المناد من مکان

قریب - یوم یسمعون الصیحۃ بالحق ذلک یوم الخروج" کہ منادی کرنے والے کی آواز سننے کے لئے کان لگائے رہنا، جو مکان قریب سے ندا بلند کرے گا۔ جس دن وہ سچائی کی آواز سنیں گے وہی مردوں کے جی اُٹھنے کا دن ہے۔ اس آیت میں مکان قریب سے مراد بیتُ المقدس لیا گیا ہے اور منادی کرنے والے سے جبرئیل جو قیامت بپا کرنے کے لئے وہاں سے آواز بلند کرے گا، سورۂ آلِ عمران میں ہے "انا سمعنا منادیا ینادی للایمان ان آمنوا" یو یکھو کہ ہم نے منادی کرنے والے کو سنا جو یہ منادی کرتا ہے کہ اپنے رب پر ایمان لاؤ، یہاں منادی کرنے والے سے مراد پیغمبر ہے، پس سورۂ ق والی آیت میں بھی منادی کرنے والے سے پیغمبر ہی مراد ہے، جو روزِ قیامت میں مبعوث ہوگا، اور ایمان کی دعوت دے گا۔

پیغمبر کی آواز بھی جبرئیل کی آواز ہی ہوتی ہے، کچھ شک نہیں کہ اس آیت میں بیت المقدس کے قریب رسول کے ظاہر ہونے اور حشر بپا ہونے کا ذکر ہے،

بیت المقدس کے ماحول میں پیغمبر ظاہر ہونے کا پتہ آیاتِ ذیل سے بھی لگتا ہے :-

سبحان الذی اسریٰ بعبدہٖ لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی الذی بارکنا حولہ لنریہٗ من آیاتنا -

(بنی اسرائیل ع۱)

پاک ہے وہ جو اپنے بندے کو مسجد حرام سے بیت المقدس کو رات کے وقت لے گیا، جسکے ماحول کو ہم نے بابرکت بنایا، تاکہ اسکو اپنی آیات دکھلائیں۔

ولقد رآه نزلة اخرى عند سدرة المنتهى عندها جنة المأوى - اذ يغشى السدرة ما يغشى - ما زاغ البصر وما طغى - لقد رأى من آيات ربه الكبرى
(نجم ع ۱)

اس نے اُسے دوسری دفعہ نازل ہوتے دیکھا، سدرۃ المنتہیٰ پر اس کے پاس جنت ہے جو جائے قرار ہے جب سدرہ پر چھا رہا تھا جو چھا رہا تھا نہ آنکھ پھری نہ حد سے بڑھی بے شک اس نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔

پہلی آیت میں ذکر ہے کہ خدا رسول اللہ کو شب معراج میں بیت المقدس لے گیا، جس کے ماحول کو خدا نے برکت دی ہے، تاکہ آنحضرتؐ کو اپنی آیات دکھائے۔

سورہ نجم میں یہ بتانے کے بعد کہ رسول اللہؐ کو جبرئیل نے تعلیم دی ہے (علمہ شدید القویٰ) جسے آنحضرتؐ نے اُفق اعلیٰ پر دیکھا (وھو بالافق الاعلیٰ) آیات زیر بحث میں فرمایا کہ آنحضرتؐ نے جبرئیل کو دوسری بار یعنی جو آنحضرتؐ پر جبرئیل کا نزول ہوا، اس کے علاوہ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس نازل ہوتے دیکھا، جس کے پاس جنت ہے، اور کہ آنحضرتؐ کو اس میں کوئی غلط فہمی نہیں ہوئی، تو واقعی آنحضرتؐ نے جبرئیل کو دوسری بار نازل ہوتے دیکھا ہے اور اس نزول میں اپنے رب کے بڑے بڑے نشان دیکھے ہیں۔

سورہ بنی اسرائیل اور سورۃ نجم کی دونوں آیتوں میں خدا کی آیات دکھانے کا ذکر ہے، اور یہ آیات جبرئیلؑ کے نزول ثانی کی آیات ہی ہیں، جو آپ کے بعد بیت المقدس کے ماحول میں ظاہر ہونے والے پیغمبر پر نزول ہے۔ اسی نزول

جبرئیلؑ اور ظہور پیغمبر کی وجہ سے بیت المقدس کے ماحول کو بنی اسرائیل والی پیشگوئی میں بابرکت بتایا ہے۔ ورنہ بیت المقدس کو جو برکت حضرت موسیٰؑ کی وجہ سے دی گئی تھی وہ تو یہودیوں کے بگڑ جانے اور بیت المقدس کے برباد ہو جانے سے (ولیدخلوا المسجد کما دخلوہ اول مرۃ ولیتبروا ما علوا تتبیرا (بنی اسرائیل ع ۱) چھین لی گئی تھی، ماسوائے اس کے سورۂ بنی اسرائیل کی آیت میں بیت المقدس کے ماحول کو برکت دینے کا ذکر ہے نہ کہ خود بیت المقدس کو، آنحضرتؐ کے وقت میں مکہ معظمہ کو برکت حاصل تھی، جہاں خدا کا رسول تھا نہ کہ بیت المقدس یا اس کے ماحول کو، سو بیت المقدس کے ماحول کے لیے اس وقت بارکنا کا لفظ استعمال کرنے اور آنحضرتؐ کو اپنی آیات دکھانے کے لیے وہاں لے جانے کا مطلب یہی تھا کہ بیت المقدس کے ماحول میں آپ کے بعد ایک زمانہ میں جبرئیل کا نزول اور پیغمبر کا ظہور ہونے والا تھا جس کے ظہور سے وہاں قیامت قائم ہونی تھی، اور نسل انسانی کو جنت میں داخل ہونا تھا۔ وہی پیغمبر سدرۃ المنتہیٰ ہے۔

۱۰ ۔ مسلمانوں کا پرانا عقیدہ بھی یہی ہے کہ حضرت عیسیٰؑ مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) کے قریب منارہ دمشق پر نزول فرمائیں گے، اور وہ قیامت کا نشان ہوں گے، یعنی ان کے ساتھ ہی قیامت برپا ہوگی، اور اس عقیدہ کی بنیاد قرآن کی اس آیت پر ہے۔

ولما ضرب ابن مریم مثلاً اذا قومک منہ یصدون ............ ان ھو الا عبد انعمنا علیہ وجعلناہ

کہ جب ہم نے ابن مریم کو بطور نشان بیان کیا۔ تو تیری قوم چلا اٹھی۔ ...... وہ صرف ایک بندہ ہے جس پر ہم نے انعام کیا

مثلا لبنی اسرائیل - ولو نشاء لجعلنا منکم ملائکة فی الارض یخلفون وانه لعلم للساعة فلا تمترن بها واتبعون ؕ

(زخرف ع ۶)

اور جسے ہم نے بنی اسرائیل کے لئے نمونہ بنایا۔ اور اگر ہم چاہیں، تو تم میں سے فرشتے پیدا کردیں، جو زمین میں تمہارے جانشین ہوں، اور وہ (ابن مریم) ساعت کا نشان ہے پس ساعت کے بارہ میں مت جھگڑو اور میری پیروی کرو۔

مسلمان تیرہ سو سال سے مانتے آئے ہیں، کہ ان آیات میں حضرت مسیح علیہ السلام کے نزول ثانی کا ذکر ہے، جس کے ساتھ ہی قیامت قائم ہوگی، اور یوں حضرت مسیح قیامت کا نشان ہیں۔ اب بعض علماء نے یہ معنی کرنا شروع کئے ہیں، کہ اس قیامت سے مراد بنی اسرائیل کی قیامت تھی، جو حضرت عیسےٰ کے پہلے ظہور پر قائم ہوئی، اور جس میں بنی اسرائیل کے کفر کی وجہ سے خلافت الٰہی ان سے چھین دی گئی، اگرچہ یہ بات بجائے خود درست ہے، آیت زیر بحث کا مطلب یہ نہیں، کیونکہ اس کے ساتھ یہ لفظ ہیں کہ قیامت کے بارہ میں جھگڑا اور شک نہ کرو۔ اور ان الفاظ کا مخاطب رسول اللہ کا مخاطب ہے۔ جو آنے والی قیامت میں شک رکھتا ہے، نہ حضرت عیسےٰ کے پہلے ظہور اور اس کے نتائج میں، جو ماضی میں واقع ہوچکے تھے، پس اصل بات یہی ہے، کہ حضرت مسیح کی آمد قیامت کبریٰ کا نشان ہے، جس کے مسلمان منتظر ہیں، انسانوں میں سے فرشتے پیدا کرنے کا جو ذکر کیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسےٰ کے نزول ثانی میں نسل انسانی عدل و انصاف، اخوت و محبت کا ایسا اظہار کرے گی کہ فرشتوں کی سی سیرت و خصلت حاصل کرے گی۔

یعنی ایسا انقلاب عظیم ہو گا کہ گویا انسانوں نے فرشتوں کی نسل پیدا ہو گئی پس اس آیت کی رو سے اور مسلمانوں کے پرانے عقیدہ کی رو سے بھی قیامت کے آگے آگے رسول کا جسے مسیح کی آمد ثانی کہا جاتا ہے ظہور ہوتا ہے۔

۱۰ - قیامت کبریٰ کب اور کیوں کر قائم ہو گی :-

فاذا جاء وعد ربي جعله دكاء وكان وعد ربي حقا ۝ وتركنا بعضهم يومئذ يموج في بعض ونفخ في الصور فجمعناهم جمعا ۝ وعرضنا جهنم يومئذ للكافرين عرضا ۝ الذين كانت اعينهم في غطاء عن ذكري وكانوا لا يستطيعون سمعا ۝
(کہف ع ۱۱)

پس جب میرے رب کا وعدہ آ جائے گا تو دیوار گر جائے گی اور میرے رب کا وعدہ سچا ہے، اس روز ہم ان میں سے بعض کو بعض میں موجیں مارتے ہوئے چھوڑ دیں گے اور بگل بجایا جائے گا، اور ان کو اکٹھا کیا جائے گا، اور کافروں کے سامنے جہنم پیش کر دی جائے گی - جن کی آنکھیں میرے ذکر سے اندھی اور کان ناشنوا تھے،

ان هذه امتكم امة واحدة وانا ربكم فاعبدون ۝ وتقطعوا امرهم بينهم ۝ كل الينا راجعون ۝ فمن يعمل من الصالحات وهو مومن فلا كفران لسعيه ۝ وانا

یہ تمہاری جماعت ایک ہی جماعت ہے، اور میں تمہارا رب ہوں پس میری عبادت کرو - لوگوں نے اپنے امر کو اپنے درمیان ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا، تمام کو ہمارے حضور حاضر ہونا ہے، جو نیکی کرتا ہے اور مومن ہے

لہٗ کاتبون ۰ وحرام علیٰ
قریۃ اھلکنٰھا انھم لا یرجعون
حتّٰی اذا فتحت یاجوج و
ماجوج وھم من کل حدب
ینسلون ۔ واقترب الوعد
الحق فاذا ھی شاخصۃ
ابصار الذین کفروا یٰویلنا
قد کنا فی غفلۃ من ھذا
بل کنا ظٰلمین ۔ انکم وما
تعبدون من دون اللّٰہ
حصب جہنم ۰ انتم لھا
واردون ۰ لو کان
ھٰؤلاء اٰلھۃ ما وردوھا
وکل فیھا خٰلدون لھم فیھا زفیر وھم
فیھا لا یسمعون ۰ ان الذین
سبقت لھم منا الحسنیٰ
اولٰئک عنھا مبعدون ۰
لا یسمعون حسیسھا ۰ وھم فی
ما اشتھت انفسھم خٰلدون
لا یحزنھم الفزع الاکبر
وتتلقّٰھم الملٰئکۃ ۰ ھٰذا

اس کی کوشش کی ناشکری نہیں کی
جاتی اور ہم اسے لکھ لیتے ہیں اور
جس بستی کو ہم ہلاک کر دیں،
اس پر حرام ہے کہ وہ اپنی پہلی حالت
پر واپس آئے یہاں تک کہ جب یاجوج
و ماجوج کھولے جائیں گے اور وہ ہر بلندی
سے نکل پڑیں گے، اور سچا وعدہ قریب
آ جائے گا، تو کافروں کی آنکھیں خیرہ
ہو جائیں گی، (کہیں گے) ہائے افسوس
ہے ہم پر کہ ہم اس سے غفلت میں
تھے بلکہ ہم ظالم تھے، (انہیں کہا جائے گا)
کہ تم اور جن کی تم اللہ کے سوا عبادت
کرتے ہو جہنم کا ایندھن ہیں، تم اس
پر وارد ہونے والے ہو، اگر یہ لوگ
معبود ہوتے تو اس پر نہ وارد ہوتے
اور سب اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں
ان کے لئے وہاں چیخنا چلانا ہے، اور
سن کچھ نہیں سکتے، جن لوگوں کو نیکی
کی توفیق ملی ۔ وہ اس سے دور
رکھے جائیں گے وہ اس کی آہٹ
بھی نہ سنیں گے، اور ہمیشہ ان کے

يومكم الذي كنتم توعدون
يوم نطوي السماء كطي السجل
للكتب ۰ كما بدانا اول
خلق نعيده ۰ وعدا
علينا ۰ انا كنا فعلين
ولقد كتبنا في الزبور من
بعد الذكر ان الارض
يرثها عبادي الصلحون ۰
ان في هذا لبلغا لقوم
عبدين ۰

(انبیاء - ع ۷)

يايها الناس اتقوا ربكم
ان زلزلة الساعة شيء
عظيم ۰ يوم ترونها تذهل كل
مرضعة عما ارضعت وتضع
كل ذات حمل حملها وترى
الناس سكرى وما هم
بسكرى ولكن عذاب الله
شديد ۰ . . . . . . .
يايها الناس ان كنتم في
ريب من البعث فانا خلقنكم
من تراب ثم من نطفة

حسب پسند ہو گی، بڑی گھبراہٹ
انہیں غمگین نہیں کرے گی، اور فرشتے ان
سے ملاقات کریں گے، یہ وہ دن ہے،
جس کا تم کو وعدہ دیا جاتا تھا، اس روز
ہم آسمان کو لپیٹ لیں گے، جس طرح
منشی اپنا دفتر لپیٹ لیتا ہے جیسے ہم نے
پہلی مخلوق کو پیدا کیا، اسے واپس بلا لیں گے
یہ وعدہ ہے جس کا پورا کرنا ہم پر فرض ہے۔
اور ہم کرنے والے ہیں اور زبور میں ہم نے
ذکر کے بعد لکھا کہ زمین کے وارث میرے صالح
بندے ہوں گے، اس میں فرمانبردار بندوں
کے لئے پیغام ہے۔

اے لوگو! خدا سے ڈرو، ساعت کا زلزلہ
بڑی خطرناک چیز ہے، جس روز تم اسے دیکھو گے
ہر دودھ پلانے والی اسے بھول جائے گی،
جسے اس نے دودھ پلایا اور ہر ایک بوجھ والی اپنا
بوجھ رکھ دے گی۔ اور تو لوگوں کو مدہوش
دیکھے گا، حالانکہ وہ مدہوش نہیں ہوں گے
لیکن خدا کا عذاب سخت ہو گا۔ . . . . . .
اے لوگو! اگر تم اُٹھ کھڑے ہونے سے شک
میں ہو، تو ہم نے تم کو مٹی سے پیدا کیا پھر
نطفہ سے، پھر لوتھڑے، پھر گوشت کے
ٹکڑے سے، جو کبھی پورا بنتا ہے اور کبھی پورا

ثم من علقة ثم من مضغة
مخلقة وغير مخلقة لنبين
لكم، ونقر في الارحام ما
نشاء الى اجل مسمى ثم نخرجكم
طفلا ثم لتبلغوا اشدكم ج
ومنكم من يتوفى ومنكم
من يرد الى ارذل العمر لكيلا
يعلم من بعد علم شيئا وترى
الارض هامدة فاذا انزلنا
عليها الماء اهتزت وربت
وانبتت من كل زوج بهيج
ذلك بان الله هو الحق و
انه يحي الموتى وانه على كل
شيء قديره وان الساعة
اٰتية لا ريب فيها وان
الله يبعث من في القبور ه
. . . . . . . . ان الذين
امنوا والذين هادوا والصابئين
والنصارى والمجوس والذين
اشركوا ان الله يفصل بينهم
يوم القيامة، ان الله على
كل شيء شهيد ه
( حج ع ½ )

نہیں بنتا ہے تاکہ تمہارے لیے کھول کر بیان
کر دیں، اور ہم رحموں میں ٹھہراتے ہیں، جو
چاہتے ہیں، مقررہ وقت تک، پھر تم کو
بچہ کی صورت میں نکالتے ہیں، پھر نشو ونما
دیتے ہیں تاکہ تم اپنے کمال کو پہنچو، اور تم
میں سے کوئی وفات پاتا ہے، اور تم میں
سے کوئی نکمی عمر کی طرف لوٹایا جاتا ہے تاکہ
وہ سارا سیکھا سکھایا بھول جائے - اور تو
زمین کو بے آب وگیاہ دیکھتا ہے، جب
ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو لہلہاتی ہے
اور نشو ونما پاتی ہے اور ہر قسم کی خوش
نباتات اگاتی ہے، یہ اس لئے کہ خدا حق
ہے اور مردوں کو زندہ کرتا ہے اور ہر شئی پر
قادر ہے اور ساعت آنے والی ہے اس میں
کچھ شک نہیں، اور خدا ان کو جو قبروں میں
ہیں اٹھائے گا . . . . . . . .
. . . . جو لوگ ایمان لائے اور جو یہودی
ہوئے اور صابی اور نصاری اور مجوسی
اور مشرک، سب کے درمیان خدا قیامت
کے دن فیصلہ کرے گا، اور اللہ ہر چیز
پر گواہ ہے -

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ
وَالْاَرْضُ جَمِیْعًا قَبْضَتُهٗ یَوْمَ
الْقِیٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِیّٰتٌ بِیَمِیْنِهٖ
سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ۝
وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِی
السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ
اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ۝ ثُمَّ نُفِخَ
فِیْهِ اُخْرٰی فَاِذَا هُمْ قِیَامٌ
یَّنْظُرُوْنَ ۝ وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَوُضِعَ
الْكِتٰبُ وَجِایْٓءَ بِالنَّبِیّٖنَ
وَالشُّهَدَآءِ وَقُضِیَ بَیْنَهُمْ بِالْحَقِّ
وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ۝ وَوُفِّیَتْ
كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُوَ اَعْلَمُ
بِمَا یَفْعَلُوْنَ ۝ وَسِیْقَ الَّذِیْنَ
كَفَرُوْٓا اِلٰی جَهَنَّمَ زُمَرًا حَتّٰۤی اِذَا
جَآءُوْهَا فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا
وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ یَاْتِكُمْ
رُسُلٌ مِّنْكُمْ یَتْلُوْنَ عَلَیْكُمْ
اٰیٰتِ رَبِّكُمْ وَیُنْذِرُوْنَكُمْ
لِقَآءَ یَوْمِكُمْ هٰذَا قَالُوْا
بَلٰی وَلٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ
عَلَی الْكٰفِرِیْنَ ۝ قِیْلَ ادْخُلُوْٓا
اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا

اور مشرکوں نے خدا کی کما حقہٗ قدر نہیں
کی، اور قیامت کے روز ساری زمین
خدا کے قبضۂ اقتدار میں ہوگی، قیامت
کے روز سوائے خدا کے کسی کو کچھ اختیار نہ
ہوگا اور عالمگیر انقلاب ہوگا، وہ پاک
و برتر ہے، اس سے جو وہ شرک کرتے
ہیں اور بگل بجایا جائے گا، تو زمین
اور آسمانوں والے سب بے ہوش ہو جائیں
گے، سوائے اس کے جسے اللہ چاہے گا۔
پھر دوسری بار بگل بجایا جائے گا، تو وہ
کھڑے دیکھتے ہوں گے، اور زمین اپنے
رب کے نور سے چمک اٹھے گی، اور کتاب
رکھ دی جائے گی، اور نبیوں اور شہیدوں
کو لایا جائے گا۔ اور لوگوں کے درمیان
انصاف سے فیصلہ کیا جائے گا، ان پر کچھ
ظلم نہیں ہوگا، اور ہر شخص کو اس کے کئے کا
پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ اور وہ خوب
جانتا ہے جو وہ کرتے ہیں، اور منکروں کو
گروہ در گروہ جہنم کی طرف ہانکا جائے گا،
یہاں تک کہ جب اس تک پہنچیں گے
اس کے دروازے کھول دیئے جائیں
گے، اور جہنم کے داروغے انہیں کہیں گے
کیا تمہارے پاس تم میں سے خدا کے

فبئس مثوی المتکبرین ۝
وسیق الذین اتقوا ربهم
الی الجنة زمرا - حتیٰ اذا
جاءوها وفتحت ابوابها
وقال لهم خزنتها سلٰم علیکم
طبتم فادخلوها خٰلدین ۝
وقالوا الحمد للہ الذی صدقنا
وعدہ واورثنا الارض نتبوا
من الجنة حیث نشاء، فنعم
اجر العٰملین ۝ وتری الملئکة
حافین من حول العرش
یسبحون بحمد ربهم، وقضی
بینهم بالحق، وقیل الحمد
للہ رب العٰلمین ۝
(زمر ع ۸)

رسول نہ آئے۔ جو تمہیں تمہارے رب کی
آیات سناتے اور آج کے دن سے ڈراتے
وہ کہیں گے کیوں نہیں؟ لیکن کافروں
کے خلاف عذاب کا حکم صحیح ہو کر رہا،
کہا جائے گا، جہنم کے دروازوں سے
داخل ہو جاؤ، اس میں ہمیشہ رہو گے،
متکبروں کا ٹھکانا بُرا ہے، خدا سے
ڈرنے والوں کو جماعتوں کی صورت میں
جنت کی طرف لے جایا جائے گا۔ جب
اس تک پہنچ جائیں گے، اور اس کے
دروازے کھول دیے جائیں گے اور جنت کے
کارکن ان سے کہیں گے، تم پر سلامتی ہو
اور خوش رہو، اس میں زندگی بسر کرو،
وہ کہیں گے، شکر ہے، اللہ کا جس نے
اپنا وعدہ ہم سے پورا کیا اور زمین کا
وارث بنایا۔ اب اس جنت میں ہم جہاں چاہتے ہیں، مکان بناتے ہیں۔ کیا اچھا
بدلہ ہے کام کرنے والوں کا، اور فرشتے عرش کے گرد حلقہ باندھے ہوں گے، وہ اپنے
رب کی تعریف میں مشغول ہوں گے اور ان کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کیا گیا۔ اور
سب تعریفیں خدا کی طرف منسوب کی جائیں گی۔

قال رب فانظرنی الی یوم یبعثون
قال فانک من المنظرین الی
یوم الوقت المعلوم ۝
(حجر ع ۳)

شیطان نے کہا مجھے ان کی بعثت کے روز
تک مہلت دیجیے۔ خدا نے فرمایا تم کو
اس مقررہ وقت تک مہلت دی جاتی
ہے۔

ویوم تقوم الساعة یقسم المجرمون، ما لبثوا غیر ساعة کذلک کانوا یؤفکون ۝ وقال الذین اوتوا العلم والایمان لقد لبثتم فی کتاب اللہ الی یوم البعث فھذا یوم البعث ولکنکم کنتم لا تعلمون ۝

(روم ع ۶)

اور جب ساعت بپا ہوگی، مجرم قسمیں کھا کھا کر کہیں گے، کہ وہ ایک گھنٹہ سے زیادہ نہیں ٹھہرے، یہ پہلے بھی ایسی ہی بہکی بہکی باتیں کرتے تھے، اور اہل علم و ایمان کہیں گے۔ کہ خدا کی کتاب کے مطابق تم یوم بعث تک ٹھہرے ہو یہی تو یوم البعث ہے لیکن تم بے علم تھے۔

سورۂ کہف میں فرمایا ہے، کہ جب خدا کے وعدہ کا وقت آجائے گا۔ دیوار یاجوج ماجوج گر جائے گی، بگل بجایا جائے اور لوگوں کو خدا کے حضور حاضری کے لیے اکٹھا کیا جائے گا، ذکر سے اندھوں بہروں کے سامنے جہنم پیش کر دی جائے گی، سورۂ انبیاء میں یہ ذکر زیادہ مفصل ہے، وہاں حضرات موسیٰ ابراہیم۔ لوط، نوح، داؤد، سلیمان، ایوب، اسمٰعیل، ادریس، ذالکفل، یونس، ذکریا، عیسیٰ علیہم السلام کا ذکر کرکے یہ کلیہ اخذ کیا ہے، کہ تمام پیغمبر ایک جماعت ہیں، اور سب کے ذریعہ خدائے واحد کی عبادت کا ایک ہی حکم دیا جاتا ہے، تاکہ لوگ ایک خدا کے ایک حکم کی پیروی کرکے ایک ہو کر رہیں، انہیں حکم کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالتی ہیں یعنی تفرقہ کرکے خود ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتی ہیں تو ان کی خدا کے حضور پیشی ہوتی ہے جو حکم کو مانتے ہیں، ان کی کوشش رائگاں نہیں جاتی، اس سے عالم کی تدریجی ترقی ہوتی رہتی ہے، جو قومیں انکار کرتی ہیں، انہیں مٹا دیا جاتا ہے اور دوبارہ وہ اٹھنے نہیں پاتیں، قوموں کا اس طرح نافرمانی کرکے ہلاک ہوتے رہنا اور دوبارہ زندہ نہ ہو سکنا ہمیشہ کے لیے نہیں، یہ اس وقت تک ہے جب تک کہ یاجوج ماجوج نہیں کھلتے، اور خدا کا وعدہ نہیں آپہنچتا، چنانچہ کہ وہ وقت آپہنچتا ہے، خدا کے حکم کا انکار کرنے والوں کی آنکھیں خیرہ ہو

ہو جائیں گی، اور انہیں جہنم کا ایندھن بنا دیا جائے گا، اس میں وہ بھنیں گے
اور جلائے جائیں گے، لیکن نسلیں آگے نہیں، سابقہ زمانوں میں تو ایک وقت ایک قوم
ہلاک ہوتی تھی، تو دوسری زندہ ہو کر اسکی جگہ لیتی تھی اور دوسرے وقت میں
دوسری قوم ہلاک ہوتی تھی تو تیسری زندگی پا کر اس کی جانشین بنتی تھی
لیکن اس وقت ایسا عالمگیر انقلاب ہوگا کہ دنیا بھر سے نافرمانوں کو ہلاک کر کے
پھر وطن اور ہر قوم کو زندہ کر دیا جائے گا، گویا پہلی نافرمان مخلوق کو کلیتہً واپس
پا کر نیا جہان بپا ہوگا، صالح بندوں کو عالم بھر میں زمین کا وارث بنا دینے کا
وعدہ جو خدا کے ذمہ چلا آتا تھا، اور جو پیغمبروں کے پیغام کا منتہائے نظر تھا،
اس روز پورا ہو جائے گا۔

۲۔ اگر یہاں فرمایا ہے کہ قوموں کا نافرمانی کر کے ہلاک ہوتے رہنا اور پھر زندگی
کی طرف نہ لوٹ سکنا ہمیشہ کے لئے نہیں، ایک مقررہ وقت تک ہے تو سورہ الحجر
کی آیت میں فرمایا ہے کہ شیطان کو ایک مقررہ وقت مہلت ملی ہوئی ہے، جو نسل
انسانی کے روحانی طور پر جی اٹھنے کا وقت ہے، اس وقت شیطان کا خاتمہ
ہو جائے گا، آخری زمانہ میں حضرت مسیح علیہ السلام کے ہاتھ سے دجال کے قتل
ہونے سے بھی یہی مراد ہے، کہ اس وقت شیطان کی مہلت پوری ہو جائے گی،
اور دجل فریب، بے ایمانی ہر قسم کی بدی کا دنیا بھر سے ناس ہو کر ست جگ اپنی
سچائی کا جہان بپا ہوگا، شیطان یا دجال کے خاتمہ اور نسل انسانی کے روحانی طور
زندہ ہونے کا وہی وقت ہے، جس کا ذکر سورۂ کہف اور سورۂ انبیاء میں ہے، اور
جس میں ساری ہلاک شدہ قوموں کا زندہ ہو جانا بتایا ہے۔ اس کے علاوہ سورۂ
انبیاء کے ذکر کو جاری رکھتے ہوئے سورہ حج میں صاف طور پر بتا دیا ہے کہ یہی
زلزلہ ساعت ہے۔ یہی یوم بعث ہے اور یہی قیامت ہے، جس میں خدا مسلمانوں
یہودیوں، صابیوں عیسائیوں مجوسیوں اور تمام مشرکوں کا فیصلہ کرے گا۔

۳۔ یہی بیان سورۂ زمر میں ہے، سورۂ کہف اور سورۂ انبیاء کے بیان کا ایک

طرف اور سورۂ زمر کے بیان کا دوسری طرف ملاحظہ فرمائیے :-

| نمبر شمار | سورۂ کہف یا سورۂ انبیاء میں ہے | سورۂ زمر میں ہے |
| --- | --- | --- |
| ۱ | بگل بجایا جائے گا | بگل بجایا جائے گا۔ |
| ۲ | ذکر نازل ہوگا | کتاب نازل ہوگی |
| ۳ | آسمان لپیٹ لیا جائے گا | آسمان لپیٹ لیا جائے اور زمین خدا کی مٹھی میں ہوگی۔ |
| ۴ | نافرمانوں کا فزع اکبر میں گرفتار ہونا اور جہنم کا ایندھن بننا | نافرمانوں کا حواس باختہ ہونا اور داخل جہنم ہونا |
| ۵ | مومنوں کا فزع اکبر سے محفوظ رہنا | مومنوں کا حواس باختگی سے محفوظ رہنا |
| ۶ | بے ایمانی کی موت سے ہلاک شدہ نسلِ انسانی کا زندہ ہو جانا | سب مخلوق کا اٹھ کھڑا ہونا اور بینا ہو جانا |
| ۷ | صالح بندوں کا زمین کا وارث بننا اور حسبِ دلخواہ زندگی بسر کرنا۔ | صالح بندوں کا زمین کا وارث بن کر اسی زمینی جنت میں رہائش کے لئے حسبِ دلخواہ کوٹھیاں بنانا۔ |
| ۸ | زمین کا بدی سے پاک ہو کر اور صالح بندوں کی وراثت میں آکر امن و اطمینان کی جگہ بن جانا۔ | زمین کا نورِ خدا سے چمک اٹھنا |
| ۹ | وعدہ جس کا پورا کرنا خدا کے ذمہ چلا آتا تھا پورا ہو جانا | مومنوں کا شکر کرنا کہ خدا نے اپنا وعدہ پورا کر دیا ہے۔ |
| ۱۰ | پیغام یعنی پیغمبروں اور ان کے عبادت گذار پیروؤں کا مقصد بر آنا۔ | نبیوں اور شہیدوں کا ان کی منزل مقصود پر پہنچایا جانا۔ |

آپ دیکھتے ہیں کہ ان دونوں نقشوں میں سرمو فرق نہیں، یہ تو مسلمہ ہے، کہ سورۃ زمر میں قیامت کبریٰ کا بیان ہے اور یہ بھی مسلمہ ہے، کہ سورۃ کہف اور سورہ انبیاء میں جس وعدہ کے روز کا بیان ہے وہ یاجوج ماجوج کے کھلنے کا روز ہے۔ پس ناقابل تردید قطعیت سے ثابت ہو گیا کہ قیامت کبریٰ جس کا قرآن میں ذکر آتا ہے، یاجوج ماجوج کے کھلنے کے دن قائم ہوتا ہے۔

اگر سورۃ طٰہٰ میں بتایا کہ شروع زوال اسلام سے دس صدیاں گذرنے پر قیامت قائم ہو گی اور سورۃ فجر میں بتایا کہ ابتدا اسلام سے تیرہ صدیاں گزرنے پر قیامت قائم ہو گی، تو سورۃ کہف اور سورہ انبیاء میں بتایا ہے کہ قیامت اس وقت قائم ہو گی جب یاجوج ماجوج کھلیں گے۔

پہلے عرض ہو چکا ہے کہ بگل بجنے اور قیامت قائم ہونے سے مراد پیغمبر کا ظہور ہوتا ہے، آیات زیر غور میں دوبار بگل بجنے اور قیامت کبریٰ قائم ہونے کا ذکر ہے، پس ایک چھوڑ دو پیغمبروں کا آنا ثابت ہے۔ اور مسلمان مانتے ہیں کہ حضرت امام مہدی علیہ السلام اور حضرت مسیح علیہ السلام ظہور فرمائیں گے اور یہ بھی مانتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، کہ ان کے زمانہ میں زمین عدل اور انصاف سے بھر جائے گی اور شیر بکری ایک گھاٹ پانی پئیں گے، یعنی عداوت دور ہو کر سب قوموں میں اخوت و محبت قائم ہو جائے گی۔ لیکن کہتے ہیں کہ جناب مہدی علیہ السلام پیغمبر نہیں آپ امام ہیں۔ قرآن میں ہے:-

اذا ابتلی ابراھیم ربہ بکلمٰت فاتمھن قال انی جاعلک للناس اماما

کہ جب حضرت ابراہیمؑ کو خدا نے بعض باتوں میں آزمایا، اور آپ پورے اترے، تو خدا نے فرمایا کہ میں آپ کو لوگوں کا امام بناؤں گا، اس سے ظاہر ہے، کہ امام مہدی کے امام ہونے سے ان کا پیغمبر نہ ہونا لازم نہیں آتا۔ اس کے علاوہ ان آیات میں صاف طور پر ذکر نازل ہونے اور کتاب کے رکھ دیئے جانے یعنی زمین پر استحکام کے ساتھ قائم ہو جانے کا بیان ہے۔ جس سے ظاہر ہے۔ کہ دونوں صاحب کتاب

ہیں، اور صاحب کتاب کے پیغمبر ہونے میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں، لوگ کہتے ہیں، کہ کتاب سے ہر شخص کا اعمالنامہ مراد ہے، یہ صحیح ہے، لیکن اعمالناموں کی کتاب بھی وہی کتاب ہوتی ہے، جو پیغمبر پر نازل ہوتی ہے، اس میں مجرموں کے جرائم کی پوری فہرست ہوتی ہے، اور اسی فہرست کی رو سے فرد جرم لگا کر ان کے لئے ذلت اور شکست کا حکم صادر ہوتا ہے، چنانچہ سورۂ بقرہ کے پہلے حصہ میں بنی اسرائیل کی بداعمالیاں گنوائی ہیں کہ تم نے بچھڑا بنا لیا، پیغمبروں کو جھٹلایا اور بعض کو قتل کیا، تم نے احکام شریعت کو توڑا، اپنے لوگوں کو قتل کیا اور انہیں ان کے گھروں سے نکال دیا وغیرہ۔ اسی طرح نیک لوگوں کے اعمالنامہ کا کوئی ورق دیکھنا منظور ہو تو سورہ مومنون کا آغاز اور سورۂ فرقان کا آخری رکوع دیکھیں۔ کتاب جو پیغمبر پر نازل ہوتی ہے اس میں ہر طبقہ اور درجہ کے شخص کے اعمال اور ان کی جزا وسزا درج ہوتی ہے ہر شخص اپنا اعمالنامہ اس میں دیکھ سکتا ہے اور اپنا حساب خود کر سکتا ہے،

اقرأ کتابک کفیٰ بنفسک الیوم علیک حسیبا ؕ

اب جب کہ ثابت ہوگیا کہ قیامت کبریٰ سے مراد یاجوج ماجوج کے زمانہ میں دو پیغمبروں کا ظہور ہے تو قرآن جو قیامت کے ذکر سے بھرا پڑا ہے۔ اس میں ہر جگہ جہاں قیامت کا ذکر ہے۔ آنے والے پیغمبروں کا ہی ذکر ہے۔ یہ دکھانے کے بعد کہ قیامت یاجوج ماجوج کے کھلنے کے زمانہ میں قائم ہوگی، اب میں مختصراً عرض کرتا ہوں کہ بروئے قرآن شریف اس کا قیام کیسے ہوگا۔

دیوار گر جانے سے مراد ایسے دور کا افتتاح ہے، جس میں انسان کے علم و عمل پر جو روکیں ہیں دور ہو جائیں گے، روکوں کے دور ہونے کا آغاز یورپ سے ہوگا، جہاں یاجوج ماجوج بستے ہیں، پہلے تو یورپین اقوام علوم جدیدہ دریافت کریں گی، پھر نئے وسائل آمد و رفت وغیرہ سے اپنی حدود کو پار کر کے دوسرے ملکوں میں جا پہنچیں گی اور ان پر چھا جائیں گی۔ آخر انہیں

علوم وسائل کی بدولت دنیا بھر سے سمندروں پہاڑوں وغیرہ کی جغرافیائی
دیواریں جو مختلف ملکوں اور قوموں کے درمیان رکاوٹ تھیں، گر جائیں گی، اور
سب اقوام میں غلبہ کی امنگیں پیدا ہو جائیں گی/ نئے علوم و وسائل سے جہاں میل
ملاپ کی آسانیاں بہم پہنچیں گی، عالمگیر بے پناہ جنگوں کا سامان بھی پیدا ہو
جائے گا، چونکہ تہذیب کی بنیاد مادیات پر ہو گی، دنیا تعمیری ذرائع رکھتے
ہوئے بھی تخریب کی طرف جا رہی ہو گی، اس وقت پیغمبر ظاہر ہو گا اور دنیا کو متنبہ کرے گا
کہ تمہارے ہاتھ میں جو سامان ہے، اس سے زمین بہشت بھی بن سکتی ہے
اور دوزخ بھی، تم دوزخ کے درپے ہو، اس سے باز آؤ۔ باہمی بغض و عداوت
کو چھوڑ کر متحد ہو جاؤ، اور علوم جدیدہ کو تعمیری کاموں کے لئے حاصل اور استعمال
کرو، جب وہ اس نصیحت سے آنکھیں اور کان بند کر لیں گے، تو اپنے ہاتھوں
اپنے لئے جہنم بپا کر لیں گے، اور آپ اپنی آگ میں بھسم ہو جائیں گے، منکرین کو
جہنم کا ایندھن بتانے سے صاف ظاہر ہے کہ خدا نے علیحدہ کوئی جلتا ہوا
تنور تیار نہیں کر رکھا، جس میں انہیں کسی سابقہ ناراضگی کی وجہ سے پکڑ پکڑ کر
پھینکتا جائے گا۔ بلکہ آگ کا ایندھن تو منکر خود ہیں، اگر وہ نہ ہوں تو نہ
آگ بھڑکے نہ جہنم ہو، اسی طرح ان الفاظ سے کہ جہنم میں وہ چیخیں گے اور
چلائیں گے، لیکن سنیں گے نہیں، یہ بتانا مقصود ہے کہ جہنم عالمگیر جنگ کا نام
ہے۔ جس میں ہر قوم دوسری پر ایسی بے رحمی سے ظلم کرے گی، کہ گویا اس کی چیخ و
پکار کو سنتی ہی نہیں اور پھر وہ بھی اپنی باری پر ایسا ہی کرے گی۔ اگر جہنمی خود ہی
ایک دوسرے کو عذاب دینے والے نہیں تو ان کے سننے یا نہ سننے کا سوال ہی پیدا
نہیں ہوتا۔ ایک دوسرے کی آتشباری سے بچنے کے لئے لوگ تھوڑا تھوڑا بوجھ
ساتھ لے کر گھروں سے نکل پڑیں گے، آگے چل کر ایسی حالت پیش آ جائے گی، کہ وہ
تھوڑا سا بوجھ بھی پھینک کر جان کے لئے بھاگنے پر مجبور ہوں گے یہاں تک کہ ماں
بچہ کو بھول جائے گی، لوگ شدت مصیبت سے ایسے سراسیمہ ہوں گے کہ گویا مدہوش ہیں

جب پیغمبر نے کہا تھا کہ حکومت خدا کی ہی ہے اور سارا اختیار بھی اسی کا ہے، اس کا حکم مانو، اس وقت انہوں نے اسے تکبر کی راہ سے ٹھکرا دیا تھا، اب بے بسی کے عالم میں انہیں دکھائی دینے لگا کہ بڑوں اور چھوٹوں سب کی جان خدا کی مٹھی میں ہے چاہے تو باقی رہے چاہے تو سب کا خاتمہ کر دے۔ اس وقت بڑے بڑے لیڈر اقرار کرنے لگیں گے کہ یہ ہماری پیدا کردہ بے خدا مادی تہذیب کا نتیجہ ہے اگر اب نجات ہو جائے تو آئندہ نظام عالم کی بنیاد مادیات کی بجائے روحانیات پر رکھیں گے۔ فساد پسند عنصر جہنم میں جل کر راکھ ہو جائے گا۔ اور جو لوگ باقی بچیں گے وہ اپنے تلخ تجربہ سے وحدت انسانی کا سبق لے کر نکلیں گے۔ اور یوں خود غرضی بغض و عداوت کا جہاں فنا ہو کر عدل و انصاف محبت و اخوت پر مبنی نیا جہان بپا ہوگا جس میں آدم زاد پورے امن و اطمینان سے ایک کنبہ بن کر رہیں گے، اور حسب دلخواہ زندگی بسر کریں گے، اس وقت تمام پیغمبروں اور شہدا کی کوششیں اور قربانیاں ٹھکانے لگیں گی، اور خدا کا حکم یا آدم اسکن انت و زوجک الجنۃ پورا ہو جائے گا اور نسخۂ عالم کا چپہ چپہ زبانِ حال سے توحیدِ باری کی گواہی دیتا ہوگا۔

اچھی طرح غور کر کے دیکھ لو کہ قرآن شریف کے مذکورہ مقامات میں جہاں قیامت کا بیان ہے، کسی جگہ بھی نہیں لکھا کہ اس وقت نظام شمسی فنا ہوگا بلکہ لکھا ہے کہ دنیا اسی طرح ہوگی جیسے پہلے تھی۔ حاملہ عورتیں بھی ہوں گی، دودھ پلانے والیاں بھی، اور اور لوگ بھی ہوں گے، ہاں شدت مصیبت اور ناقابل برداشت عذاب سے بدحواس ہوں گے، لیکن ان کے علاوہ ایسے بھی ہوں گے، جنہیں کچھ خوف و غم نہ ہوگا، یہ مومن ہوں گے انہیں خوف و غم نہ ہونے کی وجہ یہ ہوگی کہ وہ جانتے ہوں گے کہ یہ ساری کارروائی بدی کو مٹانے اور حق کو قائم کرنے کے لئے کی جا رہی ہے جو ان کی منشا کے عین مطابق ہے۔ سورۂ انبیاء میں جہاں فرمایا ہے کہ آسمان کو لپیٹ لیا جائے گا جیسے منشی دفتر کو لپیٹ لیتا ہے، ساتھ ہی صراحت کر دی ہے کہ ساری نافرمان مخلوق کی صف لپیٹ لی جائے گی۔ سورۂ بنی اسرائیل میں ہے کہ جب ان کی ہلاکت کا وقت آ گیا، خدا

نے ان کی صف لپیٹ لی (جعلنا بکم لفیفا) وہاں ایک قوم کی ہلاکت کا ذکر مقصود تھا، تو فرمایا
کہ اس قوم کی صف لپیٹ لی گئی، یہاں پر کل نافرمان مخلوق کی ہلاکت کا ذکر مقصود تھا، اس لیے فرمایا کہ دفتر کا دفتر
لپیٹ لیا، اسی لیے سورہ زمر میں جہاں فرمایا ہے کہ زمین خدا کی مٹھی میں ہوگی اور آسمان لپیٹے ہوئے اس کے داہنے ہاتھ میں
ہوں گے۔ تو اگرچہ یہ مشہور محاورے ہیں، جو نہ صرف عرب ہی استعمال کرتے ہیں بلکہ سب
قومیں استعمال کرتی ہیں۔ پھر بھی ساتھ ہی وضاحت کر دی ہے کہ نفخہ اولیٰ پر لوگ
بے ہوش ہو جائیں گے، نہ یہ کہ نظام شمسی درہم برہم ہو جائے گا۔ اور بے ہوشی کی
بابت سورۂ حج میں فرمایا ہے کہ اس سے مراد شدت تکلیف کی وجہ سے حواس باختگی
ہے۔

اسی طرح نفخہ ثانی پر لوگوں کے دیکھنے لگنے یعنی ان کے ہوش و حواس قائم ہونے کا ذکر
ہے، نہ کہ نئے سرے سے نظام شمسی کے وجود میں آنے کا اور زمینی قبروں سے مردے
برآمد ہونے کا، جو لوگ بعث سے شک میں ہیں۔ انہیں سورۂ حج میں توجہ دلائی
ہے، کہ انسان کی پیدائش سے بلوغت تک کئی مرحلے ہیں، جو تدریجاً طے ہوتے ہیں
اسی طرح پیغمبر کے ظہور پر روحانی طور پر بعث یا خلق جدید بتدریجاً ہوتی ہیں، پھر جب
خلق جدید ارذل عمر کو پہنچ کر جہالت میں عود کر آتی ہے، تو پھر پیغمبر ظاہر ہوتا
ہے، اور وہی عمل دہرایا جاتا ہے، پیغمبروں کی تدریجی تربیت کے نتیجہ میں ساری
نسل انسانی ان مراحل سے گزر کر آخر ایک وقت ضرور آنے والا ہے، جب باطل کا
استیصال کلی ہو جائے گا، اور عالمگیر قیام حق سے روحانی مردے زندہ ہو جائیں
گے، پھر فرمایا ہے کہ بارش جب برستی ہے تو زمین جو مردہ تھی لہلہانے لگتی ہے
اسی طرح وحی الٰہی کی بارش سے دل جو مر چکے ہوتے ہیں زندہ ہو جاتے ہیں، مردوں
کے زندہ ہونے کی یہ وہی کیفیت ہے، جو ہر پیغمبر کے ہاتھ پر ظہور میں آتی رہی ہے
اس سے صاف ظاہر ہے کہ قیامت کبریٰ میں بھی مردوں کے زندہ ہونے سے بعینہٖ
وہی چیز مراد ہے، جو قومی قیامتوں کی صورت میں تھی، اس ضمن میں سورۂ روم کی
آیات فیصلہ کن ہیں۔ جہاں بتایا گیا ہے کہ یوم بعث یعنی مردوں کے جی اٹھنے کے دن کو

اہل علم و ایمان ہی پہچانتے ہیں، منکر عین یوم بعث کے اندر ہو کر بھی نہیں جانتے کہ یہ یوم بعث ہے، مومن انہیں بتاتے ہیں کہ یہی تو یوم بعث ہے، اس سے صاف ظاہر ہے کہ قرآن مردوں کے جی اُٹھنے سے وہ مراد نہیں لیتا جو منکر مراد لیتے ہیں۔ ورنہ اگر جیسے کہ منکر سمجھتے ہیں وہ خود یوم بعث میں قبروں سے اُٹھ کر آتے ہیں تو وہ مردوں میں سے جی اُٹھنے سے بے خبر نہیں ہو سکتے۔ قرآن کی مراد مردوں کے جی اُٹھنے سے جیسے کہ پہلے مفصل بیان ہو چکا ہے، نافرمانوں کو ہلاک کر کے فرمانبرداروں کو ان کا جانشین بنانا ہے۔ قیامت کبریٰ میں اور قومی قیامتوں میں جو پہلے قائم ہوتی رہیں اور قیامت کبریٰ کے نمونے تھیں صرف یہ فرق ہے کہ قومی قیامت میں ایک قوم ہلاک ہوتی اور ایک زندہ ہوتی رہی، یعنی نسل انسانی کے ایک حصہ سے بدی دور ہو کر نیکی قائم ہوتی رہی تو قیامت کبریٰ میں ساری نسلِ انسانی سے بدی دور ہو کر نیکی قائم ہو جائے گی، یاد رہے کہ عالمگیر قیام حق اور روحانی احیا سے یہ مراد نہیں کہ سب لوگ ایک سطح پر ہوں گے اور عالم وہاں ٹھہر جائے گا۔ قرآن میں ہے۔ کہ جنت میں بھی مدارج ہوں گے، اور اہل جنت مزید ترقیات کے لئے ربنا اتمم لنا نورنا کی دعا بھی کرتے ہوں گے، مطلب یہ ہے کہ نسلِ انسانی بہیمیت کے دور سے نکل کر انسانیت میں جنم لے گی اور روز افزوں ترقیات ہوتی رہیں گی۔

**آیہ میثاق** قرآن شریف میں آنے والے رسول کا صرف ذکر ہی نہیں بلکہ مسلمانوں کو اس کے ماننے کے لئے پابند بھی کیا ہے، چنانچہ فرماتا ہے:۔

واذ اخذ اللہ میثاق النبیین لما اٰتیتکم من کتاب وحکمۃ ثم جاءکم رسول مصدق لما معکم لتؤمنن بہ ولتنصرنہ، قال ءاقررتم واخذتم علی

جب خدا نے نبیوں سے عہد لیا کہ میں نے تم کو کتاب اور حکمت دی ہے اب اگر تمہارے پاس کوئی رسول آئے، جو تمہاری کتاب کی تصدیق کرنے والا ہو تو اس کو ضرور ماننا اور اس کی مدد کرنا

ذٰلکم اصری قالوا اقررنا قال فاشهدوا وانا معکم من الشاهدین ۝ فمن تولی بعد ذلک فاولئک هم الفاسقون
(آل عمران - ع ۹)

پھر پوچھا کہ کیا تم اس بات کا اقرار کرتے ہو، اور اس (بوجھ) کو اٹھانا اپنے ذمہ لیتے ہو؟ انہوں نے کہا ہاں، ہم اقرار کرتے ہیں، خدا نے کہا کہ اب تم اس کے گواہ رہو اور میں بھی گواہ ہوں، اس کے بعد جو منہ پھیرے گا وہ عہد شکن ہوگا۔

واذ اخذنا من النبیین میثاقهم ومنک ومن نوح وابراهیم وموسیٰ وعیسیٰ ابن مریم واخذنا منهم میثاقا غلیظا
(احزاب - ع ۱)

جب ہم نے نبیوں سے عہد لیا اور یہی عہد تجھ سے اور نوح، موسیٰ اور عیسیٰ سے لیا - اور یہ ہم نے ان سے بڑا پکا عہد لیا ہے۔

خدا نے تمام انبیاؑ کو مخاطب کرکے فرمایا کہ جس کام کے لئے میں نے تم کو کتاب اور حکمت دی ہے وہ ایسا کام ہے کہ اس کے لئے تمہارے بعد بھی تمہاری طرح کام کرنے والوں کو آنا ہوگا، تو تمہارے منصب کے لحاظ سے یعنی اس کام کے مفاد میں جو تم خود کر رہے ہو، تم پر یہ ذمہ داری عائد کرتا ہوں کہ آئندہ بھی جو لوگ تمہاری کتاب کے مصداق اور تمہارے مقصد کے لئے کام پر مامور ہوں گے ان پر بھی تمہاری امتیں ایمان لائیں گی، اور ان کے کام میں امداد کریں گی - کیا تم اپنی امت کے نمائندہ کی حیثیت سے یہ عہد میرے ساتھ باندھتے "اور اس ذمہ داری کو قبول کرتے ہو؟ نبیوں نے کہا کہ ہم اس ذمہ داری اور اس عہد کو قبول کرتے ہیں، پھر خدا نے تاکیداً کہا کہ گواہ رہنا کہ تم نے یہ عہد باندھا ہے - اور میں بھی گواہ رہوں گا، یاد رکھنا جو کوئی اس عہد کے بعد اس عہد سے منہ پھیرے گا، وہ عہد شکن ہوگا،

مقصود تو امتوں کو آئندہ پیغمبروں پر ایمان لانے کے پابند کرنا تھا، لیکن

عہد نبیوں سے لیا گیا، اس لئے کہ نبی کی ساری کی ساری امت جو اس کے سامنے ہے
وہ بھی اور جو پیچھے آنے والی ہے وہ بھی عہد میں شامل ہو جاتی ہے اور امت ہیں سے جو شخص
اس عہد کو توڑے، نہ اُسے پیغمبر سے کوئی تعلق باقی رہے نہ پیغمبر کو اس سے۔
ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اس آیت کو بار بار اور پوری ذمہ داری سے پڑھے
یہ پختہ عہد ہے کوئی معمولی بات نہیں کہ اسے ہلکا سمجھا جائے۔ عام طور پر مسلمانوں
کا یہ خیال ہے، کہ یہ عہد باقی نبیوں سے حضرت محمدؐ کے حق میں لیا گیا۔ جس کا
منشا یہ ہے کہ جب آنحضرتؐ ظہور فرمائیں، تو سب اُمتوں کا فرض ہوگا، کہ آپ پر
ایمان لائیں۔ واقعہ یہ ہے کہ اس آیت میں ہر آئندہ رسول پر ایمان لانا فرض کیا گیا
ہے۔ اور رسولؐ کی نشانی یہ بتائی ہے کہ وہ سابقہ کتاب کا مصدق ہوتا ہے
چونکہ حضرت محمدؐ رسول اللہ سچے رسول ہیں اور سابقہ کتاب کے مصدق ہیں۔
اس عہد کی رو سے آپ پر ایمان لانا بے شک سب امتوں کا فرض ہے۔ لیکن
یہ صحیح نہیں کہ یہ عہد باقی نبیوں سے لیا گیا ہے۔ آنحضرتؐ سے نہیں لیا گیا۔
سورۃ احزاب والی آیت میں صاف لفظ منک موجود ہے، جس سے صاف
ظاہر ہے کہ آنحضرتؐ سے بھی یہ عہد لیا گیا ہے، اس موقعہ پر بعض علماء کہہ دیتے
ہیں کہ رسول اللہ سے باقی نبیوں کی تصدیق کا عہد لیا گیا ہے اور باقی نبیوں سے آپ پر
ایمان لانے کا، لیکن قرآن شریف میں "منک" کے بعد من نوح و ابراہیم و موسیٰ کے
لفظ بڑھا کر صراحت کر دی ہے کہ آنحضرتؐ سے بھی وہی عہد لیا گیا جو باقی نبیوں سے لیا گیا، اور یہ
بھی نہایت واضح الفاظ میں بیان کر دیا ہے کہ وہ عہد کیا ہے
آل عمران والی آیت میں ہر سچے رسولؐ کی یہ علامت بیان کی گئی ہے۔ کہ
وہ سابقہ کتاب کا مصدق ہوتا ہے۔ یہ نہیں کہ صرف ایک رسولؐ سابقہ کتب کا
مصدق ہوگا، اور باقی نہیں ہوں گے، قرآن میں حضرت مسیحؑ کا نزول مصدقاً
لما بین یدی من التوراۃ مذکور ہے، اگر یہ صحیح ہے کہ باقی امتوں کا
فرض ہے کہ مصدق رسول پر ایمان لائیں، لیکن مصدق رسول کی امت کا فرض

نہیں کہ آئندہ رسول پر ایمان لائے، تو اس سے لازم آتا ہے کہ حضرت عیسٰیؑ جو مصدق توریت ہیں، ان کی امت پر فرض نہیں کہ بعد میں آنے والے پیغمبر پر ایمان لائیں۔ جو بداہتاً غلط ہے۔

یہ آیت اس قدر صریح اور زوردار ہے، اور اس میں اتنی شدید اور بار بار تاکید ہے کہ اگر قرآن میں اور کوئی آیت بھی رسولوں کا سلسلہ جاری رہنے کے حق میں نہ ہوتی تو یہ اکیلی ہی آیت کافی تھی۔ اس کی رو سے ہمارے پیغمبر حضرت محمد مصطفٰیؐ نے پختہ عہد کیا ہوا ہے کہ جو کوئی آپ کی امت سے ہوگا، بعد میں ظاہر ہونے والے پیغمبر پر جو مصدق قرآن ہوگا، ایمان لائے گا، اور اس کی امداد کرے گا۔ اب ہم آنحضرتؐ کی امت سے ہونے کا دعویٰ کرتے ہوئے کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ اب کوئی پیغمبر آنے والا نہیں۔ اگر کوئی پیغمبر آنے والا نہ ہوتا، تو آنحضرتؐ سے یہ عہد نہ لیا جاتا۔ اس عہد کے ہوتے ہوئے ہم پابند ہیں کہ آنے والے پیغمبر کے منتظر رہیں اور اس کے ظہور پر اس پر ایمان لائیں۔ اور اس کی امداد کریں۔ ورنہ ہم عہد شکن ہوں گے اور ہمارا کوئی تعلق آنحضرتؐ سے باقی نہیں رہے گا۔

سورۃ فاتحہ کا ایک حصہ پہلے بیان ہو چکا ہے، بقیہ یہ ہے۔ اہدنا الصراط المستقیم ۝ صراط الذین انعمت علیہم غیر المغضوب علیہم ولا الضالین ۝ اس فقرہ میں مغضوب علیہم کی راہ سے بچنے اور منعم علیہم کی راہ پانے کی دعا ہے۔ سورۃ بقر رکوع سات میں بنی اسرائیل کے متعلق ہے۔ وباءو بغضب من اللہ ذلک بانہم کانوا یکفرون بایات اللہ ویقتلون النبیین بغیر الحق کہ بنی اسرائیل اس وجہ سے مغضوب علیہم ہوئے کہ وہ اللہ کی آیات کا انکار کرتے تھے۔ اور نبیوں کو ظلم سے قتل کرتے تھے۔ اگر آنحضرتؐ کے بعد کوئی آیات اللہ نازل ہونے والی نہ تھیں، نہ کوئی پیغمبر ہی آنے والا تھا، تو مسلمانوں کے لئے بنی اسرائیل کی راہ پر چل کر مغضوب علیہم ہونے کا کونسا موقعہ درپیش تھا۔ کہ اس سے بچنے کی

دعا سکھائی جاتی، صاف دکھائی دیتا ہے کہ قرآن شریف کے بعد اللہ کی آیات نازل ہونے والی تھیں۔ پیغمبر آنے والے تھے، مسلمانوں کے لئے ابتلا درپیش تھا، اور یہ اتنا بڑا ابتلا تھا اس سے بچنے کے لئے نہ صرف دعا سکھائی ہی گئی بلکہ اسے داخل نماز کیا گیا، تاکہ مسلمان پنجگانہ نمازوں میں آنے والی ہدایت سے فیضیاب ہونے کی توفیق مانگتے رہیں، اس کا انتظار کرتے رہیں، اسے ماننے کیلئے تیار رہیں، اور اس کے انکار و مخالفت کی راہوں سے ہوشیار رہیں۔ تعجب ہے کہ آنحضرت صلعم نے جتنا مسلمانوں کو آنے والی ہدایت کے انکار سے بچانا چاہا، اتنا ہی وہ اس میں پھنس گئے، اے اللہ ہماری حالت قابل رحم ہے، ہم سے وہ نہ کر جس کے ہم مستحق رہے ہیں۔ بلکہ وہ کر جو تیری شان کریمانہ کے شایان ہے۔ اپنے رسول پاک حضرت محمد مصطفیٰ کی کوششوں اور منتوں کے صدقہ میں ہمیں آنکھیں عطا فرما۔

# وجوہاتِ بندشِ سلسلۂ رشد و ہدایت کا جائزہ

ہم قرآن شریف سے رسولوں کی بعثت اور قوموں کے بننے بگڑنے کا عام قانون دیکھ چکے ہیں۔ اور یہ بھی کہ مسلمان قوم اس قانون سے مستثنیٰ نہیں، وہ بھی الفیہ قوموں کی طرح بگڑ جائے گی اور اس کے بگڑنے پر نئے پیغمبر آئیں گے، نئے پیغمبروں کے ظہور کا وقت اور مقام بھی معلوم کر چکے ہیں۔ اور یہ بھی دیکھ چکے ہیں، کہ مسلمان قوم کو انہیں ماننے کے لئے بذریعہ معاہدہ میثاق النبیین پابند بھی کیا گیا ہے۔ ان کے ماننے کو اتنی اہمیت دی گئی ہے کہ ان کے انکار اور مخالفت سے بچنے کی دعا داخلِ نماز کی گئی ہے، اب ہم ان وجوہات پر غور کریں گے، جنا سلسلہ رشد و ہدایت بند ہونے کے ثبوت میں پیش کی جاتی ہیں، اور جن کا ذکر مقدمہ میں آیا ہے، اور دیکھیں گے، کہ قرآن شریف میں کہاں، کن الفاظ میں اور کن مصلحتوں کی بنا پر سنت اللہ کو بدلنے اور سلسلہ ہدایت کو بند کرنے کا اعلان کیا گیا ہے اور اس حصہ قرآن کو اس کے دوسرے حصوں سے جن سے کہ اس کتاب میں سلسلۂ رشد و ہدایت کا جاری رہنا دکھایا گیا ہے، کیونکر تطبیق دی جا سکتی ہے؟ قرآن شریف کے کوئی ایسے معنی قبول نہیں کئے جا سکتے، جن سے ایک حصہ قرآن کا دوسرے حصہ سے معارض ٹھہرے، سو جب تک بندش سلسلہ کی وجوہات ایک طرف اپنی ذات میں ثابت نہ ہوں اور دوسری طرف آیاتِ مذکورہ کتاب ہذا کا کافی و شافی حل نہ بتا دیں، انہیں وجوہات موجہ نہیں مانا جا سکتا۔

(۱) توریت ھدًی لبنی اسرائیل تھی، قرآن ھدًی للناس ہے، تو ہمیشہ کا

پیش کردہ خدا (یہوداہ) بنی اسرائیل کا قومی خدا تھا۔ قرآن کا پیش کردہ خدا رب العالمین تمام قوموں کا خدا ہے، سابقہ پیغمبر اپنی اپنی قوم کی طرف مبعوث تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کافۃ للناس کی طرف مبعوث ہوئے۔ پس سابقہ مذاہب قومی و وقتی تھے۔ اسلام تمام قوموں اور تمام زمانوں کے لئے ہے، اس لئے اب مزید ہدایت نازل ہونے کی ضرورت نہیں۔

قرآن شریف میں ہے:-

(۱) وانزل التوراۃ والانجیل من قبل ھدی للناس (آل عمران ع۱)

(۲) قل من انزل الکتاب الذی جاء بہ موسیٰ نوراً وھدی للناس (انعام ع۱۱)

(۳) ثم اتینا موسی الکتاب تماماً علی الذی احسن وتفصیلا لکل شیٔ وھدی ورحمۃ لعلھم بلقاء ربھم یؤمنون (انعام ع۱۹)

(۴) فخذھا بقوۃ وأمر قومک یاخذوا باحسنھا (اعراف ع۱۷)

(۵) من قبلہ کتاب موسیٰ اماماً ورحمۃ (ھود ع۲)

(۶) قل فأتوا بکتاب من عند اللہ ھو اھدی منھما (قصص ع۵)

(۷) واورثنا بنی اسرائیل الکتاب ھدی وذکری لاولی الالباب (مومن ع۶)

(۸) وانہ لفی زبر الاولین (شعراء ع۱۱)

(۹) لم یکن الذین کفروا من اھل الکتاب والمشرکین منفکین حتی تاتیھم البینۃ، رسول من اللہ یتلو صحفاً مطھرۃ فیھا کتب قیمۃ (البینہ)

(۱۰) واذ اتینا موسی الکتاب والفرقان (بقرہ ع۶)

(۱۱) ھدی للمتقین (بقرہ)

(۱۲) انذر عشیرتک الاقربین۔ (شعراء ع۱۱)

(۱۳) وھذا کتاب انزلنٰہ مبارک مصدق الذی بین یدیہ ولتنذر

ام القری ومن حولھا۔ (انعام ع ۱۱)

(۱۴) بل ھو الحق من ربک لتنذر قوما ما اتاھم من نذیر من قبلک (سجدہ ع ۱)

(۱۵) واٰتینا موسی الکتاب وجعلناہ ھدی لبنی اسرائیل الا تتخذوا من دونی وکیلا ۔ (بنی اسرائیل ع ۱)

پہلی آیت میں توریت اور انجیل دونوں کو ھدی للناس فرمایا ہے۔ دوسری آیت میں توریت کو نور اور ھدی للناس بتایا ہے۔ تیسری آیت میں بتایا ہے کہ تمام اعلیٰ درجہ کی خوبیاں توریت پر ختم ہیں، اس میں ہر چیز کی تفصیل ہے اور وہ ہدایت اور رحمت ہے، چوتھی آیت میں توریت کو مضبوطی سے پکڑ رکھنے کا حکم دیا ہے۔ پانچویں میں اسے امام اور رحمت بتایا ہے۔ چھٹی آیت میں توریت کو قرآن کے برابر ہدایت دینے والی کتاب مان کر کفار کو کہا کہ ایسی کتاب تو پیش کرو جو ان دونوں سے زیادہ ہدایت دینے والی ہو، ساتویں آیت میں توریت کو ہدایت اور ذکر بتایا ہے، آٹھویں آیت میں بتایا ہے کہ پہلی کتابوں میں بھی یہی قرآن ہے اور نویں میں بتایا ہے کہ صحف قرآن میں پہلی کتابیں آگئی ہیں، جو کتب قیمہ ہیں، یعنی ان کی اصولی تعلیم جو قائم رہنے والی ہے، قرآن میں منتقل ہو گئی ہے۔ جب ساری پہلی کتابیں کتب قیمہ ہیں تو لازمًا توریت بھی کتب قیمہ ہے۔ بلکہ اہل کتاب جو اس وقت مخاطب تھے وہ تو بنی اسرائیل ہی تھے، اور انہی کی کتاب توریت کا نویں آیت میں ذکر ہے، جہاں مقصود یہ ہے کہ توریت وانجیل والے قرآن پر ایمان لا کر کچھ کھوتے نہیں کیونکہ توریت وانجیل کی اصولی تعلیم جو قیم ہے قرآن میں آگئی ہے۔ دسویں آیت میں حضرت موسیٰ کو کتاب اور فرقان دینے کا ذکر ہے۔

دوسری طرف اگر توریت کے لئے پندرہویں آیت میں ھدی لبنی اسرائیل

کا لفظ آیا ہے، تو گیارہویں آیت میں قرآن کے لئے هدى للمتقين آیا ہے
اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بارہویں آیت میں اپنے قبیلہ کے لوگوں کو
تیرھویں میں مکہ معظمہ اور اس کے حوالی کو اور چودھویں میں عرب قوم کو
جس کی طرف آپ سے پہلے کوئی رسول نہ آیا تھا، ڈرانے کا حکم دیا گیا ہے۔
جیسے یہ آیات قرآن کے هدى للناس ہونے کو کم نہیں کرتیں ویسے ہی هدى
لبنی اسرائیل کا لفظ توریت کے هدى للناس ہونے سے کچھ کم نہیں کرتا
آیئے ذرا یہ بھی دیکھیں کہ توریت میں کیا تعلیم دی گئی تھی۔ جسے بنی اسرائیل
کے لئے خاص بتایا جاتا ہے، جو دوسرے لوگوں کے لئے مفید نہ تھی اور جس کی وجہ
سے توریت کو بخلاف قرآن مختص القوم اور مختص الوقت مانا جاتا ہے۔
آیت ۱۵ سے ظاہر ہے کہ وہ تعلیم جسے بنی اسرائیل کے لئے ہدایت بنایا گیا یہ تھی کہ
سوائے خدا کے کسی کو اپنا کارساز نہ بناؤ۔ یہ تعلیم تو خالص توحید کی تعلیم ہے
جو ہرگز کسی ایک قوم یا زمانہ سے خاص نہیں، ہر پیغمبر جو کسی زمانہ میں اور کسی
قوم میں ظاہر ہوا، وہی تعلیم دیتا رہا، اسے هدى لبنی اسرائیل کیوں کہا گیا؟
بات یہ ہے کہ جس معنی میں قرآن شریف هدى للناس ہونے کے باوجود هدى
للمتقین ہے، اسی معنی میں توریت هدى للناس ہونے کے باوجود هدى لبنی اسرائیل
تھی، قرآن اپنی ذات میں تو هدى للناس یعنی سب لوگوں کے لئے ہدایت ہے، جو چاہے اس
سے ہدایت لے لے۔ لیکن واقع میں وہ ہدایت بنتا صرف متقین کے لئے ہے جو اس سے
ہدایت پاتے ہیں اور فائدہ اٹھاتے ہیں، اسی طرح توریت اپنی ذات میں گو هدى للناس
تھی، اس سے فائدہ بنی اسرائیل نے ہی اٹھایا اور اس کا ہدایت ہونا انہی کے حق میں متحقق
ہوا۔ اس واسطے فرمایا کہ توریت کو جو هدى للناس تھی، بنی اسرائیل کے لئے ہم نے
واقع میں ہدایت بنا دیا (جعلنه هدى لبنی اسرائیل) توریت کا سب لوگوں
کے لئے ہدایت ہونا نہ صرف هدى للناس کے لفظ سے جو اس کی شان میں آیا، ظاہر ہے

بلکہ پروگے واقعات بھی ثابت ہے کہ حضرت موسیٰ کو فرعون کی طرف رسول بناکر بھیجا گیا حالانکہ فرعون اور اس کی قوم بنی اسرائیل سے نہ تھے۔ ان سے بعض لوگ ایمان بھی لائے اور جو ایمان نہ لائے وہ تکذیب توریت کے باعث ہی ہلاک ہوئے۔ مقصود یہ ہے کہ نہ ھدًی للناس کا لفظ مزید ہدایت کے آنے کو مانع ہے اور نہ ھدی لبنی اسرائیل ہونے کے باعث توریت ناقص تھی۔

اب میں توریت کے تصور باری کو لیتا ہوں، قرآن میں ہے، فاتیا فرعون فقولا انا رسول رب العالمین...... قال فرعون وما رب العالمین۔ قال رب السمٰوٰت والارض وما بینہما...... ربکم ورب آبائکم الاولین...... رب المشرق والمغرب وما بینہما (الشعراء)

خدا حضرت موسیٰ اور ہارون کو حکم دیتا ہے کہ فرعون کے پاس جاؤ اور اسے کہو کہ ہم رب العالمین کے رسول ہیں، جب انہوں نے یہ کہا، تو فرعون پوچھتا ہے کہ رب العالمین کیا ہوتا ہے، حضرت موسیٰ جواب دیتے ہیں کہ زمین اور آسمانوں میں جو کچھ ہے، سب کا پرورش کرنے والا، تمہارا اور تمہارے باپ دادوں کا پرورش کرنے والا، مشرق و مغرب میں جو کچھ ہے سب کو پالنے والا رب العالمین ہے۔ ایک موقعہ پر جب حضرت موسیٰؑ اور ہارونؑ فرعون کو کہتے ہیں کہ ہم تیرے رب کے رسول ہیں اور اس کا نشان تیرے پاس لاتے ہیں، تو فرعون پوچھتا ہے فمن ربکما یا موسیٰ! اے موسیٰ تمہارا رب کون ہے؟ حضرت موسیٰؑ جواب دیتے ہیں ربنا الذی اعطیٰ کل شیءٍ خلقہٗ ثم ھدیٰ کہ ہمارا رب وہ ہے جو ہر چیز کو پیدا کرتا اور ہدایت دیتا ہے۔ یہی اس نے اپنی صفت ربوبیت کے تقاضا سے ہی ہمیں تیری ہدایت کے لئے بھیجا ہے۔ پس یہ بات.. کہ توریت خدا کو رب بنی اسرائیل کی حیثیت سے پیش کرتی ہے، نہ کہ رب العالمین کی حیثیت سے، سراسر بے بنیاد ہے، توریت خدا کو رب العالمین کی حیثیت سے صرف پیش ہی نہیں کرتی، بلکہ رب العالمین کے معنی بھی کھول کھول کر بیان کرتی ہے، اور بتاتی

ہے کہ رب العالمین وہ ہے جو زمین سے آسمان تک اور مشرق سے مغرب تک اور ازل سے ابد تک ساری کائنات کا خالق بھی ہے، اور پرورش کرنے والا بھی اور پرورش میں ہدایت خلق بھی شامل ہے۔ اور صفت ربوبیت کے تقاضے سے ہی رسول بھیجتا رہتا ہے پس توریت فقط ھدًی لبنی اسرائیل ہی نہیں بلکہ ھدًی للناس نور رحمت امام۔ ذکر، فرقان، قرآن کے برابر ہدایت دینے والی، ہر چیز کی تفصیل بیان کرنے والی، تمام اعلیٰ درجہ کی خوبیوں کو اپنے اندر جمع کرنے والی اور قیم کتاب بھی ہے۔ اگر مسلمان قرآن کے ھدًی للناس مفصل، مکمل ہونے کی بنا پر یا اس میں رب العالمین کا لفظ آنے کی وجہ سے اسے آخری کتاب قرار دینے اور اس کے بعد کتاب آنے کا انکار کرنے میں حق بجانب ہیں، تو یہودی آیات ۲/۲ ۳/۴ خاص کر آیات ۱۲/۱۱ کی رو سے جن میں توریت کو تمامًا علی الذی احسن کہا گیا ہے اور انہیں حکم دیا گیا ہے کہ اسے مضبوطی سے پکڑ رکھنا، توریت کے بعد آنے والی کتابوں کا انکار کرنے میں مسلمانوں سے بڑھ کر حق بجانب ہیں، کہا جاتا ہے کہ کیا ہم اس کتاب کو جسے ہمیں مضبوطی سے پکڑنے کا حکم دیا ہے چھوڑ کر نئی کتاب کو پکڑیں؟ واضح ہو کہ بعد میں آنے والی کتاب پہلی کتاب کی ہی پیداوار ہوتی ہے، پہلی کتاب میں نئی کتاب کو ماننے کا حکم موجود ہوتا ہے، اور نئی کتاب پہلی کی مصدق ہوتی ہے۔ نئی کتاب کے آنے پر اسے ماننا ہی پہلی کو مضبوطی سے پکڑنا ہے، اس وقت جو نئی کتاب کا انکار کرتا ہے، وہی اپنی پہلی کتاب کو چھوڑتا ہے، چنانچہ سورۃ بقرہ ع ۱۲ میں ہے
ولما جاءھم رسول من عند اللہ مصدق لما معھم نبذ فریق من الذین اوتوا الکتاب کتاب اللہ وراء ظھورھم کانھم لا یعلمون۔ کہ جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے رسول آیا، جو ان کی پہلی کتاب کا مصدق ہے، تو اہل کتاب کے ایک گروہ نے کتاب اللہ کو یعنی اپنی سابقہ مسلمہ کتاب کو پس پشت ڈال دیا۔ گویا کہ وہ جانتے ہی نہیں کہ اس

ہیں نئے رسول اور نئی کتاب کے آنے پر انہیں ماننے کا حکم موجود ہے، کون مسلمان اس بات سے بے خبر ہے کہ جب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، تو یہودیوں میں سے جس نے آنحضرتؐ کو مانا، انہی نے توریت اور حضرت موسیٰ کو بھی مانا، جس نے آنحضرتؐ کو چھوڑا، خدا نے اس کو توریت اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بھی منکر قرار دیا۔

سورہ اعراف اور سورۂ سبا کی آیات جن سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ آنحضرتؐ سارے زمانے کے سارے انسانوں کی طرف مبعوث ہوئے اور آئندہ رسول کی حاجت نہیں حسبِ ذیل ہیں:—

الذین یتبعون الرسول النبی الامی الذی یجدونہ مکتوبا عندھم فی التوراۃ والانجیل یأمرھم بالمعروف وینھٰھم عن المنکر ویحل لھم الطیبٰت ویحرم علیھم الخبٰئث ویضع عنھم اصرھم والاغلٰل التی کانت علیھم فالذین اٰمنوا بہ وعزروہ ونصروہ واتبعوا النور الذی انزل معہ اولٰئک ھم المفلحون قل یاایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا۔

جو لوگ نبی اُمّی کی پیروی کرتے ہیں جس کا ذکر ان کے پاس توریت اور انجیل میں لکھا ہوا ہے جو انہیں نیکی کا حکم دیتا ہے اور بدی سے روکتا ہے، پاکیزہ چیزیں ان پر حلال کرتا ہے اور ناپاک چیزوں کو ان پر حرام کرتا ہے۔ ان کے بوجھ کو اور طوقوں کو جو ان پر تھے ان سے اتارتا ہے، پس وہ لوگ جو اس پر ایمان لائے اور انہوں نے اس کی عزت کی اور امداد کی اور اس نور کی جو اس کے ساتھ نازل ہوا پیروی کی، وہی کامیاب ہونے والے ہیں، کہہ کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف بھیجا گیا ہوں۔

(اعراف - ع ۱۹)

یہاں کوئی ایسا ذکر نہیں کہ بار بار رسول بھیجنے کے سابقہ طریق کو ترک کرکے آئندہ

سارے زمانوں کے لئے ایک ہی رسول بھیج دیا گیا ہے، بلکہ ذکر یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت پیش گوئی توریت اور انجیل میں موجود ہے آپ کا پیغام صرف مشرکین عرب تک ہی محدود نہیں، جن کے پاس پہلے کوئی رسول نہیں آیا تھا، بلکہ مشرکین کا توریت والے اور انجیل والے سب آپ کے مخاطب، اور آپ پر ایمان لانے کے لئے مکلف ہیں، عربی میں جب خطاب کیا جائے گا، مجمع خواہ چھوٹا ہے خواہ بڑا یا ایہا الناس کہہ کر ہی خطاب کیا جائے گا، جیسے ہم کہتے ہیں، اے لوگو! الناس سے مراد وہی لوگ ہوتے ہیں جو ذہن میں ہوں، خواہ نخواہ ازل سے ابد تک کے لوگ اس میں نہیں آجاتے اسی طرح مخاطب خواہ تھوڑے ہوں خواہ بہت، جب انہیں ایک حکم میں جمع کرنا مقصود ہو تو جمیعا کا لفظ استعمال ہوتا ہے، مثلاً لیس علیکم جناح ان تاکلوا جمیعا او اشتاتا (نور - ع ۸) کہ مل کر کھانا کھاؤ یا الگ الگ اس میں کوئی گناہ نہیں۔

سو آیات زیر غور کا منشأ تو فقط اتنا ہے کہ صرف مشرکین ہی آنحضرت کے مخاطب نہیں، مشرکین توریت والے، انجیل والے سب مخاطب ہیں۔

اب اس جمیعا کے لفظ کو جو اہل کتاب کو بھی آنحضرت کے مخاطبین کے ساتھ جمع کرنے کے لئے آیا تھا اپنے سیاق و سباق سے اڑا کر اپنے پاس سے اس پر یہ عمارت تعمیر کر دینا کہ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سب کی طرف رسول ہیں، اسی واسطے کو سنت اللہ بدل گئی ہے اور رسولوں کا آنا بند ہو گیا ہے، یحرفون الکلم عن مواضعہ (نساء ع ۷) یعنی فقروں کو اپنے مقامات سے پھیرنے یا محرف کرنے کا مصداق ہے جو مسلمان کی شان کے شایاں نہیں۔

قل یجمع بیننا ربنا ثم یفتح بیننا بالحق وھو الفتاح العلیم، قل اروني الذین الحقتم بہ شرکاء کلا بل ھو العزیز الحکیم

کہہ کہ خدا ہم کو اکٹھا کریگا پھر انصاف کے ساتھ ہمارے درمیان فیصلہ کرے گا اور وہی فیصلہ کرنے والا اور جاننے والا ہے۔

وما ارسلناك الا كافة للناس بشيرا ونذيرا ولكن اكثر الناس لا يعلمون ويقولون متى هذا الوعد ان كنتم صادقين قل لكم ميعاد يوم لا تستاخرون ساعة ولا تستقدمون ۔

(سبا ع)

کہہ کہ مجھے دکھاؤ جنہیں تم نے خدا کے شریک بنا کر اس کے ساتھ ملا رکھا ہے، ہرگز نہیں وہی غلبہ اور حکمت والا ہے اور ہم نے تجھے سب لوگوں کو خوشخبری دینے اور ڈرانے کو بھیجا ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے اور کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو یہ وعدہ کب پورا ہوگا کہہ تمہاری میعاد مقرر ہے، تم اس سے ہرگز آگے پیچھے نہ ہو سکو گے ۔۔

یہاں ذکر آنحضرتؐ کے پیروؤں اور مخالفوں کو فیصلہ کے لئے جمع کرنے کا ہے اور مکذب جو پوچھتے تھے کہ ان پر عذاب کب آئے گا؟ اس کا جواب دیا ہے کہ تمہارے لئے میعاد مقرر ہے، جس سے نہ تم ادھر ہوگے نہ ادھر، ناظرین کرام خود دیکھ سکتے ہیں کہ آیا یہ سیاق ایسا ہے جس میں رسول بھیجنے کے سابقہ قانون کو بدل کر سارے زمانوں کے لئے ایک ہی رسول بھیجنے کا اعلان مقصود ہو؟ کافۃ للناس کے لفظ میں جس کے معنی جمیع الناس کے ہیں، اسی جمع کی طرف اشارہ ہے، جس کا ذکر "یجمع بیننا" میں ہوا، اور یہ جمع بیننا میں مسلمہ طور پر موافقوں اور مخالفوں کو فیصلہ کے لئے جمع کرنے کا ذکر ہے، جس کی ابتداء یوم بدر میں ہوئی، اور انتہا فتح مکہ کے روز ہوئی مطلب یہ ہے کہ اے رسولؐ! ہم نے آپ کو سب لوگوں (موافق مخالف دونوں گروہوں) کی طرف بھیجا ہے کہ تو موافق گروہ کو بشارت دے اور مخالفوں کو عذاب سے ڈرائے، اور سب لوگ یعنی دونوں گروہ دیکھ لیں گے کہ تو خدا کا سچا رسول ہے۔ جس جس کو جو وعدہ تو نے دیا پورا ہو کر رہا۔ نہ مومنوں کو جو کامیابی کی خوشخبری دی اس میں تخلف ہوا، نہ منکروں کو جو عذاب کا وعدہ دیا وہ غلط نکلا۔

الغرض یہ تو صحیح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین عرب، یہود ونصاریٰ

موافق مخالف اپنے زمانہ کے سب لوگوں کی طرف رسول ہیں، لیکن یہ کہاں سے نکلا کہ آئندہ
کو رسول بھیجنے کی سنت اللہ بدل دی گئی کہ سلسلہ رسالت ختم کر دیا گیا ہے اور مسلمان قوم
جب بگڑ بھی جائے گی اور پھر سے دین کو زندہ کرنے کی ضرورت بھی لاحق ہو گی، اس وقت
بھی رسول نہ آئے گا اور خدا مخلوق کو گمراہی میں پا کر ان کے حال پر چھوڑ دے گا۔ اور
چپ چاپ بیٹھا تماشہ دیکھتا رہے گا؟

سورۃ انبیاء کی آیات مذکورہ زیر عنوان آئندہ رسول آئیں گے سے معاً بعد یہ الفاظ ہیں وما ارسلناک
الا رحمۃ للعالمین، آپ دیکھتے ہیں ان آیات میں پہلے یہ ذکر ہے کہ صالح بندوں
کو زمین کا وارث بنانے کا وعدہ خدا کے ذمہ ہے، جسے وہ پورا کرتے رہے گا، اور اس
کے بعد یہ کہ ان میں خدا کے عبادت گذار بندوں کے لئے پیغام ہے، کیا پیغام ہے؟
یہ پیغام ہے کہ خدا کے وعدہ پر بھروسہ کر کے اس کے فرمانبردار بندے دنیا سے بدی کو
دور کرنے اور نیکی کو قائم کرنے کے کام میں لگے رہیں، ان کی کوششیں رائگاں نہیں
جائیں گی، انہیں بار آور کرنا خدا کے ذمہ ہے۔ اس کے معاً بعد رحمۃ للعالمین والا
فقرہ ہے، جس کا منشا یہ ہے کہ آنحضرت بھی اسی پیغام کے حامل اور اسی مقصد
کے لئے کام کرنے والے ہیں اور چونکہ انجام کار اس میں ساری نسل انسانی کی
بھلائی ہے، اس لئے آپ رحمت للعالمین ہیں، ظاہر ہے کہ آپ کے رحمت للعالمین
ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ نیکی کو قائم کرنے کا کام آپ کے بعد بھی جاری رہے۔
جب آپ کی قوم بگڑ جائے تو نیا رسول ظاہر ہو کر اور لوگوں کو اس کام پر لگا دے،
تاکہ وہ مقصد جس کے لئے آنحضرت کام کرتے رہے اور جس کو سامنے رکھنے کے
باعث آپ رحمۃ للعالمین کہلائے پورا ہو، چنانچہ آنحضرت نے فرما بھی دیا کہ جب آپ
کی قوم بگڑ جائے گی تو حضرت مسیح علیہ السلام ظہور فرمائیں گے اور ان کے ذریعہ ساری
دنیا میں قیام حق کا کام انجام پائے گا۔ پس یہ آیت آئندہ رسولوں کو روکنے
کی بجائے ان کا آنا ضروری قرار دیتی ہے۔

**خیر اُمت** مسلمان قوم کو جو امت وسطا یا خیر امت کہا گیا ہے تو یہ ایسا ہی ہے، جیسے بنی اسرائیل کو کہا گیا ہے "انی فضلتکم علی العالمین" کہ میں نے تم کو سارے جہانوں پر فضیلت دی ہے" سو جیسے بنی اسرائیل کو اپنے زمانہ میں سب قوموں پر فضیلت تھی، ویسے ہی بے شک مسلمان اپنے وقت میں بہترین امت تھے، مسلمانوں کو جہاں خیر امت کہا گیا ہے، وہاں اس کے وجوہات بھی بتائے ہیں، فرماتا ہے کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنہون عن المنکر وتومنون باللہ (آل عمران ۱۲) کہ "تم بہترین امت ہو، جو لوگوں کے فائدہ کا کام کرتے ہو، نیکی کا حکم دیتے ہو. بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان لاتے ہو" سو جب تک مسلمان قوم ان صفات سے موصوف تھی، کچھ شک نہیں کہ بہترین امت تھی، لیکن جب تومنون باللہ کی بجائے کانوا بآیاتنا لا یوقنون کے مصداق ہو گئے، یعنی اللہ کی آیات پر یقین کرنا چھوڑ دیا. امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی بجائے لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکنے لگے - (بما ضلوا عن سبیل اللہ نحل - ۱۳) اور منعم علیہم ہونے کی بجائے ان پر فرد جرم لگ گئی، (واذا وقع القول علیہم) فضیلت الٰہی ان سے چھین لی گئی" اس وقت وہ پہلی سی خیر امت والی صورت کہاں باقی رہی؟ اسی طرح امت وسطا والی پوری آیت یہ ہے - "وکذلک جعلنا کم امۃ وسطا لتکونوا شہداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شہیدا" بقرہ - ۱۷) جب تک مسلمان قوم اپنے رسول کی پیروی اور نگرانی میں رہی، اور رسول کے نقش قدم پر چل کر دوسروں کی نگرانی اور تربیت و تعلیم کرتی رہی، بیشک وہ امت وسطا تھی، جب ان کی وہ حالت نہ رہی، امت وسطا بھی نہ رہی یاد رہے کہ ان دونوں آیات میں

رسول اللہ کے صحابہؓ کی جماعت مراد ہے، چنانچہ دوسری آیت میں بتا دیا ہے کہ
یہ وہ جماعت ہے جس کے عقیدہ و عمل کی درستی کے گواہ رسول اللہ ہیں۔ رسول
کے سامنے جو قوم ہوتی ہے، اسی کا رسول گواہ ہوتا ہے۔ بعد میں آنے والوں
کے بارہ میں لاعلمی ظاہر کرتا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول قرآن میں منقول ہے
وکنت علیہم شہیدا ما دمت فیہم فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیہم
(مائدہ رکوع آخری) کہ "اے خدا میں تو اسی وقت تک امت کا گواہ تھا،
جب تک میں ان کے درمیان رہا، جب تو نے مجھے وفات دی تو تو ہی ان کا
نگہبان تھا۔"

حدیث میں ہے کہ جب فرشتے آنحضرتؐ کی امت کے ایک حصہ کو دوزخ کی
طرف لے جانے لگیں گے، تو آنحضرتؐ فرمائیں گے، اصحابی اصحابی کہ یہ لوگ
میری امت کے ہیں، تو فرشتے جواب دیں گے، "انک لا تدری ما
احدثوا بعدک" کہ آپ نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا؟ اس
وقت آنحضرتؐ بھی الفاظ دہرائیں گے، جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمائے اور قرآن میں
منقول ہیں۔

اس سے ثابت ہے کہ امت وسطا وہ تھی، جس کے رسول اللہ شاہد حال تھے،
اور رسول اللہ صحابہ کے ہی شاہد حال تھے، پس اس آیت سے مراد صحابہؓ کی وہ
جماعت ہے، جو آخر دم تک رسول اللہ کے نقش قدم پر چلتی رہی، یہ صحیح ہے،
کہ آپ کے بعد بھی جب تک مسلمان من حیث القوم عہد فرمانبرداری پر قائم رہے
اس حکم میں شامل ہیں، لیکن جب اس عہد کو توڑ دیا، پھر نہیں،
امت وسطا والی آیت تحویل قبلہ کے مضمون میں آئی ہے۔ جہاں بیت اللہ سے
بیت المقدس کے کعبۃ اللہ کو قبلہ بنانے کی وجوہات بیان فرمائی ہیں۔ لفظ کذالک
کا مطلب یہ ہے، کہ مسلمان قوم حضرت ابراہیمؑ کی دعا کے نتیجہ میں وجود میں

آتی - اس واسطے اس کے مناسب حال یہی ہے کہ کعبۃ اللہ کو ہی جس کا تعلق حضرت ابراہیمؑ سے ہے، اس کا قبلہ بنایا جائے۔ حضرت ابراہیمؑ کی اس دعا کا ذکر قرآن میں اس طرح سے ہے۔

واذ ابتلی ابراہیم ربہ بکلمٰت فاتمہن قال انی جاعلک للناس اماما قال ومن ذریتی قال لا ینال عہدی الظالمین ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ربنا واجعلنا مسلمین لک ومن ذریتنا امۃ مسلمۃ لک (بقرہ - ۱۵)

خدا نے حضرت ابراہیمؑ کو بعض باتوں میں آزمایا اور ابراہیم نے انہیں بدرجہ اتم پورا کر دیا تو خدا نے فرمایا، کہ میں تجھے لوگوں کا امام بناؤں گا، حضرت ابراہیم نے کہا، اور میری اولاد سے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، میرے اس عہد سے ظالم لوگ فائدہ نہیں اٹھا سکیں گے۔

گویا شروع سے امت مسلمہ کو اس وقت تک منعم علیہا رکھنے کا ارادہ تھا، جب تک وہ عہد فرمانبرداری پر قائم رہے، اور ہر امت پر جو خدا کا انعام ہوتا ہے، ان کے عہد فرمانبرداری پر قائم رہنے سے مشروط ہوتا ہے۔

## تکمیل دین

ہمیں بتایا جاتا ہے کہ دین کی تکمیل تدریجاً ہوتی رہی، سب سے پہلے پیغمبر کو خدا نے تھوڑا سا حصہ دین کا سکھایا، دوسرے کو اس سے زیادہ اور تیسرے کو اس سے زیادہ، حتیٰ کہ آنحضرت صلعم کو سارا دین سکھا دیا، جب سارا دین سکھایا جا چکا اور کوئی چیز سکھانے والی باقی نہ رہی، اب اگر خدا پیغمبر بھیجے تو کس غرض سے؟

اگر یہ بات، جس طرح بیان کی جاتی ہے، قرآن میں لکھی ہوتی تو بے شک سلسلہ رسالت ختم ہوتا، لیکن مشکل یہ ہے کہ قرآن میں جہاں الیوم اکملت لکم دینکم

کے الفاظ آئے ہیں، وہاں نہ دین کی تدریجی تکمیل کا ذکر ہے، نہ سلسلہ رسالت کے ختم ہونے کا وہاں جو مضمون ملتا ہے وہ بالکل اور ہے، ہمارے علما جب قرآن سے مایوس ہوتے ہیں تو ادھر ادھر ہاتھ پاؤں مارنے لگتے ہیں۔ اور اپنے مطلب مطلب زمین بنیاد کرنے کے لیے یوحنا کی انجیل سے ایک فقرہ نکال کر آیہ مذکور کے سیاق و سباق میں ٹھونس دیتے ہیں وہ فقرہ یہ ہے:-

"میری بہت سی باتیں ہیں کہ میں تم سے کہوں پر اب تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے۔ لیکن جب وہ یعنی روح حق آوے تو وہ تمہیں ساری سچائی کی راہ بتا دے گی۔"

سوال یہ ہے کہ اگر الیوم اکملت لکم دینکم کا فقرہ انجیل کے وعدہ کو پورا کرنے کے لیے آیا تھا، تو کیا خدا اتنا نہ کہہ سکتا تھا کہ حسب وعدہ انجیل آج دین کو مکمل کر دیا گیا ہے؟ قرآن میں جہاں توریت انجیل کے بیسیوں حوالے موجود ہیں وہاں آیہ زیر بحث سے پہلے "حسب وعدہ انجیل" کے لفظ کیوں نہ ڈالے گئے؟ اب ہمارا اپنی طرف سے ان الفاظ کو داخل قرآن کرنا تاکہ ہماری منشا کے مطابق معنی پیدا ہو سکیں کیونکر جائز ہو سکتا ہے؟ اس کا مطلب تو یہ ہے، کہ خدا سے فروگذاشت ہو گئی جسے ہم پورا کر رہے ہیں، نعوذ باللہ، لیکن مزید مشکل یہ ہے کہ یہ الفاظ اپنی طرف سے داخل کرنے سے بھی بات نہیں بنتی، کیونکہ قرآن نے خود بھی تو کچھ فقرے الیوم اکملت لکم دینکم سے پہلے اور پیچھے فرمائے ہیں، جو کہ آیہ مذکور کے خدائی مفہوم کو معین و مقید کرتے ہیں، تو وہ فقرے ہمارے فقرہ کو داخل نہیں ہونے دیتے۔ جیسے کہ آگے دکھایا جائے گا۔

ہم دین فطرت کے بیان میں دیکھ آئے ہیں کہ اصل دین ہمیشہ سے ایک ہی چلا آیا ہے، اور اس میں ناقص، کامل کا امتیاز خارج از بحث ہے؛ شکلوں میں جو اختلافات ہیں، ان کا موجب یہ ہے کہ ہر زمانہ میں تشکیل حسب حالات زمانہ ہوتی

اور حالات بدل جانے پر نئی تشکیل کرنی پڑی، جب تک زمانہ چلتا ہے، (یعنی) حالات بدلتے ہیں، شکلوں کا بدلتے رہنا لازمی ہے، شکلوں کی تبدیلی ختم ہو سکے یا کسی شکل کے آخری ہونے کے معنی صرف یہ ہیں کہ زمانہ ختم ہو جائے، اور دنیا فنا ہو جائے۔ موجودہ دین کی آخری شکل وہ ہوگی، جس کے بعد دنیا فنا ہو جائے گی، اور وہ اس وجہ سے آخری ہوگی، کہ اس کے بعد نہ انسان رہا نہ دین، نہ اس وجہ سے کہ دین تدریجاً ترقی کرتا کرتا ایسی شکل پر پہنچ گیا کہ دنیا کے باقی رہنے کے باوجود اس شکل میں تبدیلی کی گنجائش نہ رہی، مسلمانوں کا خیال بے شک یہی تھا کہ اسلام کے بعد بارہ تیرہ سو سال میں علامات قیامت کا ظہور یاجوج ماجوج اور دجال کا خروج اور امام مہدی اور حضرت مسیح کا نزول ہو کر چودھویں صدی میں دنیا فنا ہو جائے گی۔ اگر یہ خیال درست نکلتا اور حالات میں ایسی تبدیلی آنے سے پہلے جو نئی تشکیل دین کو چاہتی ہے، دنیا فنا ہو جاتی، تو بے شک اسلام دین کی آخری شکل ہوتا۔

مقصود یہ ہے کہ اسلام کی آخریت کے خیال کا پس منظر بھی یہی ہے کہ اسلام کے بعد جلد ہی دنیا ختم ہو جائے گی، دنیا کے باقی رہتے ہوئے دین کا تدریجی ترقی سے ایسی شکل پر پہنچ جانا کہ اس میں مزید تبدیلی کی گنجائش نہ ہو محال ہے۔

قرآن شریف نے کوئی ایسا دعویٰ نہیں کیا کہ انسانی سوسائٹی کو پیش آنے والے حالات اور مسائل کی مکمل فہرست اور ان میں سے ہر ایک صورت حال کا معین حل قرآن میں درج کر دیا گیا ہے، بخلاف اس کے قرآن شریف میں کھلم کھلا ضرورت اجتہاد کو تسلیم کیا گیا ہے۔ واذا جاءهم امر من الامن او الخوف اذاعوا به ولو ردوه الى الرسول والى اولى الامر منهم لعلمه الذين يستنبطونه منهم (۴ النساء ع ۱۱)

شریعت اسلامیہ کے ماخذ تین ہیں، کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور فقہ ان تین ماخذوں کا اقرار خود اس اقرار کو مستلزم ہے کہ ان ماخذوں میں سے کوئی

بھی کمال کی اس حد کو نہیں پہنچا انتہا اکافی ہوتا اور دوسرے ماخذوں سے بے نیاز کر دیتا واقعات پر نگاہ ڈالنے سے بھی بآسانی معلوم ہو سکتا ہے کہ قرآن شریف میں صلوٰۃ و زکوٰۃ تک کے تفصیلی احکام موجود نہیں، اور یہ تفصیلات سنت رسول سے لینا پڑتی ہیں، اسی طرح ضابطہ فوجداری، ضابطہ دیوانی، قانون شہادت وغیرہ قوانین میں سے ہر ایک کی چند دفعات کا ذکر قرآن شریف میں ہے اور ایک حصے کا حدیث شریف میں، باقی تفصیلات فقہا کو کتاب و سنت کی روشنی میں اجتہاد سے مدوّن کرنا پڑی ہیں،

سورۂ مائدہ میں دین کو مکمل کرنے کے ذکر سے پہلے حیواتی غذاؤں کی حرمت کا ذکر آیا ہے اور صرف چار چیزوں مردار، خون، سور اور غیر اللہ کے نام سے ذبح کیے گئے جانوروں کو حرام قرار دیا ہے، اسی مضمون کی آیت مندرجہ سورۃ انعام پر جناب مولانا مودودی صاحب فرماتے ہیں:- "فقہائے اسلام میں سے ایک گروہ اس بات کا قائل ہے کہ حیوانی غذاؤں میں سے یہی چار چیزیں (سور، مردار، خون، جو اللہ کے سوا کسی اور کے نام پر ذبح کیا گیا ہو) حرام ہے، اور ان کے سوا ہر چیز کا کھانا جائز ہے، یہی مسلک حضرت عبداللہ ابن عباسؓ اور حضرت عائشہؓ کا تھا لیکن متعدد احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض چیزوں کے کھانے سے یا تو منع فرمایا ہے یا ان پر کراہت کا اظہار فرمایا ہے۔ مثلاً پالتو گدھے کچلیوں والے درندے اور پنجوں والے پرندے، اس وجہ سے اکثر فقہا تحریم کو ان چار چیزوں تک محدود نہیں مانتے، بلکہ دوسری چیزوں تک اسے وسیع قرار دیتے ہیں۔ مگر اس کے بعد پھر مختلف چیزوں کی حرمت و حلت میں فقہا کے درمیان اختلاف ہوا ہے، مثلاً پالتو گدھے کو امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام شافعی حرام قرار دیتے ہیں، لیکن بعض دوسرے فقہا کہتے ہیں کہ وہ حرام نہیں، بلکہ کسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر اس کی ممانعت فرما دی تھی، درندہ جانوروں

اور پرندوں کو حنفیہ مطلقاً حرام قرار دیتے ہیں، مگر امام مالک اور اوزاعی کے نزدیک شکاری پرندے حلال ہیں، لیث کے نزدیک بلی حلال ہے، امام شافعی کے نزدیک صرف وہ درندے حرام ہیں جو انسان پر حملہ کرتے ہیں، جیسے شیر، بھیڑیا، چیتا وغیرہ، عکرمہ کے نزدیک کوا اور بجو دونوں حلال ہیں۔

اگر خدا کی منشا تکمیل دین سے یہ ہوتی کہ پیش آنے والے امور و مسائل کی پوری پوری تفصیلات کتاب اللہ میں دے دی گئی ہیں تو کم از کم سورۃ مائدہ میں آیۂ تکمیل دین کی رعایت سے جو ساتھ ہی آگے آ رہی تھی، حرام حیوانی غذاؤں کی تو مکمل فہرست دے دیتا۔ اگر ایک مکمل فہرست دے دی گئی ہوتی، تو یہ اختلافات جو آپ دیکھ رہے ہیں رونما نہ ہوتے، بمقابلہ اس کے توریت میں حسب ذیل احکام ہیں:-

چارپاؤں میں سے جن کا کھر چرا ہوا ہے اور وہ جگالی کرتے ہوں حلال ہیں۔
اونٹ، سافن اور خرگوش اگرچہ جگالی کرتے ہیں پر ان کا کھر چرا ہوا نہیں حرام ہیں، اسی طرح سؤر جس کا کھر تو چرا ہوا ہے جگالی نہیں کرتا حرام ہے۔
پانی میں رہنے والے جانوروں میں سے جن کے پر ہوں اور چھلکے سمندروں میں یا ندیوں یا نہروں میں حلال ہیں، لیکن جن کے پر نہ ہوں اور نہ چھلکے سمندروں میں ہوں اور جو پانی میں رینگتے ہیں اور دوسرے جاندار جو پانی میں رہتے ہیں وہ مکروہ ہیں انہیں نہ کھاؤ۔

پرندوں میں سے نسر، عقاب، چیل، شاہین، کوے، شتر مرغ، الو، کوکل، باز، بوم، بگلا، رخم، راج ہنس، حواصل، چوہے مار، لق لق، بگلا، ہدہد، چمگادڑ اور سب پرندے جو چار پاؤں پر چلتے ہیں، ان تمام کی سب قسمیں مکروہ ہیں، انہیں نہ کھانا۔ مگر اڑنے والے کیڑے مکوڑوں میں سے جو چار پاؤں سے چلتے ہیں، اور ان کی ٹانگیں اوپر سے پنڈلیوں کے بیچ باقی ہیں کہ وہ الخ

کود کر زمین پر چلتے ہیں حلال ہیں، جیسے ٹڈی، سالعام، خرگوش، ٹڈے سب قسموں کے
رینگنے والے پرندوں میں سے جن کے چار پاؤں ہیں وہ مکروہ ہیں، چار پاؤں سے چلنے
والے جانوروں میں سے جو انگلیوں کے بل چلتے ہیں ناپاک ہیں۔ رینگنے والوں میں
سے جو زمین پر رینگتے ہیں، جیسے چھچھوندر، چوہا، گوہ، دول، چوہزدن،
چھپکلی، اناغشت اور گرگٹ حرام ہیں۔ (احبار ۱۱ ہا سبا ۱۱)

ظاہر ہے کہ یہ بیان زیادہ مفصل ہے، لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ توریت زیادہ
مکمل ہے اور قرآن کم، کیونکہ کمال کسی خاص تفصیلات یا احکام میں منحصر نہیں،
بلکہ ضروریات وقت کو بوجہ احسن پورا کرنے میں ہے۔ توریت کے زمانہ میں ان تفصیلات
کی ضرورت تھی، اگر وہ انہیں بیان نہ کرتی تو کامل نہ ہوتی، بخلاف اس کے زمانہ
قرآن میں جب انسان اس قابل ہوچکا تھا کہ ان تفصیلات کو خود مرتب کرلے، قرآن
اگر انہیں بلا ضرورت بیان کرتا تو منافی کمال ہوتا، غرض جس معنی میں قرآن کے ذریعے
دین کا تکمیل کیا جاتا عموماً مانا جاتا ہے، اس معنی میں تکمیل دین کا نہ قرآن شریف نے دعویٰ
کیا ہے، نہ واقعات سے اس کی تائید ہوتی ہے، بلکہ ایسی تکمیل خدا کے مقصد کے منافی
تھی، خدا کا مقصد ہے انسان کی تربیت یعنی اس کے قوا کا نشو ونما اور ایسی بنی بنائی
تکمیل فہرست دے دینے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ انسان بس ایک بے جان مشین ہو کر
رہ جاتا، جس میں نہ اپنی عقل ہو نہ فکر، نہ قوا کی ریاضت ونشو ونما کا موقعہ، پس ہر
عہد میں خدا کی کتاب توحید اور وحدت انسانی پر اپنی توجہ مرکوز کرتی ہے اور
وحدت انسانی کی ایک منزل جس کی تعیین حسب حالات زمانہ ہوتی ہے، لوگوں کے
سامنے رکھ دیتی ہے اور اس تک پہنچنے کے لئے حسب ضرورت کم یا زیادہ مثالی احکام
دے دیتی ہے۔ جس کی روشنی میں اس کے پیرو باقی تفصیلات خود بہم پہنچا لیتے ہیں
جب لمبا زمانہ گذر جانے پر ہر ایک طرف لوگ بگڑ جاتے ہیں اور دوسری طرف حالات میں
اتنا تغیر آچکتا ہے کہ سابقہ مثالی احکام سے تازہ پیش آمدہ ضروریات کا حل نہیں

ہو سکتا، اور وحدتِ انسانی کی اگلی منزل کو حاصل کرنے کے لئے پروگرام مرتب کرنے کا وقت آپہنچتا ہے، تو خدا اپنی عادتِ قدیمہ مستمرہ کے مطابق مخلوق کی راہنمائی کے لئے نئی کتاب بھیج دیتا ہے۔ تمام پیغمبر یکساں موحد ہوتے ہیں اور یکساں جذبہ ہمدردی بنی نوع کا رکھتے ہیں، ترقی، توحید اور وحدت انسانی کی نوعیت میں نہیں ہوتی بلکہ اس کے دائرہ عمل کی وسعت میں ہوتی ہے۔

غرض ہر شکل جو دین واحد نے کسی زمانہ میں اختیار کی، اپنی اپنی جگہ پر اتنی کامل تھی کہ اس سے بہتر ناممکن تھی، یہاں تک کہ خدا کی اپنی کتابیں بھی ایک دوسری کی جگہ نہیں لے سکتیں، توریت اپنے زمانہ میں ایسی کتاب تھی جس پر تمام خوبیاں ختم تھیں لیکن قرآن کی جگہ نہیں لے سکتی تھی، اسی طرح اگرچہ قرآن اپنی جگہ پر کامل اکمل ہے۔ توریت کی جگہ نہیں لے سکتا تھا، پس نہ صرف حقیقت دین میں ناقص کامل کا امتیاز خارج از بحث ہے بلکہ شکلوں کے لحاظ سے بھی ناقص کامل کا سوال پیدا نہیں ہوتا، اور یوں خدا کا دین ہر زمانہ میں ہر لحاظ سے کامل رہا ہے۔

سابقہ پیغمبروں کے سوانح حیات سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان کا دین ناقص نہ تھا، مثلاً حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل کو دیکھیے۔ بوڑھے باپ کا اپنے جوان فرمانبردار صالح لختِ جگر کو جو باپ کا عصائے پیری ہے کامل سکون کی حالت میں محض خدا کی رضا جوئی کے لئے اپنے ہاتھ سے ذبح کرنے کے لئے تیار ہو جانا، اور سعادت مند بیٹے کا رضا تمام سے خدا کی راہ میں ذبح ہونے کے لئے گردن رکھ دینا، اس سے بڑھ کر وفاداری، فرمانبرداری اور کمال دینداری کی مثال آپ کو کہاں ملے گی؟ کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ خدا تو حضرت ابراہیمؑ کو یہ سرٹیفکیٹ دے کہ وہ الٰہی امتحان میں سو فی صدی نمبر لے کر پاس ہو گئے۔ (وَإِذِ ابْتَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَمَّهُنَّ قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا (بقرہ - ع ۱۵)

کہ انہوں نے خدائی احکام کی بدرجۂ اتم تعمیل کردی، لیکن ہم اس کے خلاف یہ کہتے رہیں کہ حضرت ابراہیمؑ کا دین ادھورا اور ناقص تھا۔ دین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں آ کر کامل ہوا؟

انجیل کے فقرہ مذکورہ سے جو بات ثابت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ ہر زمانہ میں حالات اور ضروریات کے مطابق کلام نازل ہوتا ہے اور اس مضمون کو قرآن نے بھی دہرایا ہے، جہاں فرمایا ہے کہ نزول کلام باندازہ ضرورت ہوتا ہے، جس کا مفصل ذکر پہلے آ چکا ہے، پس اگر حضرت مسیحؑ نے اتنی ہی باتیں بتائیں جن کی ان کے زمانہ میں ضرورت تھی، ساری نہ بتائیں تو قرآن کے اس بیان سے کہ ہر زمانہ میں نزول کلام بقدر ضرورت ہوتا ہے، معلوم ہوا کہ قرآن نے بھی اتنی ہی باتیں بتائیں جتنی اس کے زمانہ میں ضروری تھیں، ساری نہ بتائیں اور اسی لئے حضرت مسیحؑ کے مذکورہ قول کا حوالہ نہ دیا تاکہ اس سے یہ غلط فہمی نہ ہو کہ اب اور کوئی باتیں بتانے والا باقی نہیں رہا، بلکہ صاف طور پر فرما دیا کہ خدا خود ہی حسب ضرورت وحی الٰہی کی بارش برساتا ہے، اہل زمین اس کا ذخیرہ کر کے آئندہ ضروریات کے لئے نہیں رکھ سکتے۔ قرآن شریف نے ان باتوں کو بتانے کا دعویٰ نہیں کیا جو مسیح نے آئندہ بتانے کا وعدہ کیا تھا، مگر جناب بہاء اللہ نے لوح بیپا میں حضرت مسیحؑ کے مذکورہ قول کا حوالہ دے کر لکھا ہے کہ جو باتیں حضرت مسیحؑ نے نہیں بتائی تھیں میں وہ بتانے آیا ہوں۔ اور لطف یہ ہے کہ باوجود اس کے بہاء اللہ نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ ان کے بعد سلسلۂ رشد و ہدایت بند ہو گیا ہے اور کوئی مزکی نسل انسانی ظاہر نہیں ہو گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت مسیحؑ کا ساری باتیں بتانے والا قول بھی اضافی تھا۔

آیئے! اب آیۂ کریمہ الیوم اکملت لکم دینکم پر اس کے سیاق سباق میں غور کریں اور پتہ لگائیں کہ اس کا صحیح مفہوم کیا ہے؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام فرماتے ہی باطل نے ٹکر لی اور تہیہ کر لیا۔ کہ
حق کے نوزائیدہ پودہ کو جڑ پکڑنے، بڑھنے، پھولنے پھلنے سے پہلے ہی ختم کر دے
اس وقت خدا نے مومنوں سے عہد کیا کہ تم میری فرمانبرداری پر قائم رہنا، میں
دین کی دشمنوں سے حفاظت کروں گا۔ آخر کار تمام مخالفت کو کچل کے رکھ دوں
گا، اور تم کو کافروں پر غلبہ عطا کروں گا، چنانچہ خدا نے ایسا ہی کر دکھایا، جب یہ
سب ہو چکا تو اب خدا سورۃ مائدہ میں مومنوں کو ان کا عہد یاد دلاتا ہے اور فرماتا ہے

آیت ۱ - یا ایہا الذین آمنوا اوفوا بالعقود ۔۔۔۔۔

آیت ۲ - ۔۔۔۔۔۔۔ ولا یجرمنکم شنآن قوم ان صدوکم
عن المسجد الحرام ان تعتدوا و تعاونوا علی البر والتقوی ولا
تعاونوا علی الاثم والعدوان، واتقوا اللہ ان اللہ شدید العقاب

آیت ۳ - ۔۔۔۔۔۔۔ الیوم یئس الذین کفروا من دینکم فلا
تخشوھم واخشون ط الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم
نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا ۔۔۔۔۔۔ ۃ

آیت ۷ - واذکروا نعمۃ اللہ علیکم ومیثاقہ الذی واثقکم بہ اذ
قلتم سمعنا واطعنا واتقوا اللہ ان اللہ علیم بذات الصدور ۃ

آیت ۸ - یا ایہا الذین آمنوا کونوا قوامین للہ شہداء بالقسط
ولا یجرمنکم شنآن قوم علی الا تعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقوی
واتقوا اللہ ان اللہ خبیر بما تعملون ۔

آیت ۱۱ - یا ایہا الذین آمنوا اذکروا نعمۃ اللہ علیکم اذ ہم قوم
ان یبسطوا الیکم ایدیہم فکف ایدیہم عنکم واتقوا اللہ وعلی
اللہ فلیتوکل المومنون ۃ

آیت ۱۲ - ولقد اخذ اللہ میثاق بنی اسرائیل ......

آیت ۱۳ - فبما نقضھم میثاقھم لعنّاھم

یعنی اے مسلمانو! اپنے اقراروں کو پورا کرنا اب جبکہ تم کو غلبہ حاصل ہو چکا ہے، اس عداوت سے کہ ان لوگوں نے تمہیں مسجد حرام سے روکا تھا۔ ان پر زیادتی نہ کرنا اور نیکی اور تقویٰ میں ایک دوسرے کی امداد کرنا گناہ اور زیادتی میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرنا، خدا سے ڈرتے رہنا، یاد رکھنا، عہد توڑنے پر وہ سخت عذاب دینے والا ہے، دیکھو ایک وقت تھا کہ تم کمزور تھے کافر طاقتور تھے، انہوں نے تمہیں مٹا دینے کا مصمم ارادہ کر لیا تھا۔ خدا کے اس احسان کو نہ بھلانا، کہ اس نے کافروں کے ہاتھوں کو تم سے روک دیا۔ اور آج وہ تمہارے دین کی طرف سے یعنی اسے مٹا کر تمہیں پھر اپنے اندر جذب کر لینے کے مقصد سے مایوس ہو چکے ہیں۔ اب تمہیں ان سے کچھ خوف باقی نہیں رہا۔ تم نے دیکھ لیا کہ میں نے دین کو ضعف سے قوت کی طرف کمال تک پہنچا دیا اور تمہاری فرمانبرداری کے انعام میں تمہاری حفاظت کا جو وعدہ کیا تھا پورا کر دیا ہے۔ ایسا یاد رکھنا کہ یہ تمہارا عروج اور غلبہ تمہارے عہد فرمانبرداری (الاسلام) سے مشروط ہے جو تم نے سمعنا و اطعنا کہہ کر پختہ طور سے باندھا تھا۔ خدا سے ڈرتے رہنا، وہ دل کی باتوں کو بھی جانتا ہے، اللہ کے لئے انصاف کی گواہی کی حفاظت کرنا اور کسی قوم سے دشمنی کی وجہ سے اس سے بے انصافی نہ کرنا عدل کرنا کہ وہ تقویٰ سے زیادہ قریب ہے، اور اللہ سے ڈرتے رہنا، جب تک تم عہد پر رہو گے وہ خبردار رہے گا یہ بھی یاد رکھنا کہ ہم نے بنی اسرائیل سے بھی عہد لیا تھا، پھر جب انہوں نے عہد توڑ دیا، تو ہم نے ان کو راندہ بارگاہ (ملعون) بنا دیا۔ سو جو انعام تم پر کیا گیا ہے۔ یہ صاف طور پر تمہارے الاسلام یا فرمانبرداری پر قائم رہنے سے ہے، جب تم بنی اسرائیل کی طرح عہد توڑ دو گے، تو تم سے بھی انعام چھین لیا جائے گا، اور تم سے بھی وہی سلوک کیا جائے گا جو ان سے ہوا۔

اب آپ اچھی طرح سے غور کرکے دیکھ لیں کہ آیا الیوم اکملت لکم دینکم کا یہ منشاء ہے کہ دین جو ہمیشہ سے ناقص چلا آتا تھا، عہد محمدی میں پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا، یا یہ کہ حضرت محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ غلبہ دین حقیقت کا جو عمل شروع ہوا، اس کو تمام مشکلوں سے بحفاظت تمام گذار کر انجام کو پہنچا دیا، دین کے ضعف کو قوت میں اور خوف کو حالت امن میں بدل دیا۔ مخالفوں کو ناکام و نامراد اور مومنوں کو غالب و کامیاب بنا دیا، آیا یہ منشاء ہے کہ مسلمان قوم خواہ کچھ کرے، یہ خدا کی جنتی قوم ہے، ان کی اصلاح کا بھی کسی کو حق نہیں رہا۔ یا یہ کہ مسلمان قوم کا عروج و اقبال بھی بنی اسرائیل کی طرح ایفائے عہد تک ہے، جب وہ عہد توڑ دیں گے، تو ان سے وہی سلوک ہوگا جو ان سے پہلے عہد فرمانبرداری توڑنے والی قوموں سے ہوتا رہا۔ بہ بیں تفاوت راہ از کجاست تا بکجا۔

الیوم اکملت لکم دینکم کے منشاء کو ان کے ساتھ کے سابق الفاظ الیوم یئس الذین کفروا من دینکم اور اتممت علیکم نعمتی کے مضمون نے آیت ۱۱ کے الفاظ اذکروا نعمۃ اللہ علیکم اذ ہم قوم ان یبسطوا علیکم ایدیہم فکف ایدیہم عنکم اور رضیت لکم الاسلام دینا کے معنی کو آیت ۷ کے الفاظ اذکروا نعمۃ اللہ علیکم ومیثاقہ الذی واثقکم بہ اذ قلتم سمعنا واطعنا ظاہر من الشمس کر رہے ہیں، آیت زیر بحث اپنے سیاق سباق میں مسلمانوں کو دوامی پٹہ عطا کرنے کی بجائے ایفائے عہد تک ان کی میعاد مقرر کر رہی ہے، اور تنبیہ کر رہی ہے کہ بنی اسرائیل کی طرح نقض عہد کے مرتکب ہو کر خدا کے انعام سے محروم نہ ہو جانا۔

## ۱۴ حفاظت قرآن

سورۂ حجر میں ذکر کو نازل کرنے اور اس کی حفاظت کرنے کا ذکر ہے، عام طور پر مسلمان سمجھتے ہیں، کہ ذکر صرف قرآن شریف ہی ہے، اور اس کی حفاظت سے قرآن شریف کے لفظوں کی حفاظت مراد ہے، یعنی اس میں تحریف لفظی نہ ہونے پائے گی، حالانکہ ذکر صرف قرآن شریف کا نام ہی نہیں، توریت بھی ضیاء و ذکر ہی تھی، جیسے کہ ہم دیکھ آئے ہیں، زبور میں بھی ذکر تھا، جیسے کہ فرماتا ہے ولقد کتبنا فی الزبور من بعد الذکر (انبیاء ع ۷) کہ ہم نے زبور میں ذکر کے بعد لکھا...... توریت زبور تک ہی موقوف نہیں، تمام پیغمبروں کی تعلیم کا نام ذکر ہے، ولقد ارسلنا الی امم من قبلک..... فلما نسوا ما ذکروا بہ (انعام ع ۵) کہ اے رسول! پہلی قوموں کی طرف ہم رسول بھیجتے رہے...... پس جب ان کی قومیں ذکر کو جو انہیں عطا کیا جاتا، بھول جاتیں۔۔۔ یہود و نصاریٰ کو جیسے اہل کتاب کہا ہے اہل ذکر بھی کہا ہے

فاسئلوا اہل الذکر ان کنتم لا تعلمون

(انبیاء ع ۲) ذکر کے معنی ہیں یاددہانی چونکہ تمام پیغمبروں کی تعلیم ایک ہی ہوتی ہے، صرف پیرایہ نیا ہوتا ہے، اس لئے ہر پیغمبر کی تعلیم کو ذکر محدث یا تازہ یاددہانی کہا جاتا ہے، جیسے فرمایا ہے وما یاتیہم من ذکر من الرحمن محدث الا کانوا عنہا معرضین ہ (شعراء ۱) کہ ہر بار جب لوگوں کے پاس تازہ یاددہانی آتی ہے تو وہ اس سے منہ پھیر لیتے ہیں۔ ذکر، رسول کو بھی کہتے ہیں۔ قد انزل اللہ الیکم ذکرا رسولا، یتلوا علیکم آیات اللہ (طلاق ع ۲) کہ خدا نے تمہاری طرف ذکر نازل کیا ہے، جو رسول ہے، اور تم پر اللہ کی آیات پڑھتا ہے۔ اب آیت زیر بحث کو ملاحظہ فرمائیے:۔

ربما یود الذین کفروا لو کانوا — بسا اوقات کفار خواہش کریں گے، کہ کاش

مسلمین - ذرھم یاکلوا و
یتمتعوا ویلہھم الامل
فسوف یعلمون - وما اھلکنا
من قریۃ الا ولھا کتاب
معلوم - ما تسبق من امۃ
اجلھا وما یستاخرون - وقالوا
یا ایھا الذی نزل علیہ الذکر
انک لمجنون - لو ما تاتینا
بالملائکۃ ان کنت من
الصادقین - ما ننزل الملائکۃ
الا بالحق وما کانوا اذا
منظرین - انا نحن نزلنا
الذکر وانا لہ لحافظون ۝
ولقد ارسلنا من قبلک
فی شیع الاولین وما یاتیھم
من رسول الا کانوا بہ
یستھزءون - کذلک نسلکہ
فی قلوب المجرمین، لا
یؤمنون بہ وقد خلت
سنۃ الاولین
(حجر - ع ۱)

ہم مسلمان ہوتے، انہیں کھالینے اور فائدہ
اٹھانے دو - اور آرزو ان کو غافل کردے
گی پس انہیں معلوم ہو جائے گا - ہم کسی
بستی کو ہلاک نہیں کرتے
بجز اس کے کہ اس کی میعاد
مقررہ ہوتی ہے - کوئی قوم
اپنی میعاد مقررہ سے آگے پیچھے نہیں ہو
سکتی، کہتے ہیں، اے وہ کہ جس پر ذکر نازل
ہوا - تو تو دیوانہ ہے - اگر تو سچا ہے - تو
فرشتوں کو کیوں نہیں لے آتا، ہم فرشتوں
کو نہیں اتارتے مگر جب مناسب ہو اور
اس وقت انہیں مہلت نہیں دی جائے گی
بے شک ہم نے ذکر کو نازل کیا ہے - اور ہم
ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں - ہم
نے تجھ سے پہلے پہلی قوموں میں بھی
رسول بھیجے - اور جو بھی رسول ان کے
پاس آتا ہے - وہ اس سے استہزا کرتے
اسی طرح ہم مجرموں کے دلوں میں
یہ بات ڈالتے ہیں - تو وہ اس پر ایمان
نہیں لاتے، اور پہلے لوگوں کا بھی یہی
طریق رہا -

ان آیات سے صاف ظاہر ہے کہ مخالفت جو ذکر کو اترتے ہی مٹا دینا چاہتے
تھے، اُن سے ان کی حفاظت کا وعدہ کیا ہے، اور بتایا ہے کہ ذکر کوئی پہلی بار
نازل نہیں ہوا، اور نہ ہی پہلی بار اس کی مخالفت ہوئی ہے۔ پہلی قوموں کی
طرف بھی ذکر نازل ہوتا رہا۔ اور ہر بار جب وہ نازل ہوتا تھا مجرم اس کی مخالفت
کرتے، لیکن خدا مخالفوں کو مٹا کر ذکر کو محفوظ کر لیتا، اسی طرح اب ہوگا، یہ
پیغمبر سے انکار رہے ہیں کہ اگر تو سچا ہے تو ہمیں فنا کرنے کے لئے فرشتے کیوں نہیں
لے آتا۔ اور نہیں جانتے کہ ان کی موت کا مقررہ وقت آ پہنچا ہے، اور جلد
ہی یہ افسوس کریں گے کہ کاش ہم نے مخالفت نہ کی ہوتی اور فرمانبرداری اختیار
کی ہوتی، چنانچہ مخالفت کو مٹا دینے اور ذکر کی حفاظت کرنے یعنی امر اسلام کو استحکام
و تمکنت بخشنے کا جو وعدہ کیا تھا وہ اسی زمانہ میں پورا بھی کر دیا۔

ظاہر ہے کہ حفاظتِ ذکر کا طریق خدا کے ہاں یہ ہے کہ جب جب لوگ
اُسے بھول جاتے ہیں، نئے پیغمبر کے ذریعے اسے نئے سرے سے
قائم و محفوظ کرا دیا جاتا ہے، ذکر کے نزول کے وقت لوگ
ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں، کہ ذکر کو جو نئے سرے سے
نازل ہوا ہے قائم نہ ہونے دیں، لیکن خدا اس کی پشت پر
ہوتا ہے، انہیں مخالفوں سے خدا خلق جدید پیدا کر دیتا
ہے۔ جو ذکر کی حمایت پر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور
جو مخالفت سے باز نہیں آتے انہیں ہلاک کر دیتا ہے،
اور ذکر نئے سرے سے قائم ہو کر محفوظ ہو جاتا ہے جب طویل زمانہ گزرنے
سے وہ قوم جو ذکر کی حمایت پر کھڑی ہوئی تھی خود بگڑ جاتی ہے، اور
اب ان کے ہاتھوں ذکر برباد ہونے لگتا ہے۔ تو اس

وقت خدا نیا پیغمبر بھیج کر ذکر کو دوبارہ محفوظ کرا دیتا ہے جیسے کہ پہلے کیا تھا، چنانچہ جب سابقہ اہل ذکر بگڑ گئے، اور ان کی تحویل میں ذکر محفوظ نہ رہا تو خدا نے اسے نئے پیرایہ میں عرب میں نازل کر کے محفوظ کرا دیا، سابقہ تحویلداروں یا دوسرے لفظوں میں جب خدا کی حفاظتی تدبیر کی مخالفت کی تو انہیں مٹا دیا۔ اور نئی قوم کو جو حفاظت و حمایت ذکر پر کھڑی ہوئی ان کا جانشین بنا دیا۔ اب اگر مسلمان قوم بگڑ جائے اور ذکر پھر ایک مرتبہ اسی طرح غیر محفوظ ہو جائے جیسے سابقہ اہل الذکر کے ہاں غیر محفوظ ہو گیا تھا تو کیا حفاظت ذکر کی خاطر یہ ضروری نہ ہو گا کہ ذکر کو کسی اور قوم پر نئے پیرایہ میں نازل کر کے اسی طرح محفوظ کرا یا جائے، جیسے سابقہ اہل الذکر کے بگڑنے کے وقت اُسے نئے پیرایہ میں عرب میں نازل کر کے محفوظ کیا تھا؟ پس تو ظاہر ہے کہ نئے پیرایہ میں نزول کے معنی نئی کتاب ہیں جو نئے رسول پر ہی نازل ہو سکتی ہے۔

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ذکر سے الفاظ مراد نہیں، بلکہ وہ نصیحت مراد ہے، جو الفاظ کے ذریعے کی جاتی ہے، سو حفاظت ذکر سے مراد حفاظت الفاظ نہیں بلکہ ان کے مضمون یعنی تعلیم کی حفاظت مراد ہے، مسلمان کہتے ہیں، چونکہ قرآن شریف میں تحریف لفظی نہیں ہوئی، اُس کے لفظ بالکل محفوظ ہیں، اس واسطے نئی کتاب کی ضرورت نہیں، حالانکہ قرآن میں یہ کہیں نہیں لکھا کہ جب تک سابقہ کتاب میں تحریف لفظی نہ ہو نئی کتاب نہیں آ سکتی، بلکہ بالکل اس کے برعکس لکھا ہے کہ جب قوم میں تفرقہ و اختلاف ہو جائے اور الفاظ کا مغز نہ کہ الفاظ ان کے علم و عمل سے جاتے رہیں، اس وقت اختلافات کے فیصلہ اور تعلیم کو نئے سرے سے واضح کرنے کے لئے ذکر محدث یا نئی کتاب نازل ہوتی ہے۔

مسلمانوں کا تفرقہ اور اختلاف کوئی فرضی بات نہیں، قرآن شریف کی متعدد آیات

سے دکھایا جا چکا ہے کہ مسلمانوں میں تفرقہ و اختلاف رونما ہو جائیں گے اور ان کے اختلافات کے فیصلہ کی ضرورت لاحق ہو جائے گی۔ اور یہ بھی دکھایا جا چکا ہے کہ اختلافات کا فیصلہ بذریعہ رسول ہی ہوتا ہے۔

پس آیہ زیر بحث آئندہ رسول کو مانع ہونے کی بجائے اس کی مؤید ہے کیونکہ اس میں حفاظت ذکر کا وعدہ ہے اور وہ وعدہ ہمیشہ اسی طرح پورا ہوتا رہا ہے کہ جب سابقہ اہل الذکر کے ہاں وہ غیر محفوظ ہو گیا تو نئے پیرایہ میں نئی قوم پر نازل کر کے محفوظ کیا گیا۔

## ۵۔ تبدیلی کتاب

سورہ الانعام میں ہے:۔

افغیر اللّٰہ ابتغی حکما وھو الذی انزل الیکم الکتاب مفصلا والذین اتینھم الکتاب یعلمون انہ منزل من ربک بالحق فلا تکونن من الممترین، وتمت کلمۃ ربک صدقا وعدلا، لا مبدل لکلماتہ (انعام ع۱۴)

کیا میں اللہ کے سوا کسی اور کو حکم مانوں، حالانکہ ہر چیز کھول کر بیان کرنے والی کتاب اس نے تمہاری طرف (قرآن) نازل کی ہے، پس جھگڑا کرنے والوں سے نہ ہو اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ جانتے ہیں کہ وہ تیرے رب کی طرف سے نازل ہوئی ہے، تیرے رب کی بات سچائی اور انصاف کی رو سے پوری ہو گئی۔ خدا کی باتوں کو بدلنے والا کوئی نہیں۔

ان الفاظ کے کہ "تیرے رب کی بات پوری ہو گئی" یہ معنی کئے جاتے ہیں کہ خدا اپنا کلام تدریجاً نازل کرتا رہا۔ سب سے پہلی کتاب میں تھوڑا سا حصہ نازل کیا، دوسری میں پہلی سے زیادہ اور تیسرے میں دوسری سے زیادہ یہاں تک کہ قرآن شریف میں سارا کلام جو خدا کے پاس تھا، نازل کر دیا۔

اب کوئی شریعت کلام نازل ہونے والا باقی نہیں، خدا کلام نازل کرنے کے کام سے فارغ ہو چکا ہے، اور کلام اور صفت تکلم دونوں ختم ہیں۔

"خدا کی باتوں کو بدلنے والا کوئی نہیں" کہا جاتا ہے کہ اس فقرہ میں بدلنے سے مراد تبدیلی کتاب ہے، جیسے توریت کی جگہ انجیل آ گئی، یا انجیل کی جگہ قرآن آ گیا۔ خدا کی باتوں سے مراد صرف قرآن شریف ہے جسے بدلنے والا کوئی نہیں "کوئی نہیں" میں خدا بھی شامل ہے بلکہ خدا ہی شامل ہے، کیونکہ کتابوں کی تبدیلی جو پہلے ہوتی رہی وہ خدا ہی کرتا رہا نہ کہ کوئی اور، مثلاً توریت کی بجائے اگر انجیل آئی تو خدا نے بھیجی اور انجیل کی بجائے اگر قرآن آیا تو خدا نے نازل کیا۔ پس جب یہ کہا جائے کہ آئندہ ایسی تبدیلی کرنے والا کوئی نہیں، تو اسی کی نفی مراد ہو سکتی ہے، جو پہلے ایسی تبدیلیاں کرتا رہا ہے۔

گویا خدا کہنا تو یہ چاہتا تھا کہ آئندہ کو میں بدل گیا ہوں، تبدیلی کتاب کا حق و اختیار جو مجھے حاصل تھا اور میں استعمال کرتا رہا ہوں، آئندہ کے لئے باقی نہیں رہا۔ لیکن کہہ یہ دیا، کہ میری باتوں کو بدلنے والا کوئی نہیں۔

سوال یہ ہے کہ زیر خط کشیدہ فقرے قرآن کے کن الفاظ سے نکالے جاتے ہیں؟ یہ فقرے قرآن سے نکالے جاتے ہیں، یا اپنی طرف سے اس میں داخل کئے جاتے ہیں؟ کیا یہ صحیح ہے کہ اب پہلا سا خدا باقی نہیں؟ کیا توریت، انجیل خدا کا کلام نہ تھا؟ اگر تھا، اور خدا اپنے کلام کو خود بھی نہیں بدل سکتا تو آیۂ کریمہ "اذا بدلنا اٰیۃ مکان اٰیۃ" کے معنی کیا ہیں اور توریت کی جگہ انجیل نے اور انجیل کی جگہ قرآن نے کیونکر لی؟

قرآن شریف میں "تمت کلمۃ ربک" اور "لا مبدل لکلماتہ" کے الفاظ اور جگہوں پر بھی آئے ہیں، جن میں سے بعض حسب ذیل ہیں:-

۱ - قد نعلم انه ليحزنك الذي يقولون فانهم لا يكذبونك ولكن الظالمين بآيات الله يجحدون - ولقد كذبت رسل من قبلك فصبروا على ما كذبوا واوذوا حتى اتاهم نصرنا ولا مبدل لكلمات الله ه ولقد جاءك من نبإ المرسلين

(انعام ع ۴)

ہم جانتے ہیں، کہ تجھے اس سے جو وہ کہتے ہیں غم ہوتا ہے، یہ لوگ تجھے تو جھوٹا نہیں کہتے، لیکن ظالم اللہ کی آیات کا انکار کرتے ہیں، تجھ سے پہلے رسولوں کو بھی جھٹلایا گیا، پس انہوں نے اس پر صبر کیا اور انہیں دکھ دیا گیا، یہاں تک کہ ہماری مدد ان کو آ پہنچی، خدا کی باتوں کو بدلنے والا کوئی نہیں - اور تیرے پاس سابقہ رسولوں کی خبر آ چکی ہے -

۲ - لهم البشرى في الحيوة الدنيا وفي الآخرة - لا تبديل لكلمات الله ه

(یونس ع ۷)

ان کے لئے دنیوی زندگی میں اور آخرت میں خوشخبری ہے، اللہ کی باتوں کو بدلا نہیں جا سکتا -

۳ - واورثنا القوم الذين كانوا يستضعفون مشارق الارض ومغاربها - التي باركنا فيها وتمت كلمت ربك الحسنى على بني اسرائيل بما صبروا ودمرنا ما كان يصنع فرعون وقومه

(اعراف ع ۱۶)

ہم نے اس قوم کو جنہیں کمزور خیال کیا گیا تھا اس زمین کے مشرق و مغرب کا جسے ہم نے برکت دی وارث بنا دیا، اور بنی اسرائیل کے صبر کی وجہ سے تیرے رب کی بات جو ان کی بھلائی پر مشتمل تھی ان کے حق میں پوری ہو گئی، اور ہم نے فرعون اور اس کی قوم کی کوششوں کو برباد کر دیا -

۴ - وتمت كلمت ربك لاملئن

اور تیرے رب کی بات کہ میں جہنم کو

| | |
|---|---|
| جہنم من الجنۃ والناس اجمعین (ھود ع ۱۰) | جنوں اور انسانوں سے بھر دوں گا پوری ہو گئی |
| ۵ - واتل ما اوحی الیک من کتاب ربک لا مبدل لکلماتہ ، ولن تجد من دونہ ملتحدا ۰ واصبر نفسک مع الذین یدعون ربھم بالغداوۃ والعشی (کہف ع ۴) | تیرے رب کی کتاب سے جو کچھ تیری طرف وحی کیا جاتا ہے ، اُسے پڑھ ، اس کی باتوں کو بدلنے والا کوئی نہیں ، اور اس کے سوائے تو کوئی پناہ نہ پائے گا ، اور ان لوگوں کے ساتھ ہو کر جو خدا کو صبح و شام پکارتے ہیں ، صبر کر۔ |
| ۶ - سیقول المخلفون اذا انطلقتم الی مغانم لتاخذوھا ذرونا نتبعکم یریدون ان یبدلوا کلام اللہ - قل لن تتبعونا کذلکم قال اللہ من قبل (فتح - ع ۲) | عنقریب جب تم غنیمت کے مالوں کی طرف جاؤ گے تاکہ انہیں حاصل کرو ، تو وہ لوگ جو پہلے جنگوں سے پیچھے رہتے رہے ہیں کہیں گے کہ ہمیں بھی اجازت دو کہ ہم تمہارے ساتھ چلیں - یہ چاہتے ہیں کہ خدا کی بات کو بدل دیں - کہہ کہ تم ہرگز ہمارے ساتھ نہیں جانے پاؤ گے جیسے کہ خدا نے پہلے کہا - |

آپ دیکھتے ہیں کہ پہلی آیت میں لا مبدل لکلمات اللہ کے معنی یہ ہیں کہ پیغمبر کی نصرت کا وعدۂ الٰہی اٹل ہے ، نہ مشرکین سابقہ زمانوں میں اُسے پورا ہونے سے روک سکے نہ زمانۂ نزول قرآن میں روک سکیں گے ، دوسری آیت میں لا تبدیل لکلمات اللہ کا منشا یہ ہے ، کہ مومنوں کو جو دین و دنیا

ہیں کا میابی کی خوشخبری دی جاتی ہے، پوری ہو کر رہے گی، خدا کی باتوں کو پورا ہونے سے کوئی روک نہیں سکتا۔ تیسری آیت میں تمت کلمت ربک سے مراد یہ ہے کہ خدا نے جو بنی اسرائیل سے وعدہ کیا تھا کہ انہیں ارض مقدس عطا کروں گا اور فرعون کو ہلاک کر دوں گا وہ پورا ہو کر رہا۔ چوتھی آیت میں تمت کلمت ربک کا مطلب یہ ہے کہ خدا کا یہ قول کہ میں جہنم کو جنوں اور انسانوں سے پر کروں گا، پورا ہو کر رہا، ہر زمانہ میں ہر پیغمبر کے ظہور پر جنوں اور انسانوں سے جہنم پر ہوتا رہا۔ پانچویں آیت میں لا مبدل لکلماتہ کے معنی بالفاظ "بیان القرآن" یہ ہیں کہ "حق کی آخری کامیابی کی پیش گوئی ٹل نہیں سکتی" چھٹی آیت میں بتایا ہے، کہ خدا نے جو بیعت رضوان کرنے والوں سے بعض خاص مغانم کا وعدہ کیا تھا، جب اس کے پورا ہونے کا وقت آیا تو پہلی جنگوں سے پیچھے رہنے والے بھی جو اس وعدہ میں شامل نہ تھے، تیار ہو گئے کہ ہم بھی ساتھ چلیں گے، تو خدا نے کہا کہ یہ چاہتے ہیں کہ خدا کے کلام کو بدل دیں یہ نہیں ہو سکتا، خدا نے جو کہا تھا کہ وہ غنائم خاص اصحاب حدیبیہ کے لئے ہیں تو اس کی بات ٹھیک جیسے کہی گئی تھی پوری ہو کر رہے گی، اس میں کوئی تبدیلی نہ ہو گی۔

جب ان تمام مقامات پر تمت کلمات ربک کے معنی خدا کے وعدے یا اس کی بات کا پورا ہونا کئے جاتے ہیں اور لا مبدل لکلماتہ کے معنی یہ کئے جاتے ہیں کہ خدا کی باتیں اٹل ہیں، جنہیں پورا ہونے سے کوئی روک نہیں سکتا، تو آیات زیر غور میں ان معنوں کو ترک کر کے اپنے پاس سے نئے معنی کیوں گھڑے جاتے ہیں؟

آیات زیر بحث پر غور کرنے سے معلوم ہو گا کہ وہاں بھی وہی جھگڑا ہے، جو یہاں ہے، مخالف کہتے ہیں کہ نئی کتاب نازل

نہیں ہوسکتی اس واسطے قرآن خدا کی طرف سے نہیں، انہیں توجہ دلائی ہے، کہ
۱۔ تفرقہ اور اختلافات سے سچائی مشتبہ ہو چکی ہے، اس بات کا فیصلہ کرنے کے لئے کہ سچ کیا ہے اور جھوٹ کیا حکم کی ضرورت سے انکار نہیں ہوسکتا۔ سوال یہ ہے کہ حکم کس کو تسلیم کیا جائے؟ خدا کو جس نے فیصلہ کرنے والی کتاب نازل کردی یا اس کے سوا دوسروں کو، جو اپنے اختلافات کا فیصلہ کرنے سے عاجز ہیں؟ جب تمام لوگ بغیر کسی استثنا کے فیصلہ کرنے سے عاجز آ گئے ہیں اس وقت اگر فیصلہ کن کتاب ظہور میں آجائے تو ظاہر ہے کہ وہ خدا نے نازل کی،
۲۔ تمام انسانوں کے فیصلہ سے عاجز آجانے کے بعد فیصلہ کی راہ پیدا ہو جانے سے جو فیصلہ کے من جانب اللہ ہونے پر دلیل پیدا کی گئی ہے، یہ کوئی خشک فلسفہ نہیں جو عملی طور پر کسی کو قائل نہ کرسکتا ہو، بلکہ وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں، ان کی قرار واقعی تشفی بھی ہو چکی ہے کہ یہ من جانب اللہ ہے۔
۳۔ خدا کی طرف سے کتاب نازل ہونے میں تعجب کی کوئی بات نہیں، خدا نے وعدہ کیا ہوا ہے کہ نسل انسانی جب جب تفرقہ اور اختلاف سے سچائی کو گم کر دے گی، وہ سچ اور جھوٹ میں فیصلہ کرنے کے لئے کتاب اور رسول بھیجتا رہے گا، خدا کی باتیں اور اس کے وعدے اٹل ہوتے ہیں۔ انہیں کوئی بدل نہیں سکتا۔ چنانچہ نزول قرآن اسی وعدے کا ایفا ہے۔
پس آیات زیر غور میں کلمہ سے فیصلہ اختلافات کے لئے کتاب بھیجنے کا وعدہ مراد ہے، تمت کلمت ربک کے معنی یہ ہیں کہ خدا کا کتاب بھیجنے کا وعدہ جیسے سابقہ زمانوں میں توریت انجیل وغیرہ کتابوں کے نازل ہونے سے پورا ہوتا رہا، آنحضرت صلعم کے زمانہ میں نزول قرآن سے پورا ہوا

اور لا مبدل لکلماتہ کا منشا یہ ہے کہ ہر اختلاف کے موقعہ پر کتاب بھیجنے کا وعدہ اٹل ہے، جسے کوئی طاقت روک نہیں سکتی۔ ہر زمانہ کے لوگوں نے چاہا کہ خدا کا وعدہ پورا نہ ہو، لیکن نہ فرعون خدا کو توریت نازل کرنے سے روک سکا نہ یہودی اسے انجیل نازل کرنے سے روک سکے، نہ مشرکین عرب اسے قرآن نازل کرنے سے روک سکے، جیسے سابقہ زمانوں میں نہ روک سکے آئندہ بھی نہ روک سکیں گے۔

غرض جس خیال کی تردید کے لئے یہ آیات نازل ہوئی تھیں آج ٹھیک اسی خیال کی تائید میں انہیں پیش کیا جا رہا ہے، اور یہ سلوک انہیں آیات تک محدود نہیں، اس کتاب میں جا بجا دکھایا گیا ہے، کہ ہر موقعہ پر قرآن سے عین اس کی منشا کے برخلاف معنی نکالے جا رہے ہیں، اب ناظرین کرام خود ہی فیصلہ کریں کہ جب کلام الٰہی کے غیر متبدل ہونے کے معنی یہ ہوں کہ خود ہی سارے کے سارے کلام کو اس نے ذریعہ سے بدل دیں تو اس وقت خدا نئی کتاب اور نئے پیغمبر کے ذریعے اپنے کلام کو پھر سے بحال اور محفوظ نہ کرے تو کیا کرے؟ نئی کتاب آنے سے اگرچہ بظاہر پہلی کتاب کی تبدیلی ہوتی ہے، دراصل نئی کتاب پہلی کتاب کو جسے اس کے حامل خود بدل دیتے ہیں بحال کرنے آتی ہے۔

## خاتم النبیین

فلما قضیٰ زید منہا وطرا زوجنکہا لکی لا یکون علی المؤمنین حرج فی ازواج ادعیائہم اذا قضوا منہن وطرا ط

جب زید نے اس سے اپنی حاجت پوری کر لی تو ہم نے اسے تیری زوجہ بنا دیا، تاکہ مومنوں پر ان کے منہ بولے بیٹوں کی بیبیوں کے بارہ میں جب وہ ان سے حاجت پوری کر چکیں کوئی تنگی نہ رہے، اور اللہ کا حکم ہو کر رہنے

وكان امر الله مفعولا ۔ ما كان على النبي من حرج فيما فرض الله له ۔ سنة الله في الذين خلوا من قبل وكان امر الله قدرا مقدورا ۔ الذين يبلغون رسلت الله ويخشونه ولا يخشون احدا الا الله ۔ وكفى بالله حسيبا ۔ ما كان محمد ابا احد من رجالكم ولكن رسول الله وخاتم النبيين وكان الله بكل شيء عليما ۔

والا تھا۔ نبی پر اس میں جو اللہ نے اس پر فرض کیا کوئی تنگی نہیں، جو پہلے ہو گذرے ہیں، ان میں بھی خدا کا یہی قانون رہا ہے۔ اور اللہ کا حکم پورا ہو کر رہنے والا اندازہ ہے جو خدا کا پیغام پہنچاتے ہیں، اور اس سے ڈرتے ہیں۔ اور اس کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے، اور اللہ حساب لینے والا کافی ہے۔
محمدؐ مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں۔ اور آخری نبی، اور اللہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔

(الاحزاب ع ۵)

زید رسول اللہؐ کے غلام تھے، جنہیں آپ نے آزاد کر دیا تھا، زید کو آنحضرتؐ سے اتنی محبت تھی کہ آزاد ہو کر بھی آپ کے پاس ہی رہنا پسند کیا، اس محبت کی بنا پر زید کو آنحضرتؐ کا متبنیٰ یعنی منہ بولا بیٹا کہا جاتا تھا، زید کا نکاح رسول اللہؐ نے اپنی پھوپھی کی لڑکی زینب بنت سے کرایا تھا، ان کا نباہ نہ ہو سکا، تو آخر زید نے زینب کو طلاق دے دی، اسوقت آنحضرتؐ نے حضرت زینبؓ کو خدا کے حکم سے اپنی ازواج مطہرات میں داخل کر لیا، جس سے مقصود عرب کی پرانی رسم کو جس کی رو سے اپنے منہ بولے بیٹے کی مطلقہ بی بی سے نکاح ناجائز سمجھا جاتا تھا، مٹانا تھا، منافقوں نے اس پر اعتراض کیا، کہ آنحضرتؐ نے اپنے بیٹے کی بی بی سے نکاح کر لیا ہے آیات مذکورہ میں اس اعتراض کا جواب دیا ہے کہ آنحضرتؐ کی اولاد نرینہ کوئی

ہیں۔ زید اگر متبنیٰ ہے تو متبنیٰ بیٹا نہیں ہوتا، باقی رہا یہ کہ عرب اسے پسند
نہیں کرتے تو خدا کا رسول خدا کے تابع ہے نہ کہ لوگوں کے، ہمیشہ سے یہی طریق
چلا آیا ہے کہ پیغمبر جو پیغام رسانی پر مامور ہوتے ہیں، لوگوں کے اعتراضوں کی
پرواہ نہیں کرتے اور خدا جو حکم دیتا ہے بلا خوف لومۃ لائم اس کی تعمیل
کرتے ہیں۔ اعتراض کا جواب دیتے ہوئے جب یہ فرمایا کہ حضرت محمدؐ مردوں
میں سے کسی کے باپ نہیں تو اس پر یہ بڑھا دیا کہ ہاں آپ رسول ہیں جو
امت کا روحانی باپ ہوتا ہے۔ اور جب آپ کے مقام روحانی کا ذکر کیا تو
اس کے ساتھ فرما دیا کہ آپ آخری نبی ہیں۔

ناظرین کرام! دیکھتے ہیں کہ یہاں نہ دین کے تدریجاً مکمل ہونے کا ذکر ہے
نہ آئندہ کے لیے سلسلہ رسالت کو بند کرنے کا، ذکر یہ ہے کہ آنحضرت
کی اولاد نرینہ ہے ہی نہیں، زید آپ کا بیٹا کیسے ہوا؟ اور زید کی بی بی آپ کی
بہو کیسے ہوئی؟ کہ اس سے نکاح قابل اعتراض ہوتا۔ ہاں رسول ہونے کی
حیثیت سے آپ امت کے روحانی باپ ضرور ہیں۔ سوال یہ ہے کہ جب یہ
کہا تھا کہ آنحضرت کسی مرد کے باپ نہیں، ہاں رسول ہیں، تو اس کے آگے یہ
کیوں نہ کہا کہ آپ ختم المرسلین ہیں؟ رسول کے لفظ مذکورہ کی رعایت سے جو روحانی ابوت
کے اثبات کے لیے لایا گیا تھا، مناسب تو یہی تھا، کہ بجائے خاتم النبیین
کے خاتم المرسلین کا لفظ بولا جاتا۔ یہ لفظ کیوں نہ بولا گیا؟

عموماً لوگ نبی اور رسول کو ایک ہی چیز سمجھتے ہیں اور ان میں فرق نہیں کرتے
حالانکہ ان میں فرق ہے بھی اور نہیں بھی۔ انہیں آیات میں ہم دیکھتے ہیں، کہ
آنحضرت کسی بھی مرد کے باپ نہیں اور باوجود اس کے ساری امت کے باپ ہیں
بھی، سورہ مجادلہ میں ہے ان امھاتھم الا الئی ولدنھم کہ ان کی
مائیں صرف وہ ہیں جنہوں نے انہیں جنا، اور سورہ احزاب میں ہے النبی

اولیٰ بالمومنین من انفسہم وازواجہ امہاتہم ۰ کہ نبی مومنوں کو اپنے نفسوں سے بھی زیادہ عزیز ہے اور اس کی ازواج ان کی مائیں ہیں جس طرح ایک لحاظ سے آنحضرتؐ کسی مرد کے باپ نہیں اور دوسرے لحاظ سے ساری امت کے باپ ہیں کہ جیسے آنحضرتؐ کی ازواج مطہراتؓ ایک لحاظ سے مومنوں کی مائیں ہیں، اور دوسرے لحاظ سے نہیں، اسی طرح ایک لحاظ سے نبی اور رسول میں فرق نہیں اور دوسرے لحاظ سے فرق ہے۔

نبی نباء سے مشتق ہے اور نباء کے معنی ہیں خبر یا پیشگوئی۔ نباء عظیم کے معنی ہیں عظیم الشان خبر یا پیش گوئی اور نبی کے معنی ہیں نباء عظیم کا حامل یا عظیم الشان پیش گوئی کرنے والا، نباء عظیم سے مراد عالمگیر قیام حق کی عظیم الشان پیش گوئی ہے، جس کا ذکر ہم "آئندہ رسول" کے تحت سورۃ انبیاء کی آیات میں پڑھ آئے ہیں۔ آخر کار دنیا بھر میں حق کے قائم ہو جانے کی پیش گوئی کرنے کی وجہ سے ہی نبی "نبی" کہلاتا ہے، چونکہ آنحضرتؐ آئندہ زمانہ میں عالمگیر قیام حق کی پیش گوئی کرنے والوں میں سے آخری ہیں، اس واسطے آپ آخری نبی ہیں، آپ کے بعد جو آنے والا ہے وہ کسی آئندہ زمانہ میں قیام حق کی پیش گوئی کرنے والا نہیں بلکہ سابقہ پیش گوئی کا مصداق ہے، جس کے اپنے زمانہ میں دنیا بھر میں حق قائم ہوتا ہے، چنانچہ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ حضرت مسیح کے ظہور ثانی کے وقت زمین عدل و انصاف سے بھر جائے گی اور شیر بکری ایک گھاٹ پانی پئیں گے۔ رسول کے معنی ہیں بھیجا ہوا۔ سورۃ انبیاء کی مذکورہ آیات میں جہاں یہ فرمایا ہے، کہ بالآخر زمین پر حق کو قائم کر دینے کا وعدہ جو خدا کے ذمہ ہے پورا ہو کر رہے گا، وہاں یہ بھی فرمایا ہے، کہ اس وعدے میں خدا کے عبادت گذار بندوں کے لئے پیغام ہے۔ اگر بالآخر سچائی کے قائم و غالب ہو جانے کی ضمانت کوئی نہ ہو، تو قیام حق کے لئے

کا م کرنا لا حاصل ہو، اور اس مقصد کے لئے کام کرنے کا پیغام بے معنی، سو رسول کے معنی ہوئے پیام حق کی خاطر کام کرنے کا پیغام دینے والا فرستادہ"
ان معنوں کی رو سے لازم آتا ہے کہ اس وعدہ کے آ پہنچنے پر جیسے اس پیشگوئی کی ضرورت ساقط ہو جائے گی، ویسے ہی اس وعدہ کے لئے کام کرنے کا پیغام دینے کی ضرورت بھی باقی نہ رہے گی، اگر یہ صحیح ہے، کہ نہ صرف نبوت کا خاتمہ ہوا بلکہ رسالت کا بھی خاتمہ ہوا؟، میں تسلیم کرتا ہوں کہ اس وعدہ کے آ پہنچنے پر بے شک جیسے نبوت ختم ہو جائے گی، ویسے ہی وہ رسالت بھی جس کا منتہائے نظر اسی وعدہ کا ظہور تھا ختم ہو جائے گی۔
نبی اور رسول کے مفہوم میں یہی وہ اشتراک ہے، جس کی بنا پر میں نے کہا تھا کہ ایک لحاظ سے نبی اور رسول ایک ہی چیز ہیں۔ سو رسول کے ان معنی کے لحاظ سے جن کی رو سے نبی اور رسول میں فرق نہیں، جہاں انبیا ختم ہوتے ہیں وہاں رسول بھی ختم ہو جاتے ہیں، لیکن ناظرین کرام دیکھ چکے ہیں کہ میرے نزدیک نبأ عظیم سے مراد دنیا کا خاتمہ نہیں بلکہ عالمگیر قیام حق ہے۔ اور دنیا اس کے بعد بھی چلتی ہے۔ نیز یہ کہ عالمگیر قیام حق سے دنیا کے جنت بن جانے کے بعد بھی اہل جنت ربنا اتمم لنا نورنا کی دعا کرتے ہیں، خدا لامحدود ہے وہ مخلوق کو اونچے سے اونچے مقام پر پہنچانے اور ہر قدم پر مزید راہنمائی فرمانے کی قدرت رکھتا ہے،
پرائمری سکول کے مدرس جو فوری مقصد اپنے سامنے رکھتے ہیں وہ لڑکوں کو ابتدائی تعلیم دینے کا مقصد ہے۔ ہائی سکول کے اساتذہ اپنے شاگردوں کو مدرسے کی تعلیم سے فارغ کرانے کا مقصد اپنے سامنے رکھتے ہیں، اور اپنے شاگردوں کو مدرسہ کے آخری امتحان کی سند بھی دے دیتے ہیں، لیکن

اس کے یہ معنے نہیں کہ ہائی سکول کے بعد مزید تحصیل علوم کی کوئی گنجائش نہیں، اس کے بعد دوسرا ادارہ ہے جو سکول نہیں بلکہ کالج کہلاتا ہے، اور اگرچہ مقصد اعلیٰ سکول اور کالج دونوں کا ایک ہے تاہم دو ہیں۔ اسی طرح سکول کے مدرسوں کو عرف عام میں ٹیچر یا ماسٹر کہتے ہیں مثلاً کالج کے معلموں کو پروفیسر کہتے ہیں، رسول معلم ہیں، انبیاء وہ رسول ہیں جنہوں نے اپنے فکر و دل کو نبأ عظیم تک پہنچانے کا مقصد اپنے سامنے رکھا۔ نبأ عظیم کے قریب آپہنچنے پر جہاں دورِ نبوت ختم ہوا وہ رسول بھی ختم ہوگئے۔ جن کے سامنے نبأ عظیم تک پہنچنے کا مقصد تھا۔ اس دور کے خاتمہ پر دوسرا دور شروع ہوتا ہے جو سکول کے مقابلہ پر کالج کی تعلیم کے مشابہ ہے۔ اسی لئے اگرچہ دوسرے دور کے معلم بھی تعلیم و تربیت کا وہی کام کرتے ہیں جو دورِ نبوت کے معلم کرتے تھے تاہم وہ اصطلاحی طور پر نہ نبی کہلاتے ہیں نہ دورِ نبوت کے رسول۔ انہیں ان معنی میں رسول کہا جاتا ہے کہ وہ بھی دورِ نبوت کے رسولوں کی طرح انسانِ کامل اور مظاہر الٰہی ہیں، ان کا مقصد بھی تربیت عالم ہی ہے، جیسے دورِ نبوت کے رسولوں کا مقصد تربیتِ عالم تھا، اگر دورِ نبوت کے رسول تربیت عالم کے مقصد کی پہلی منزلوں پر کام کرتے تھے تو یہ اسی مقصد کی اگلی منزلوں پر کام کرتے ہیں۔

غرض حقیقتِ رسالت ظہورِ الٰہی یا انسانیتِ کاملہ ہے، اسی کو خلافتِ الٰہی بھی کہتے ہیں، اور اسی کی بدولت انسان کامل رسول یا خلیفۃ اللہ کہلاتا ہے۔ گویا رسول انسان کامل، خلیفۃ اللہ اور مربی عالم ہوتا ہے۔ آگے چل کر کام کی منزلوں کے لحاظ سے رسول دو قسموں میں منقسم ہوگئے ہیں، (۱) دورِ نبوت کے رسول، جن کے پیش نظر عالم کو نبأ عظیم تک پہنچانا ہے (۲) نبأ عظیم اور اس کے بعد کے رسول جن کا مقصد عالم کی مزید ترقی و تربیت ہے۔ نبأ عظیم وہ نقطہ ہے جہاں دورِ نبوت کے رسولوں کا مقصد بر آتا ہے، اور یہ انتہا مزید ترقیات

کا نیا دور شروع ہوتا ہے۔

پہلی قسم کے رسولوں اور دوسری قسم کے رسولوں میں تمیز کرنے کے لئے دوسری قسم کو اصطلاحی طور پر مظاہر ربوبیت کہا جاتا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ دورِ نبوت کے رسول مظاہرِ ربوبیت نہ تھے، معنوی طور پر وہ بھی مظاہرِ ربوبیت تھے۔ جیسے معنوی طور پر اصطلاحی مظاہرِ ربوبیت بھی رسول ہیں۔ اصطلاحی طور پر فرق کی وجہ یہ ہے کہ دورِ نبوت کے رسولوں کے اپنے اپنے زمانوں میں ربوبیت کا جو کام ہوا وہ اتنا محدود تھا اور جامعیت ہونے والا باقی پڑا تھا وہ اتنا وسیع اور عظیم الشان تھا کہ اس پر نظر کرکے مظہرِ ربوبیت کا لقب جو عالمگیر ربوبیت کو چاہتا ہے انھوں نے اپنے مناسب حال نہ پایا۔ کام جو ان کے زمانوں میں ہوا گو محدود تھا، مقصد ان کا بھی عالمگیر ربوبیت تھا، اور انہیں علم دیا گیا تھا کہ ان کے اس مقصد کی تکمیل ایک آئندہ زمانے میں مقدر تھی، اور کہ جو کام ان کے اپنے زمانوں میں ہوا وہ اس منزل مقصود کی طرف ایک ایک قدم تھا، در اصل وہ آئندہ عالمگیر ربوبیت کی اہم خبر (نبأ عظیم) دینے اور اس کی طرف عالم کو قدم قدم چلانے پر مامور تھے۔ پس انہوں نے آئندہ عالمگیر ربوبیت کی پیشگوئی کرنے والے کی حیثیت سے نبی اور اس کے لئے کام کرنے کا پیغام دینے والے کی حیثیت سے رسول کے القاب اختیار فرمائے۔ اور مظہرِ ربوبیت کے لقب کا اہل اس کو جانا جس کے ظہور پر ایسی وسیع اور عالمگیر ربوبیت ہونے والی تھی، کہ اس کی آمد کو رب کی آمد کہنا بجا تھا چنانچہ اس ظہور کی پیشگوئی انہوں نے یوم یقوم الناس لرب العالمین کے الفاظ میں کی، یہ ہے اصل راز، نبی، رسول کی سابقہ اصطلاح کو مظہرِ ربوبیت کی اصطلاح سے بدلنے کا۔

عقلِ سلیم اس توجیہ کو قبول کرنے میں کوئی دقت نہیں پاتی، اور اگر یہ تسلیم

کر لیا جائے کہ انبیاء علیہم السلام اس وجہ سے نبی کہلاتے تھے، کہ وہ عالمگیر ربوبیت کی پیش گوئی یا نبأ عظیم کے حامل تھے۔ تو صاف دکھائی دیتا ہے۔ کہ ان کی پیش گوئی کے مصداق کو جو اپنے بعد کسی آئندہ زمانے میں عالمگیر ربوبیت کی پیش گوئی کرنے کی بجائے اپنے زمانے میں کل انبیاء کی پیش گوئی کو پورا کرنے کا دعویدار ہے نبی نہیں بلکہ مظہر ربوبیت ہی کہلانا چاہیئے۔

پس کچھ شک نہیں کہ آنحضرتؐ آخری نبی ہیں، اور دورِ نبوت کے آخری رسول بھی، آپ کے بعد نہ کوئی نبی ہے نہ دورِ نبوت کا کوئی رسول، ہاں آپ کے بعد دوسرا دور شروع ہوتا ہے، جس میں فرستادگان الٰہی اصطلاحی طور پر مظاہر ربوبیت کہلاتے ہیں، اور معنوی طور پر دورِ جدید کے رسول۔ از روئے حقیقت ان میں اور دورِ نبوت کے رسولوں میں کوئی فرق نہیں، سو جن قوموں کے ہاں اصطلاح رسول مروج ہے وہ بے شک و شبہ انہیں رسول سمجھیں، لیکن یہ نہ سمجھ لیں کہ جسے وہ رسول کہتے ہیں، وہ فی الحقیقت مظہر ظہور الٰہی ہوتا ہے، خواہ دور نبوت کا رسول ہو، خواہ دورِ جدید کا۔

پس آنحضرتؐ پر صرف دورِ نبوت کے رسول ختم ہوتے ہیں جو نبی کہلاتے ہیں نہ کہ پہلے رسول۔ اسی لیے قرآن مجید میں خاتم النبیین آیا ہے۔ خاتم المرسلین نہیں آیا۔ اگر اس توجیہہ کو قبول نہ کیا جائے اور یہ قرار دیا جائے کہ آنحضرتؐ کے بعد سلسلہ رسالت مطلقاً بند ہو گیا ہے، تو اس کتاب میں جس قدر آیات اجرائے سلسلہ رشد و ہدایت پر نقل کی گئی ہیں اور جس قدر ان کی مثل اور قرآن میں ہیں، سب کی مخالفت لازم آتی ہے۔ گویا ایک ایسے کردار تک سارے قرآن کو چھوڑا جائے، تب اس

خیال کو قبول کیا جا سکتا ہے، اور ظاہر ہے کہ ایک مسلمان سے جو قرآن کو کتاب اللہ مانتا ہے یہ نہیں ہو سکتا۔

## سلسلۂ مجددین

میں اجل امم کے مضمون میں بحوالہ آیات سورۃ انعام لکھ آیا ہوں کہ جب تک کوئی قوم اپنی اجل کو نہیں پہنچتی، خدا اس کی حفاظت کے سامان کرتا رہتا ہے۔ اس میں ایسے لوگ پیدا ہوتے رہتے ہیں، جو اس کی بیماریوں اور کمزوریوں کا علاج کر کے طاقت کو بحال کرتے رہتے ہیں، حضرات مجددین انہیں حفاظتی سامانوں میں سے ہیں، ہم دیکھتے ہیں، کہ جب کوئی شخص اپنی زندگی کے دوران میں بیمار یا کمزور ہوتا ہے تو کبھی طبیب حاذق کا علاج کارگر ہو جاتا ہے، کبھی تبدیلی آب و ہوا سے صحت بحال ہو جاتی ہے۔ اور کبھی مناسب غذا، پرہیز اور آرام سے بیمار اچھا ہو جاتا ہے، لیکن آخر ایک وقت ایسا آپہنچتا ہے، کہ نہ دوائی کام کرتی ہے نہ تبدیلی آب و ہوا، نہ کوئی اور تدبیر کارگر ہوتی ہے۔ اس وقت بیمار کو اس جہان سے سدھارنا ہوتا ہے اور اسے کوئی نہیں بچا سکتا، زندگی میں خلل واقع ہونے کا نام بیماری ہے۔ زندگی کی اصل طاقت آہستہ آہستہ خروج ہو کر ختم ہو جانے کا نام موت ہے۔ بیماری کا علاج ہے موت کا کوئی علاج نہیں۔ یہی حال قوموں کا ہے، جب تک ان کی عمر باقی ہوتی ہے، یعنی جب تک ان میں زندگی کی طاقت ہوتی ہے تب تک ہی بیماریوں اور کمزوریوں کا علاج حضرات مجددین کرتے رہتے ہیں، جب زندگی ختم ہو جاتی ہے یعنی بیمار جسے بیماری لاحق تھی، وہی باقی نہیں رہتی، مجدد علاج کس کا کرے؟

مجدد کا کام عمارت دین میں شکست و ریخت کی مرمت کرنا ہوتا ہے،

ظاہر ہے کہ مرمت اسی وقت تک ہو سکتی ہے جب تک عمارت قائم ہے۔ جب عمارت ہی باقی نہ رہے، مجدد مرمت کس چیز کی کرے؟ جیسے عمارت کے مسمار ہو جانے پر مرمت کرنے والے کی نہیں بلکہ انجینیر کی ضرورت ہے، جس نے پہلی عمارت کا نقشہ تجویز کیا تھا۔ اور اسے تعمیر کیا تھا، تاکہ پھر نئے سر سے نئی عمارت تعمیر کرے، قومی زندگی کی عمارت گر جانے پر مجدد کی نہیں بلکہ پیغمبر کی ضرورت ہوتی ہے، جو نئے سرے سے نئی قوم پیدا کرے۔ سورۂ بینہ میں صاف لکھا ہے لم یکن الذین کفروا من اھل الکتاب والمشرکین منفکین حتی تاتیھم البینۃ، رسول من اللہ یتلوا صحفا مطھرۃ کہ نہ اہل کتاب باطل کو چھوڑنے والے تھے نہ مشرک، جب تک کہ اللہ کی طرف سے رسول نہ آ گئے۔ یعنی جو کام رسول کے کرنے کا ہے، وہ بغیر رسول کے نہیں ہو سکتا۔

ہم مسلمانوں کے تنزل کے باب میں دیکھ آئے ہیں کہ باقی قوموں کی طرح مسلمان قوم کی بھی میعاد مقرر ہے۔ وہ بھی تفرقہ کا شکار ہو کر اپنا محدث سے کٹا ہوا سوت توڑ دیں گے، مستوجب عذاب ہوں گے، خلافت الٰہیہ ان سے چھین لی جائے گی، اور دوسری قوم ان کی جگہ لے لے گی، آنحضرت نے بے شک فرمایا تھا کہ ان اللہ یبعث لھذہ الامۃ علی راس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا کہ خدا امت مسلمہ کے لئے ہر صدی کے سر پر مجدد پیدا کرتا رہے گا۔ لیکن یہ بھی فرمایا تھا، کہ لا یبقی من الاسلام الا اسمہ ولا من القرآن الا رسمہ کہ ایک وقت آئے گا، جب اسلام سے سوائے نام کے اور قرآن سے سوائے اس کے حروف کے کچھ باقی نہ رہ جائے گا۔ ان دونوں حدیثوں کو ملا کر پڑھنے سے صاف دکھائی دیتا ہے

کہ مجددین ان طبیبوں کی طرح ہیں جو قوم کی زندگی کے دوران میں وقتی کمزوریوں اور بیماریوں کا علاج کرتے رہیں گے، لیکن مجددوں کی کوششوں اور اصلاحات کے باوجود ایک وقت آئے گا، جب عمارت اسلام زمین پر آرہے گی احتیاطی ساما نوں اور تدابیر کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ قوم یا فرد طبعی عمر سے پہلے ختم ہونے نہیں پاتا نہ یہ کہ اُسے اجل مسمّٰی سے بچایا جا سکتا ہے۔ جیسے دوران زندگی میں بیماریوں کے علاج کے لئے مجددین کی ضرورت ہے۔ ویسے ہی قوم کے طبعی عمر کو پہنچ کر ختم ہو جانے پر نئی قوم پیدا کرنے کے لئے رسول کی ضرورت ہے۔ پس اصولاً مجددین والی حدیث سے سلسلہ رسالت کے بند ہونے پر دلیل قائم ہونے کی بجائے اس سلسلہ کے اجرا پر دلیل پیدا ہوتی ہے۔

## دین حق کا غلبہ

سورۃ برات میں مشرکین عرب سے جو بار بار عہد کو توڑ دیتے تھے اس وقت تک جنگ کا حکم ہے جب تک کہ وہ مسلمان نہ ہوں، اور یہود اور نصاریٰ سے جو مشرکین کی شرارتوں میں شامل تھے، اس وقت تک جب تک وہ جزیہ دے کر اطاعت اختیار نہ کریں، اس حکم کے بعد یہ آیت آئی ہے، یرید ون ان یطفئوا نور اللہ بافواھھم ویابی اللہ الا ان یتم نورہ ولو کرہ الکافرون ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ ودین الحق لیظہرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون ہ کہ یہود اور نصاریٰ اور مشرکین عرب سب مخالف پارٹیاں چاہتی ہیں کہ خدا کے نور کو بجھا دیں، مگر خدا چاہتا ہے کہ یہ نور بجھنے نہ پائے بلکہ کامل ہو جائے۔ اگرچہ یہ کافروں کو ناگوار گذرے۔ خدا نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ اس لئے نہیں بھیجا، کہ مخالف اس کو مٹا دیں، بلکہ اس لئے بھیجا ہے،

کہ وہ مخالفوں پر غالب آجائے۔ اگرچہ مشرک اسے پسند نہ کریں، سورۃ فتح میں یہ ذکر کرکے کہ مکہ میں داخلے کا رؤیا جو خدا نے اپنے رسول کو دکھایا پورا ہو کر رہے گا، فرمایا ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ ودین الحق لیظہرہ علی الدین کلہ، وکفیٰ باللہ شہیدا ہ کہ خدا نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ کہ سچائی کو سب مخالف خیالات اور تحریکوں پر غالب کر دے۔ اور خدا کی گواہی کافی ہے، خدا کی گواہی یہ ہے، کہ مومن روز بروز بڑھتے جاتے ہیں۔ اور مشرک گھٹتے جاتے ہیں۔ اور اس سے ظاہر ہے کہ آخر دین حق قائم ہو جائے گا، اور مخالف مٹ جائیں گے، سورۃ صف میں پھر کافروں سے جنگ کرنے اور رسول کو دکھ دینے سے باز رہنے کا حکم دے کر اور یہ بتا کر کہ آنحضرت صلعم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت کے مصداق ہیں۔ مسلمانوں کی حوصلہ افزائی کے لیے سورۃ برات والی مذکورۃ آیت کو ایک دو لفظوں کے تغیر سے دہرایا ہے،

ان تینوں مقامات پر جو دین حق کو غالب کرنے کا ذکر ہے مخالفین کی کوششوں کے جواب میں ہے۔ جو اسے مٹا دینا چاہتے تھے۔ تاریخ اس بات کی شاہد ہے، کہ فی الواقعہ مشرکین عرب اور یہود و نصاریٰ کی تمام کوششیں جو وہ رسول اللہ کے خلاف کرتے تھے، ناکام رہیں اور آنحضرت صلعم دین حق کو قائم و غالب کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اور خدا نے جو وعدہ کیا تھا وہ آنحضرت کی زندگی میں ہی پورا کر دیا۔ مفسرین نے جوان آیات کے تحت لکھ دیا ہے، کہ دین حق کا غلبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ظہور کے وقت ہو گا۔ صحیح بھی ہے

اور غلط بھی ، غلط تو اس لئے ہے کہاں آیات میں رسول سے مراد آنحضرت ہیں جیسے کہ سپارہ فتح والی آئت کے آگے صاف صاف فرما دیا ہے ۔ محمد رسول اللہ والذین معہ ، اور وعدہ یہ ہے اگر آنحضرت جو دین حق لائے ہیں تھا ۔ سے آنحضرت خود ادیان باطلہ پر غالب کر دیں گے ۔ نہ یہ کہ حق و ہدایت جو آنحضرت پر نازل ہوئے وہ حضرت عیسے کے ہاتھ پر غالب آئیں گے ۔ اب اگر یہ مانا جائے کہ غلبہ جس کا وعدہ تھا ، حضرت عیسے کی آمد پر ظہور میں آئے گا ، تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ خدا نے جو آنحضرت کے ہاتھ پر دین کو غالب کرنے کا وعدہ کیا تھا ، اُسے پورا نہیں کیا ، مفسرین کا خیال صحیح اس طور سے ہے ، کہ تمام رسول ایک ہی سچائی لاتے ہیں ۔ اور اسی کے غلبہ کے لئے کوشش کرتے ہیں ، ہر رسول کے زمانہ میں بھی سچائی غالب رہی ہے لیکن اس کا آخری اور عالمگیر غلبہ جو تمام رسولوں کی منزل مقصود ہے ، ایک آخری زمانہ میں مقدر چلا آیا ہے ۔ جس کی سب پیغمبروں نے خبر دی ہے ۔ اور آخری زمانہ جس میں سچائی کو عالمگیر اور آخری غلبہ حاصل ہونا ہے ۔ مسیح علیہ السلام کی دوبارہ آمد کا زمانہ ہے ، سو اگر یہ کہا جائے کہ سچائی جو تمام پیغمبر لاتے رہے اور حضرت محمد رسول اللہ بھی لائے ، تدریجاً غالب ہوتی آئی ہے اور اس کا آخری غلبہ حضرت مسیح کے نزول ثانی کے وقت ہوگا ، تو یہ صحیح ہے ، لیکن حضرت عیسے رسول ہیں ، اگرچہ وہ اسی مقصد کی تکمیل کے لئے آئیں گے ، جس کے لئے سابقہ رسول اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم آئے ۔ تاہم وہ حسب ضرورت سابقہ احکام میں مناسب تبدیلیاں کرنے

کے مخالف ہوں گے، جیسے کہ پہلی آمد میں انہوں نے توریت کے منشاء کی تکمیل کی خاطر اس کے بعض احکام میں تبدیلیاں کر دیں، ان کے زمانہ میں سچائی کا جو غلبہ ہوگا کچھ شک نہیں کہ وہ حضرت محمدؐ رسول اللہ صلعم سمیت تمام پیغمبروں کا غلبہ ہے، لیکن یہ وہ غلبہ نہیں جس کا آنحضرتؐ کے اپنے ہاتھ پر ظہور میں آنے کا وعدہ کیا گیا تھا، وہ غلبہ آنحضرتؐ کے اپنے زمانہ میں مقدر تھا، اور آنحضرتؐ کی زندگی میں ہی حاصل ہو گیا، اگر یہ کہا جائے کہ وہ غلبہ جس کے ظہور کا وعدہ آنحضرتؐ کے ہاتھ پر دیا گیا تھا ابھی پورا ہونا باقی ہے، تو یہ قرآن اور واقعات دونوں کو جھٹلاتا ہے، ساری مصیبت یہ ہے کہ مسلمان دین حق سے دین کی وہ خاص شکل مراد لیتے ہیں جو آنحضرتؐ کے زمانہ میں رائج ہوئی اور دین حق کے غلبہ سے خاص اسی شکل کا تمام روئے زمین پر رائج ہونا مراد لیتے ہیں، چونکہ وہ صورت ظہور میں نہیں آئی، اس کے آئندہ ظہور میں آنے کے منتظر ہیں۔ اور غلبہ کے وعدہ کو دین کی نئی تشکیل اور نئے رسول کے خلاف بطور دلیل استعمال کرتے ہیں، حالانکہ خدا کے نزدیک دین حق سے مراد وہ دین واحد ہے جو ہمیشہ سے سب پیغمبروں کا دین رہا اور رہے گا، اس کی ہر شکل کے لئے جتنا اور جیسا غلبہ مقدر تھا ہر زمانے میں حاصل ہوتا رہا، چنانچہ دین حق کی اس شکل کے لئے جو حضرت محمدؐ رسول اللہ نے تجویز فرمائی جو غلبہ مقدر تھا اور جس کا وعدہ دیا گیا آنحضرتؐ کے زمانے میں حاصل ہو گیا۔ حضرت مسیحؑ کے نزول ثانی میں دین حق کی اس شکل کا غلبہ ہوگا جو حضرت مسیحؑ حسب حالات زمانہ تجویز فرمائیں گے، پس دین حق اپنے ہر جامہ میں جو خدا اسے پہناتا رہا

غالب آ تا رہا ہے۔ یاد رہے کہ خدا کے نزدیک دین کے غلبہ کے لئے سیاسی غلبہ ضروری نہیں۔ سب لوگ جانتے ہیں، کہ حضرت عیسٰے علیہ السلام کو ظاہری اور سیاسی غلبہ حاصل نہ ہوا، یہود و نصاریٰ کہتے ہیں، کہ آپ نے صلیب پر وفات پائی، مسلمانوں کے سواد اعظم کا خیال ہے، کہ آپ آسمان پر تشریف لے گئے، احمدی مسلمانوں کی رائے ہے، کہ آپ کشمیر کو ہجرت کر گئے، بہرحال یہ سب کو مسلّم ہے کہ آپ کو اپنے دشمنوں پر ظاہری اور سیاسی غلبہ حاصل نہ ہوا، اس پر بھی خدا فرماتا ہے فآمنت طائفۃ من بنی اسرائیل وکفرت طائفۃ فایدنا الذین آمنوا علیٰ عدوہم فاصبحوا ظاہرین ۝ کہ بنی اسرائیل کا ایک گروہ ایمان لایا اور ایک نے انکار کیا، خدا نے مومن گروہ یعنی حضرت عیسٰے کے حواریوں کی تائید فرمائی، اور وہ اپنے دشمنوں پر غالب آ گئے، سو خدا نے باوجود حواریوں کو ظاہری اور سیاسی غلبہ حاصل نہ ہونے کے غالب قرار دیا ہے اور قرار دینا چاہیے تھا۔ ورنہ کتب اللہ لاغلبن انا ورسلی اگر خدا نے لکھ رکھا ہے کہ وہ اس کے رسول غالب آئیں گے، غلط قرار پاتا اس سے معلوم ہوا کہ خدا کے نزدیک دین کے غلبہ سے مراد یہ ہے کہ مخالف کوششیں جو یہ چاہتی ہیں کہ حق کا پودا جڑ پکڑنے نہ پائے، وہ ناکام رہتی ہیں۔ اور حق جڑ پکڑ جاتا ہے، پھر خواہ وہ پیغمبر کی زندگی میں پہلے پھلے اور خواہ اس کے بعد اس سے فرق نہیں پڑتا۔

**۹۔ خدائی فیصلہ**

مقدمہ کتاب ہذا میں ایک وجہ رسولوں کے سلسلہ کے بند ہونے کی یہ نقل کی گئی تھی کہ خدا جب فیصلہ کر چکا کہ آئندہ رسول نہیں بھیجے گا، تو اپنے فیصلہ کے خلاف کیونکر عمل

کو سکتا ہے۔
ناظرین کرام جانتے ہیں کہ اس فیصلہ کو قرآن شریف میں "تلاش" کرنے کے لئے ہی یہ تحقیقات
شروع کی گئی اور قرآن میں جس جس موقعہ پر کسی نے پتہ دیا، اس فیصلہ کو تلاش
کیا گیا لیکن یہ فیصلہ قرآن میں کہیں دکھائی نہیں دیا، بلکہ جیسا کہ اس تحقیقات
سے ظاہر ہے، الحمد سے لے کر والناس تک سارا قرآن اس جیسا لی
فیصلہ کے خلاف ہے، حق یہ ہے، کہ قرآن کے ذمہ وہ چیز لگائی جا رہی
ہے، جو نہ صرف قرآن میں مفقود ہے بلکہ قرآن کا ایک ایک لفظ جس کی
تردید کرتا ہے۔

## ۱۰۱۔ اسلام کے معنی

(۱) ان الدین عند اللہ الاسلام
(۲) ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ۔

(۱) اللہ کے نزدیک دین اسلام ہی ہے (۲) اور جو کوئی اسلام کے سوا کوئی اور دین
اختیار کرے وہ ہرگز اس سے قبول نہیں کیا جائے گا۔
ان آیات کی بنا پر کہا جاتا ہے کہ آئندہ کوئی رسول نہیں آ سکتا کیونکہ
اگر کوئی نیا رسول آئے گا، تو اس کے دین کا نام بھی نیا ہو گا، نہ کہ اسلام،
اور یہ اللہ کو پسند نہیں، اس واسطے آئندہ رسول کا آنا بند
ہے، نہ رسول آئے نہ اسلام کے سوا کسی اور نام کا دین وجود میں آئے
دیکھنا یہ ہے کہ آیا خدا میں اور اس کے فکروں میں تنازعہ دین کے نام کے
بارہ میں ہے یا دین کی حقیقت کے بارہ میں؟ اسلام سے خدا کی مراد کیا ہے؟
اسلام کے معنی ہیں فرمانبرداری، آیات کا منشا یہ ہے کہ خدا کی فرمانبرداری دین ہے اور
نافرمانی بے دینی، چونکہ قرآن عربی زبان میں ہے، فرمانبرداری کے لئے لفظ اسلام لاتا
اور نافرمانی کے لئے غیر اسلام، پس دین یا اسلام کسی خاص نام یا احکام میں

میں منحصر نہیں بلکہ جس وقت جو حکم خدا کی طرف سے آتے اس کا ماننا دین ہے الا یہی اسلام ہے
خدا کا بنیادی حکم ہمیشہ ایک ہی رہا ہے یعنی توحید باری اور وحدت انسانی ۔ جب جب
تفرقہ کے سبب لوگ اس سے دور جا پڑتے رہے نیا پیغمبر آ کر اسی حکم کو نئی شکل میں حسب
مطابق حالات زمانہ ہمیشہ قائم کر دیتا رہا۔ اگر ہم اسلام سے بجائے اصولی تعلیم الٰہی مطابق فرمانبرداری کے
وہ خاص شکل مراد لیں جو آنحضرت کے زمانے میں رائج ہوئی، تو ظاہر ہے کہ سابقہ پیغمبر مثلاً
حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ جو نہ کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ
پڑھتے تھے، نہ عربی قرآن کی تلاوت کرتے تھے، نہ سورہ فاتحہ والی نماز کعبہ
کی طرف کھڑے ہو کر پڑھتے تھے نہ رمضان کے روزے رکھتے تھے ۔ غیر اسلام
پر تھے ۔ اس صورت یہ بات صحیح نہ ہوگی کہ خدا کے نزدیک دین اسلام ہی
ہے، اور غیر اسلام کو وہ قبول نہیں کرتا، بلکہ یہ کہنا پڑے گا کہ اسلام کو دین
قرار دینے اور غیر اسلام کو نہ قبول کرنے کا اصول خدا نے تازہ ہی وضع کیا
ہے ۔ جس کو صرف چودہ سو سال ہوئے ہیں ۔ اس سے پہلے ہمیشہ وہ
خود تمام پیغمبروں کو غیر اسلام کی ہی تعلیم دیتا رہا ۔ آئندہ کے متعلق بھی ہم مسلمانوں
کے تنزل کے باب میں دیکھتے ہیں، کہ اسلام سے سوائے نام کے کچھ باقی
نہ رہ جائے گا، جب اسلام باقی نہ رہا ہوگا، تو آخر دنیا پھر بھی غیر اسلام
ہی پایا جائے گا، سو اس وقت خدا پھر غیر اسلام کی پالیسی کو اپنا لے گا۔
مشکل یہ ہے کہ لوگ آیت کے ایک ٹکڑے کو لے کر جو عمارت چاہتے
ہیں اس پر کھڑی کر دیتے ہیں ۔ اور قرآن شریف کو نکال کر اتنا بھی دیکھنے کی
تکلیف نہیں کرتے کہ پوری آیت کیا ہے ۔ سورہ آل عمران رکوع ۲ میں پوری
آیت حسب ذیل ہے :- ان الدین عند اللہ الاسلام وما اختلف
الذین اوتوا الکتاب الا من بعد ما جاءھم العلم بغیا بینہم

ومن یکفر بآیٰت اللہ فان اللہ سریع الحساب ۝ پوری آیت پر غور
کرنے سے معلوم ہوگا، کہ سابقہ اہل کتاب کو بھی خدا اسلام ہی سکھاتا رہا، جسے
وہ آپس کی دشمنی کی وجہ سے بگاڑ دیتے رہے، اسی طرح سورۃ آل عمران کے
رکوع ۹ میں جہاں من یبتغ غیر الاسلام والی آیت آئی ہے، اس سے پہلے
یہ ذکر ہے افغیر دین اللہ یبغون ولہ اسلم من فی السمٰوٰت والارض
طوعا وکرھا والیہ یرجعون، قل اٰمنا باللہ وما انزل علینا
وما انزل علیٰ ابرٰھیم واسمٰعیل واسحٰق ویعقوب والاسباط
وما اوتی موسیٰ وعیسیٰ والنبیون من ربھم لا نفرق بین
احد منھم ونحن لہ مسلمون، ومن یبتغ غیر الاسلام دینا
فلن یقبل منہ وھو فی الاٰخرۃ من الخٰسرین، ان آیات میں زمین
و آسمان کی ساری کائنات کے لئے اسلم کا لفظ استعمال کیا ہے، ظاہر ہے کہ
یہ فرمانبرداری کے معنے میں آیا ہے، زمین و آسمان کا ذرہ ذرہ مسلمان ہے
کیونکہ کسی چیز کو خدا کی فرمانبرداری سے چارہ نہیں، آگے بتایا ہے، کہ رسول اللہ
صلعم پر بھی وہی تعلیم نازل ہوئی ہے جو حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسمٰعیلؑ،
حضرت اسحٰقؑ، حضرت یعقوبؑ، ان کی اولاد حضرت موسٰیؑ، حضرت عیسٰیؑ اور
دوسرے تمام نبیوں پر نازل ہوئی، اور کہ خدا کو ماننے، پیغمبروں میں فرق
نہ کرنے یعنی ہر پیغمبر کے ذریعے جو حکم آئے، اس کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کا
نام ہی اسلام ہے، اور جو خدا کی فرمانبرداری کی بجائے سرکشی اختیار کرے گا
اس کا انجام اچھا نہیں ہوگا، پس اسلام کے معنے خدا کی فرمانبرداری ہیں،
اور غیر اسلام اس کے حکم سے سرکشی، ہر وقت ماننے میں پیغمبر وقت کے ذریعے جو
حکم آئے اس کو ماننا اسلام ہے اور اس کا انکار غیر اسلام۔ چنانچہ دین فطرت

کی ذیل میں ہم دیکھ آئے ہیں، کہ حضرت ابراہیم، حضرت اسمٰعیل، حضرت اسحٰق سب اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے اور کہ آنحضرتؐ کے پیرو بھی انہی کی طرح مسلمان ہیں، حضرت عیسٰےؑ کے حواریوں اور حضرت موسٰیؑ پر ایمان لانے والے جادوگروں کا قول بھی وہاں ذکر ہو چکا ہے کہ وہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے۔
حضرت موسٰیؑ کے عہد میں اس حکم کو ماننا اسلام تھا جو حضرت موسٰیؑ کے ذریعے آیا، جب حضرت عیسٰےؑ کے زمانے میں نیا حکم خدا کا آیا تو جس نے اس کو مانا، خدا کے ہاں وہ مسلمان قرار پایا، اور جس نے اُسے رد کیا، اس کا نام خدا نے مسلمانوں کے رجسٹر سے کاٹ دیا۔ پھر جب حضرت محمدؐ تشریف لائے تو جس نے آپ کے ذریعے آئے ہوئے حکم خدا کو مانا اس کا نام مسلمانوں میں اندراج پایا، اور جس نے اسے قبول نہ کیا اس کا نام خدا نے مسلمانوں کی فہرست سے خارج کر دیا۔ جو نوکر کچھ مدت آپ کی فرمانبرداری کرتا رہے اور پھر ایک دن کہہ دے کہ صاحب آپ کبھی کچھ کہتے ہیں کبھی کچھ، میں تو وہی کروں گا جو آپ نے پہلے کہا تھا، اس روز آپ کہیں گے کہ آج تک تم میرا حکم مانتے تھے تو میرے نوکر تھے آج تم نے حکم ماننے سے انکار کیا تو میں نے آج سے تمہیں ملازمت سے علیحدہ کر دیا ہے۔ اب جو کچھ تم کروگے وہ تم اپنی مرضی سے کروگے میرا حکم وہ نہیں، ٹھیک اسی طرح دین کی بات ہے، جب خدا تازہ حکم دے دے اس کے بعد سابقہ حکم پر چلنا نفس کی اطاعت ہے خدا کی اطاعت نہیں۔ اور جب کوئی چیز خدا کی اطاعت نہ رہی وہ غیر اسلام ہو گئی،

اے دوستو! یا تو یہ ماننا ہوگا کہ ہمیشہ سے باوجود اس کے کہ رسول بدلتے رہے، کتابیں بدلتی رہیں، قبلہ بدلتا رہا، احکام بدلتے رہے، دین کا نام بدلتا رہا۔ اسلام بدستور چلا آیا، جب جب اسلام باقی نہ رہتا، خدا نئے رسول

کو بھیج کر پھر اسلام کو قائم کرا دیتا۔ کیونکہ اس کے نزدیک دین اسلام ہی ہے اور
وہ غیر اسلام کو پسند نہیں کرتا۔ اور یا یہ ماننا پڑے گا کہ ان الدین عند
اللہ الاسلام خدا کا کوئی دائمی اصول نہیں، یہ اس نے تھوڑے عرصہ کے
لئے اختیار کیا ہے، جسے پھر ترک کر دے گا۔

اگر خدا کے نزدیک دین اسلام ہی ہے اور وہ غیر اسلام کو قبول نہیں کرتا تو
کچھ شک نہیں کہ فرمان نبوی کے مطابق جب اسلام باقی نہ رہے گا، اور دنیا
غیر اسلام پر ہوگی تو خدا نیا رسول بھیج کر دوبارہ اسلام کو قائم کرائے گا جیسے
کہ سابقہ زمانوں میں جب جب اسلام باقی نہ رہتا وہ رسول بھیج کر اسلام کو
قائم کرا دیا۔ اگر اس وقت اس نے ایسا نہ کیا تو معلوم ہوگا کہ اس نے
ان الدین عند اللہ الاسلام کا اصول ترک کر دیا۔ پس آئندہ زمانوں
میں رسولوں کے آنے کا انکار کرنا ان آیات کی صریح مخالفت ہے چہ جائیکہ
ان سے سلسلہ رسالت کے بند ہونے پر سند حاصل کی جائے۔

## ۱۱۔ کیا رسالت منافی اتحاد ہے؟

کہتے ہیں کہ ہر بار جب پیغمبر آتا ہے، کچھ لوگ
اسے مانتے ہیں کچھ انکار کرتے ہیں۔
اس طرح نسل انسانی میں تفرقہ ہوتا ہے
سلسلہ رسالت کا کہیں نہ کہیں بند ہونا
اتحاد نسل انسانی کے لئے ضروری ہے۔ یہ کوئی نیا اعتراض نہیں یہ اعتراض ہمیشہ
سے ہوتا آیا ہے، چنانچہ قرآن شریف میں اسے نقل کر کے اس کا جواب بھی
دیا ہے۔ فرماتا ہے واذ قال ربک للملٰئکۃ انی جاعل فی الارض
خلیفۃ ۔ قالوا اتجعل فیھا من یفسد فیھا و یسفک الدماء
.......... قال انی اعلم ما لا تعلمون .......... اعلم ما

تبدون وما کنتم تکتمون ( بقرہ ع ۴ ) کہ خدا نے خلیفۃ اللہ یعنی پیغمبر
کو مبعوث کرنے کا ارادہ کیا تو ملائکہ نے کہا کہ پیغمبر موجب فساد و خونریزی
ہوگا، خدا نے جواب دیا کہ جو کچھ میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے، پھر خدا نے
فرشتوں کو کہا کہ علم میں خلیفۃ اللہ کا مقابلہ کرو۔ وہ عاجز آ کر اپنی لاعلمی
کے اقراری ہو گئے، تو خدا نے کہا کہ میں وہ بھی جانتا ہوں جسے تم نے
ظاہر کیا اور وہ بھی جسے تم نے چھپایا،

ما کنتم تکتمون کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ جو تم نے جان بوجھ کر چھپایا
اور یہ بھی کہ جو تمہاری نظر سے اوجھل رہا، اس لئے تم نے اس کا ذکر نہ کیا،
وہ چیز جسے معترضوں نے جان بوجھ کر چھپایا یا جو اس کی نظر سے اوجھل رہی،
خلیفۃ اللہ کے کمالات علمی ہیں، جن میں ان کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا، مثلاً
وہ جانتا ہے کہ تفرقہ و فساد کیا ہے اور اخوت و اتحاد کیا، ملائکہ غلطی سے
فساد کا نام اتحاد اور اتحاد کا نام فساد رکھ لیتے ہیں اور پیغمبر کی کوششوں اور
قربانیوں کو جو وہ فساد کو مٹانے اور اتحاد کو قائم کرنے کے لئے کرتا
ہے، مفسدانہ کوشش سمجھ بیٹھے ہیں، سلسلہ رسالت تفرقہ و عداوت کے
علاج کے طور پر شروع کیا گیا ہے۔ اور پیغمبروں کی واحد غرض تفرقہ کو دور
کر کے لوگوں کو متحد کرنا اور بھائی بھائی بنانا ہے، تاریخ شاہد ہے، کہ
اخوت کا نمونہ اگر کبھی کہیں دیکھنے میں آیا ہے تو پیغمبر کے صحابیوں میں ہی
دیکھنے میں آیا ہے، ہر شخص واقعات پر نظر ڈال کر دیکھ سکتا ہے، کہ
پیغمبر اس وقت آتا ہے، جب اخوت اور اتحاد کا نام و نشان باقی نہیں رہتا،
ہر شخص خود غرض ہوتا ہے، اگر وہ کسی فرد یا گروہ سے یارانہ بھی گانٹھتا
ہے، تو اس کی تہ میں بھی اپنی مقصد برآری ہی ہوتی ہے، چنانچہ جب تک

اس کا الو سیدھا ہوتا رہتا ہے اس فرد یا گروہ کے ساتھ رہتا ہے۔ جونہی کہ اس کی ذاتی خواہش کو ٹھیس پہنچی، الگ ہو کر دوسروں سے دوستانہ قائم کرنے لگا، چونکہ ہر کوئی خود غرض ہوتا ہے باہمی اعتماد اور ہمدردی مفقود ہوتی ہے جماعتیں گو کہلانے کو جماعتیں ہوتی ہیں، اندر سے سب اپنے اپنے مطالب کے نباہ سے اور الگ الگ ہوتے ہیں تحسبہم جمیعا و قلوبہم شتی (حشر ع۲) کہ تو ان کو متحد خیال کرتا ہے حالانکہ ان کے دل متفرق ہیں، اور جو لفظاً ہر اتحاد ان میں دکھائی دیتا ہے وہ بھی فساد کی خاطر ہوتا ہے چونکہ اکیلے اکیلے بڑے پیمانے پر فساد نہیں مچایا جا سکتا، اس واسطے گروہوں میں ہو گئے، تاکہ ایک گروہ دوسرے گروہ کی بربادی کے لئے موثر اقدام کر سکے۔ غرض باطنی اور حقیقی اتحاد تو مطلقاً مفقود ہوتا ہے، البتہ کبھی کبھی بڑے پیمانے پر فساد مچانے کے لئے لوگ اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ اس وقت اگر پیغمبر آ کر مشترکہ انسانیت کی بنیاد پر نئے سرے اتحاد کو زندہ نہ کر دے تو لغت سے اتحاد کا لفظ محو ہو جائے۔

اگر پیغمبروں کا آنا باعث تفرقہ ہے تو ماننا پڑے گا کہ کسی زمانہ میں بھی پیغمبر کا ظہور انسان کے لئے مفید نہ تھا، جیسے یہ اقرار ہے کہ پیغمبر مربیان انسان تھے اور ماضی میں ان کا آنا ضروری تھا، تو جو چیز ماضی میں انسانیت کے لئے مفید تھی آئندہ وہ مضر کیسے ہو سکتی ہے؟ اگر ماضی میں وہ تفرقہ کو مٹا کر اتحاد پیدا کرتے رہے ہیں، تو آئندہ وہ اتحاد کو مٹا کر موجب تفرقہ کیونکر ہونے لگے؟

ہر پیغمبر جو آیا تفرقہ اور فساد کے سمندر میں، اخوت و اتحاد کی ایک لہر چھوڑتا رہا ہے اور ان لہروں کے باوجود دنیا کی یہ حالت ہے

جو ہم دیکھتے ہیں، اگر یہ اتحاد کی لہریں پیدا نہ ہوئی ہوتیں، تو آج کرۂ ارض
پر نہ معترض ہوتا نہ مجیب، اور نہ کوئی اور انسان، خدا نے سچ فرمایا ہے
وما قدروا اللہ حق قدرہ، کہ جو لوگ پیغمبروں کے آنے پر اعتراض
کرتے ہیں انہوں نے خدا کی قدردانی نہیں کی، جب تک اتحاد باقی ہوتا ہے
پیغمبر آتا ہی نہیں، پیغمبر اسی وقت آتا ہے جب اتحاد مفقود ہو چکتا ہے۔
سو اتحاد جس کا وجود ہی نہیں ہوتا اسے پیغمبر نے برباد کیا کرنا ہوتا ہے؟
اس وقت تفرقہ ہوتا ہے اور اسے بے شک پیغمبر برباد کر کے اتحاد کو نئے سر
سے زندہ کرتا ہے، کچھ شک نہیں، کہ پیغمبر کی لغت عوام کی لغت سے الگ
ہوتی ہے، وہ جسے ایمان کہتے ہیں پیغمبر اسے ننگِ ایمان قرار دیتا ہے۔
بئسما یأمرکم بہ ایمانکم ان کنتم مؤمنین (بقرہ ع) منکر جسے ذلت
قرار دیتا ہے پیغمبر اس کا نام عزت رکھتا ہے۔ وللہ العزۃ ولرسولہ
وللمؤمنین، مخالف جس کا نام اصلاح رکھتے ہیں پیغمبر اسے فساد بتلاتا ہے
قالوا انما نحن مصلحون الا انہم ھم المفسدون ولکن لا
یشعرون ہ، مخالف جسے موت قرار دیتا ہے پیغمبر اس کا نام زندگی رکھتا
ہے، ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء
ولکن لا تشعرون (بقرہ - ع ۱۹) مخالف جسے بینائی سمجھتا ہے پیغمبر
اس کا نام اندھاپن رکھتا ہے، سو نظر کے دھوکہ سے پناہ مانگنا چاہیئے
اور خدا سے توفیق طلب کرنا چاہیئے کہ جس نظر سے پیغمبر چیزوں کو دیکھتا ہے
اس نظر سے انسان دیکھ سکے، اگر وہ نظر حاصل ہو جائے تو پھر پیغمبر کا
آنا سراسر اتحاد کا موجب دکھائی دے گا، نہ کہ تفرقہ و فساد کا۔
اس بات کا فیصلہ کہ آیا معترض جان بوجھ کر حقیقت کو چھپا رہا ہے

یا وہ اس کی نظر سے اوجھل رہی، حقیقت کی طرف توجہ دلانے پر جو رد عمل وہ اختیار کرے گا، اس سے ہوگا۔ اگر توجہ دلانے پر وہ قائل ہوجاتے ہیں کہ آیات صدر میں معترض کے قائل ہوجانے کا ذکر ہے تو اعتراض حقیقت کے نظر سے اوجھل رہنے پر مبنی سمجھا جائے گا، اور معترض کا شمار فرشتوں میں ہوگا۔ اگر حقیقت کو واضح کر دینے کے بعد وہ ہٹ دھرمی سے اپنے اعتراض پر اڑا رہے تو اس کے اعتراض کا باعث ما انزل اللہ سے کراہیت ہے ذٰلِکَ بِاَنَّہُمْ کَرِہُوا مَا اَنْزَلَ اللّٰہُ (محمد ۹) کہ مخالفت کا سبب یہ ہے کہ جو اللہ نے نازل کیا وہ انہیں ناپسند ہے، کیوں ناپسند ہے؟ اس لئے کہ رسول انسان کی ہوا وہوس پر پابندی عائد کرتا ہے اور ان کے نفس کو لگام دینا چاہتا ہے۔ اَفَکُلَّمَا جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ بِمَا لَا تَہْوٰٓی اَنْفُسُکُمُ اسْتَکْبَرْتُمْ فَفَرِیْقًا کَذَّبْتُمْ وَفَرِیْقًا تَقْتُلُوْنَ۔ (البقرہ ع ۱۱)

کہ ہر بار جب تمہارے پاس رسول وہ لایا جو تمہاری نفسانی خواہشات کے خلاف تھا تو تم نے سرکشی کی، اور ان کو جھٹلایا اور بعض کو قتل بھی کیا۔

نئی روشنی کے لوگ ایک دلیل ختم رسالت کی یہ بیان کرتے ہیں، کہ نسل انسانی اب کافی علم اور تجربہ حاصل کر چکی ہے، اب وہ اپنی ضروریات کی آپ کفیل ہوسکتی ہے، اب اسے بیرونی راہنمائی کی حاجت نہیں، جیسے بچے کو ایک وقت تک ماں کی طرف سے حفاظت و نگرانی کی ضرورت ہوتی ہے، اس کے بعد وہ ایسی حفاظت کا محتاج نہیں رہتا۔

نسل انسانی کے علم و تجربے سے مختلف فنون کے ماہروں کا علم و تجربہ ہی مراد ہے، جن میں پیغمبر جو فن انسانیت کا ماہر ہوتا ہے بطور بچے کے ہے اور باقی ماہرین بطور شاخوں کے۔ پیغمبر کی تربیت انسان کی عالم گیر

ہیں اسی طرح شامل ہے، جیسے طبیبِ حاذق یا انجینئر، فرق یہ ہے، کہ وہ جڑ ہے اور یہ شاخیں، پیغمبر کے علم و تجربہ کو جس سے باقی تمام علوم و تجربات پھوٹتے ہیں بیرونی سمجھنا اور شاخوں کو اندرونی یا بنیادی غلطی ہے، جس پر مذکورہ خیال مبنی ہے، اس بارہ میں مفصل معلومات حاصل کرنے کے لئے خاکسار کی کتاب "حقیقتِ عالم" کی طرف رجوع کریں۔

بروئے واقعات بھی ظاہر ہے، کہ انسانیت کے بغیر علوم و فنون کی ترقی بجائے نفع کے نقصان رساں ہے، چنانچہ اس زمانہ کی جنگوں سے جو سابقہ زمانہ کی جنگوں کی نسبت بہت زیادہ جان و مال کا نقصان ہو رہا ہے یہ انسانیت سے خالی علوم و فنون کی ترقیات کا ہی نتیجہ ہے، انسان نے جس قدر علمی ترقیات کر لی ہیں، اسی قدر ابھی اسے درسِ انسانیت سیکھنے کی ضرورت ہے۔ ایک طرف اگر انسان علم کے معراجِ کمال پر دکھائی دیتا ہے تو دوسری طرف وہ پورا دیوانہ معلوم ہوتا ہے، جو جوشِ دیوانگی سے اپنے آپ کو فنا کرنے کے درپے ہے، اس مرحلے پر یہ کہنا، کہ انسان کو اب انسانیت کا سبق سیکھنے کی ضرورت باقی نہیں رہی، میرے عقل و فہم سے باہر ہے

یاد رہے کہ نئی روشنی کے لوگوں کا مذکورہ خیال مذہبی لوگوں کے عقیدہ ختمِ رسالت کا مؤید نہیں بلکہ اس کا نقیض ہے۔ مذہبی لوگوں کے عقیدے کا منشاء یہ ہے، کہ قرآن و حدیث کے احکام سے سرمو ادھر ادھر ہونا جائز نہیں، جب تک دنیا باقی ہے انسان ان احکام کا پابند ہے۔ بخلاف اس کے نئی روشنی کے لوگوں کا خیال یہ ہے کہ اب وہ

ایسی ترقی کر چکے ہیں کہ اب نہ انہیں پرانے احکام و شرائع کی ضرورت ہے نہ نئے کی وہ تمام حدود و قیود سے یکسر آزاد ہیں، مذہبی لوگ اگرچہ نادانستہ حضرت محمد صلعم کی تعلیم کے خلاف ختم رسالت کا عقیدہ اختیار کئے ہوئے ہیں ان کا عقیدہ آنحضرت صلعم سے عقیدت پر مبنی ہے۔ نئی روشنی کے لوگوں کا خیال بیشتر مذہبی لوگوں کے تفرقہ، آپس کی فضول بحثوں اور لڑائی جھگڑوں سے تنگ آ کر مذہب سے بیزاری کا نتیجہ ہے۔ اور بعض حالات میں اپنے کبر نفس کا،

## ۱۴۔ آغاز کا انجام

کہتے ہیں جس چیز کا آغاز ہے، اس کا انجام بھی ہے چونکہ سلسلہ رسالت کا آغاز ہے، اس کا انجام بھی چاہئیے۔ آگے فرض کر لیتے ہیں انجام جو چاہئیے وہ آ بھی چکا ہے۔

اگرچہ آغاز کی بحث ایک مشکل بحث ہے، اور اس کے متعلق یقینی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا، تاہم میں تسلیم کر لیتا ہوں کہ سلسلۂ رسالت کا آغاز ہے۔ بے شک جس چیز کا آغاز ہے، اس کا وسط بھی ہے اور انجام بھی، پر آغاز آغاز ہے، توسط وسط ہے اور انجام انجام، اگر کوئی شخص وسط کو انجام قرار دے بیٹھے، تو اس کے ایسا کہہ دینے سے وسط انجام نہیں بن جاتا، انجام وہی ہے جو انجام ہے، خدا ابھی تک انسان کو خلق کر رہا ہے، خلق کرنا بند نہیں کیا، اور جب تک خلق ہے اسے ہدایت کی ضرورت ہے، خدا نے اس کی ہدایت کا ذمہ بھی لے لیا ہے، ان علینا للھدیٰ و ان لنا للآخرۃ والاولیٰ (لیل) کہ پہلے اور آخری زمانہ دونوں میں ہدایت خلق ہمارے ذمہ ہے، سو

جب تک خلق چلتی ہے، اس کی ہدایت کا سلسلہ بھی ساتھ چلے گا، جب خلق انجام کو پہنچے گی، وہی سلسلہ ہدایت کا انجام بھی ہوگا، اور اگر اتنا توقف منظور نہ ہو، تو کم از کم سلسلہ رسالت کی پہلی غرض تو پورا ہو لینے دیجئے۔ ہم دیکھ آئے ہیں کہ پیغمبروں کے سلسلہ کی پہلی غرض نسل انسانی سے باہمی عداوت اور تفرقہ کو دور کرنا اور اسے متحد کرنا ہے، عداوت اور تفرقہ کی بیماری ابھی زوروں پر ہے، اور انسان کی کشتی دریائے تفرقہ کی منجدھار میں غوطے کھا رہی ہے انسان کو اس گرداب ہلاکت میں اپنے حال پر چھوڑ دینا اُس خدا کا کام تو نہیں ہو سکتا ہے جو رب العالمین بھی ہے اور قادر مطلق بھی، ہم جب ایک کام کو شروع کرتے ہیں تو جہاں تک ہمارے بس میں ہوتا ہے، جب تک وہ مکمل نہ ہو چکے، اُسے چھوڑتے نہیں، ہاں! ہم چونکہ کمزور ہیں اور ہمارے وسائل محدود ہیں، بعض وقت ہمیں کام ادھورا ہی چھوڑنا پڑتا ہے، خدا قدیر ہے اور اس کی طاقت غیر محدود ہے، پھر وہ قدرت رکھنے کے باوجود اپنے ارادہ کی تکمیل سے پہلے انسان کو گرداب ہلاکت میں چھوڑ کر سلسلہ رسالت کو کیسے بند کر سکتا ہے؟ اگر کرنا بھی ہے تو کم از کم انسان کو دریا کے اس پار لگا لے، پھر جو چاہے کرے، سو ہمارے دوستوں نے جلد بازی سے منجدھار کو ہی دریا کا دوسرا کنارہ سمجھ لیا ہے۔ اور یہ خیال نہیں کیا کہ خدا اگر انسان کی کشتی کو یہاں ہی چھوڑ دے تو اس کا نام و نشان باقی نہ رہے۔

# واقعات اور نتائج

"مسلمانوں کے تنزل" اور "آمد رسول" کے عنوانوں کے نیچے ہم دیکھ آئے ہیں کہ مرشد قرآن رسول اللہ کا اپنا زمانہ ترقی خیر و خوبی میں منفرد تھا اس کے بعد کی دو صدیاں جنہیں "شفع" کہا گیا ہے، دوسرے درجہ پر ہیں۔ چوتھی صدی سے "فیج اعوج" یا زوال اسلام کا زمانہ شروع ہوتا ہے جس کی میعاد ہزار سال ہے، اس کے خاتمہ پر مسلمانوں کے تفرقہ سے نہ اسلام باقی رہے گا نہ قرآن، اس وقت دو پیغمبروں (حضرت مہدی اور حضرت مسیح) کے ظہور سے قیامت قائم ہوگی، مسلمان بنی اسرائیل کے نقش قدم پر چل کر پیغمبروں کو جھٹلائیں گے اور قتل کریں گے، اور اپنی نیابت خلافت کو کھو بیٹھیں گے، نئی قوم جو مسلمانوں کی جانشین ہوگی فارس سے اٹھے گی، حوالہ بیت المقدس میں سدرۃ المنتہیٰ یا حضرت مسیح علیہ السلام کے ظہور ثانی پر جو قیامت کا علم ہیں اور جس کے ساتھ جنت ہے، حضرت جبرئیل نازل ہوں گے، اس زمانہ میں یاجوج ماجوج پھیلیں گے اور علوم جدید کے ذریعہ قوموں اور ملکوں کے درمیان سے جغرافیائی رکاوٹیں اٹھ جائیں گی، اور مختلف اقوام کی ہوس کی آگ یورپ کی جنگوں سے دنیا میں جہنم بپا ہو جائے گی، مفسد عنصر اس میں بھسم ہو جائے گا، اور جو باقی رہ جائیں گے اپنے تلخ تجربہ سے وحدت انسانی کا سبق سیکھ سکیں گے، انقلاب عالمگیر ہوگا، جس سے نظام گزشتہ جو بدی کا جہان تھا، فنا ہو کر نظام جدید یا نیکی کا جہان بپا ہوگا اس وقت کرہ ارض صالح بندوں کی وراثت میں آ کر اپنے رب کے

نور سے چمک اُٹھے گا،

جب ہم واقعات عالم پر نگاہ ڈالتے ہیں، تو سارا نقشہ جو قرآن نے
تیرہ سو سال پہلے کھینچا تھا، آنکھوں کے سامنے پھرتا دکھائی دیتا ہے۔ آج
مسلمانوں کے دل اس اسپرٹ سے جو صحابہ میں زندہ قوت کی طرح کام کرتا
دکھائی دیتا ہے خالی ہیں، ایک حصہ علی الاعلان مذہب اسلام کو اپنی
سیاسیات سے خارج کر دیتا ہے، اور قرآنی قانون کے بجائے دوسرے
قوانین رائج کرتا ہے، دوسرے حصہ میں جو کہ مسلمان کہلاتے ہیں ایسی خانہ جنگی
ہے کہ جس کی نظیر ڈھونڈنے سے نہ ملے گی، ستر بہتر فرقے ہیں، ان
میں کوئی معمولی اختلاف نہیں، کفر و اسلام کا فرق ہے، ہر فرقہ صرف
اپنے آپ کو اسلام پر سمجھتا ہے اور باقی تمام فرقوں کو کافر بتاتا ہے
ہر فرقہ جو اپنی اکیلی رائے سے مسلمان ہے، مخالف فرقوں کی بہتر
راؤں سے کافر ہے، ان حالات میں یہ معلوم کرنا محال ہو گیا ہے
کہ قرآن کا منشا کیا ہے؟ اور اسلام جو آنحضرت صلعم نے سکھایا گیا
تھا؟ قوم علمی، اخلاقی، اقتصادی، سیاسی ہر لحاظ سے سخت کمزور
ہو چکی ہے۔ نجات کی کوئی راہ دکھائی نہیں دیتی، اگر ایک جہاد
بالسیف کو عین اسلام اور نسخہ نجات بتاتا ہے تو دوسرا اسے حرام
اور سم قاتل خیال کرتا ہے، اس حالت میں اوّل تو غیروں کے لیے
کوئی چیز موجب کشش نہیں رہی، اور اگر کوئی غیر مسلم صحیح معنوں میں
مسلمان ہونا بھی چاہے تو محو حیرت رہ جاتا ہے کہ اسلام کو کہاں
تلاش کرے؟ اس کا سبب یہ ہے کہ مسلمانوں میں خلافت اور مرکزیت
باقی نہیں رہی، ساری دنیا میں نہ کوئی فرد ہے، نہ کوئی مجلس،

جس پر مسلمان اعتماد کر سکیں، جسے اپنی امامت و قیادت سپرد کر سکیں، اور جسے اپنے اختلافات کے فیصلہ کا اہل سمجھیں اور اس کے فیصلہ کو مانیں، مجھے حیرت ہوتی ہے جب بعض دوست سادگی سے کہہ دیتے ہیں، کہ ہمارا قرآن ایک ہے، رسول ایک ہے، قبلہ ایک ہے، قرآن ایک تب ہوتا، جب مسلمانوں کو قرآن کے کسی ایک معنی پر اتفاق ہوتا، جب جتنے مسلمان ہیں، اتنی ہی تعبیریں، اور ہر تعبیر جو ایک فرقہ کے نزدیک عین قرآن ہے، بہتر فرقوں کے نزدیک کفر ہے، تو ہر فرقہ اور ہر شخص کا الگ الگ قرآن ہوا، ایک قرآن کیسے ہوا؟ اسی طرح ایک رسول تب ہوتا، جب ان کے درمیان کوئی مسلمہ خلیفہ یا نائب رسول ہوتا، جس سے فیصلہ کرا سکتے کہ رسول اللہ صلعم کی تعلیم کیا تھی، اور اس پر متفق ہو سکتے، جب یہ صورت نہیں، تو گو زبان سے نہ کہیں، حال سے ہر شخص خود رسول بن رہا ہے۔ قبلہ کے معنی ہیں، وہ چیز جسے نصب العین کے طور پر سامنے رکھا جائے، ایک قبلہ تب ہوتا، جب مسلمان متحد المقصد ہوتے اور اس مقصد کے لئے متحد العمل ہوتے، جب متحدہ مقصد ہی کوئی نہیں تو ایک قبلہ ہونے سے تمعلوم یہ دوست کیا سمجھتے ہیں؟

قرآن شریف جب نازل ہوا، اس وقت عربوں میں کچھ کم خانہ جنگی نہ تھی، اس وقت قرآن نے ان پر وہ عمل کیا، جو مقناطیس لوہے کے ریزوں پر کرتا ہے۔ اس کی بے پناہ کشش سے سب اس سے چمٹ کر متحد ہو گئے، اگر ریزے

جو اس سے چھٹ گئے تھے پھر منتشر ہو گئے ۔ تو صاف دکھائی دیتا ہے
کہ یا ماحول بدل گیا ہے یا تقاضائیں میں پہلی سی کشش باقی نہیں
رہی ۔ قرآن تو بیشک وہی ہے لیکن حالات زمانہ بدل گئے ہیں ۔

۱۔ اس وقت خالص اسلامی حکومت کی تشکیل ہو سکتی تھی ۔ جس میں غیر مسلموں
کو کہیں دخل نہ تھا ۔ نہ فوج میں ، نہ مجلس شوریٰ میں اور نہ انتظامی
امور میں ۔ آج مختلف اقوام اور مذاہب کے لوگوں کے اختلاط
کی وجہ سے ایسی خالص اسلامی حکومت کی تشکیل ناممکن ہے ۔ تا
وقتیکہ اس کے کہ دنیا بھر کے مسلمان نقل مکان کر کے زمین کے
ایک حصہ میں جا بسیں ، اور باقی سب اقوام اس حصہ سے نکل کر دوسرے
حصوں میں آ جائیں ۔ اختلاط عام کے پیش نظر ایسی تقسیم خود سوال
ہے ۔

فرض کیا کہ ایک ملک میں جہاں مسلمان بستے ہیں ، خالص اسلامی حکومت
قائم کرنے کی تجویز زیر غور ہے ۔ کیا وہاں سب سے پہلے یہ سوال
تو پیدا نہ ہوگا ۔ کہ خالص مسلمان کون سا فرقہ ہے ۔ جس کی حکومت
خالص اسلامی حکومت کہلا سکے ؟ ظاہر ہے کہ یہ سوال ضرور پیدا ہوگا ۔
اور یہ بھی ظاہر ہے کہ تمام فرقے خالص اسلام کی تعریف پر متفق
نہ ہو سکیں گے ۔ ہاں ! جو طاقتور ہوگا وہ اپنی حکومت قائم کرے گا ۔
چونکہ مسلمان مانتے ہیں کہ اسلام میں مرتد کی سزا قتل ہے ، کیا اب
حکمران فرقے کا یہ فرض نہ ہوگا ، کہ باقی فرقوں کے خلاف جو اس
کے نزدیک مرتد ہیں ، قتل مرتد کا قانون نافذ کرے ؟ اسی طرح
کیا باقی فرقوں کا جن کے نزدیک حکمران فرقہ مرتد ہے فرض نہ ہوگا

کہ اس کی حکومت سے بغاوت کریں؟ اس موقعہ پر پھر جو طاقتور ہوگا
جیتے گا یا اس خانہ جنگی میں سب ختم ہو جائیں گے۔ اگر طاقتور جیتا،
تو ظاہر ہے کہ یہ حکومت "جس کی لاٹھی اُس کی بھینس" کے اصول پر ہوگی،
خالص اسلامی حکومت نہ ہوگی۔ اس بات کی کیا ضمانت ہوگی
کہ جو فرقہ اپنی مادی طاقت سے اقتدار پر آ گیا ہے فی الواقعہ وہی اسلام
سے برگشتہ نہیں؟

بعض احباب کہیں گے کہ ہر شخص جو مسلمان کہلاتا ہے، اسے مسلمان مان
لیا جائے، سوال یہ ہے کہ کیا سب فرقے یہ بات مان جائیں گے؟
اور اگر بالفرض مان گئے تو اس صورت میں مسلمان صرف ایک کہلانے کی
چیز رہ گئی، جس کے نیچے حقیقت کوئی نہیں۔ خدا کو مانے یا نہ مانے
اصول اسلام کا موافق ہو یا مخالف، اسلام کی کوئی علامت پائی جائے
یا نہ پائی جائے۔ چونکہ مسلمان کہلاتا ہے مسلمان ہے، یہی آنحضرت
نے فرمایا تھا، کہ اسلام کا صرف نام رہ جائے گا، اس کی حقیقت باقی
نہ رہے گی۔ گویا پہلے تو مسلمان صرف اپنے حال سے آنحضرت صلعم
کی پیشگوئی کے مصداق بن رہے تھے، پھر ریزولیوشن بھی پاس کر دیا
گیا کہ مسلمان صرف کہلانے کی چیز ہے اور اسلام فقط ایک لفظ ہے جس
کے معنی کوئی نہیں۔ کیا اس ریزولیوشن کو پاس کرنے والوں کی حکومت
آنحضرت صلعم کی حدیث مذکورہ کی روشنی میں خالص اسلامی حکومت ہوگی؟
فرض کیا کہ مسلمان کہلانے والوں کی حکومت قائم ہو گئی، کیا یہ حکومت
اپنے علاقہ میں جزیہ کی طرح کا امتیازی ٹیکس لگا سکے گی، جو صرف غیر مسلموں
سے بوجہ ان کے غیر مسلم ہونے کے وصول طلب ہو؟ ہرگز نہیں۔ اس

کی صرف یہی صورت ہے کہ ساری دنیا مسلمانوں کی طاقت کے سامنے عاجز آ کر
جزیہ گزاری اختیار کرے، کیونکہ جب تک باقی دنیا میں دم خم ہوگا
وہ ان لوگوں کی حمایت میں کھڑی ہو جائے گی، جن پر غیر مسلم ہونے کے باعث
امتیازی ٹیکس لگایا جائے گا، مسلمان جن کے ہاں قرآنی قانون کے
بجائے دوسرے قوانین رائج ہیں، نہ ان کی جنگ جہاد ہے اور نہ ان
کا لگایا ہوا ٹیکس جزیہ، کیونکہ جہاد اس جنگ کا نام ہے، جو حکومت
قرآن کے دشمنوں یا باغیوں سے لڑی جائے، اور جزیہ وہ ٹیکس ہے،
جو حکومت قرآن کو تسلیم کرنے والی غیر مسلم رعایا سے وصول کیا جائے
جب کسی حکومت میں قرآنی قانون نافذ نہ ہو، وہاں جہاد اور جزیہ
دونوں خارج از بحث ہیں،

الغرض قرون اولیٰ کی طرز کی خالص اسلامی حکومت جس میں وہی حدود
اور احکام نافذ ہوں، حالات حاضرہ میں ناممکن ہے۔

(۷) آج کلوں کا زمانہ ہے، پہلے کلیں سٹیم سے چلتی تھیں، پھر بجلی سے
چلنے لگیں، لیکن بجلی کمیاب تھی، اب جو ایٹم کی طاقت کو استعمال میں لانے
کے طریقے نکل رہے ہیں، ان سے ایک سرمایہ دار ایسی کل لگا سکے گا،
جس سے لاکھوں پیشہ وروں اور مزدوروں کو بیکار کر دے، اب اگر
اس سرمایہ دار سے چالیس فی صدی کے حساب سے زکوٰۃ وصول کر لی جائے
تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر وہ ایک لاکھ گھرانے کی روٹی چھین لے
تو اس سے اڑھائی ہزار گھرانوں کے لئے روٹی وصول کر لی جائے، سوال
یہ ہے کہ باقی ساڑھے ستانوے ہزار گھرانے جو بیکار اور نان شبینہ
کے محتاج ہو گئے، انہیں کہاں سے کھلایا جائے؟ موجودہ حالات

میں یا تو ایسے سرمایہ داروں کے کارخانہ کو ملکیت حکومت قرار دینا پڑے گا یا ان پر ایسا ٹیکس لگانا پڑے گا، کہ ان کے اچھے خاصے گذارہ کے لیئے چھوڑ کر باقی ساری آمدنی وصول کر لی جائے، کیا ہم قرون اولیٰ کے تثبیت اسلامی قانون کے مطابق ایسا کر سکتے ہیں؟

۳ - میل ملاپ کے وسائل، ڈاک خانے، ٹیلیفون، ریڈیو، ریلیں، سمندری اور ہوائی جہاز، وسیع علمی اور تحقیقاتی ادارے، دنیا بھر کی تجارت، مشترکہ سرمایہ اور بنکوں کے بغیر ناممکن ہے، اور بنک کسی نہ کسی شکل میں سود یا منافع کے اصول کو تسلیم کیئے بغیر نہیں چل سکتے۔ کیا قرون اولیٰ کے خالص اسلامی قانون کی رو سے سود کی اجازت دی جا سکتی ہے؟

۴ - اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ آنحضرت صلعم دنیا سے غلامی کو مٹانا چاہتے تھے، آپ نے غلاموں کی تکلیفوں کو دور کرنے کے لیئے بے حد کوشش کی، اور انہیں آزاد کرانے کے لیئے جس قدر ترغیب دینا ممکن تھی دی، آپ کو اس میں کامیابی بھی بہت ہوئی اور بالآخر آپ کی کوششوں کے نتیجہ میں ہی دنیا میں ایسے حالات رونما ہو گئے، کہ غلامی مٹ گئی، لیکن وہ زمانہ ایسا تھا کہ اس میں غلامی کو مطلق حرام نہیں کیا جا سکتا تھا جیسے کہ مثلاً شراب خوری کو مطلقاً حرام کر دیا گیا، اس واسطے قرآن شریف میں جہاں غلاموں سے اچھا سلوک کرنے اور انہیں آزاد کرنے کی بے حد ترغیب ہے، غلام رکھنے کی اجازت بھی موجود ہے، اس اجازت کی موجودگی میں قانونی طور پر کسی شخص کو مجبور نہیں کیا جا سکتا، کہ وہ اپنے غلاموں کو آزاد کر دے، چنانچہ ابھی تک بعض اسلامی ممالک میں غلام پائے جاتے ہیں، سوال یہ ہے، کہ غلامی کی اجازت جو حالات کی مجبوری

کی وجہ سے دی گئی، اب جبکہ حالات بدل چکے ہیں، بحال رہنی چاہیئے یا واپس لے لینی چاہیئے۔ اور غلامی کو قانوناً ممنوع قرار دے دینا چاہیئے؟
کیا یہ مناسب ہے کہ غلامی جسے خدا مٹانا چاہتا تھا، اس کے مٹ جانے کے بعد بھی کتاب اللہ میں اس کی اجازت بدستور بحال رہے؟ یا صحیح عقلمند تسلیم کرے گا، کہ اب غلامی قانوناً بند ہونی چاہیئے، اگر آج مسلمان اپنے ریزولیوشن کے ذریعہ غلامی کو حرام اور قانوناً ممنوع قرار دے دیں، تو کیا ان کا یہ ریزولیوشن کتاب اللہ کے خلاف نہ ہوگا؟
کیا ایک مسلمان کو یہ کہنے کا حق نہ ہوگا، کہ جس چیز کی خدا اجازت دیتا ہے، تم اُسے مطلق حرام کرنے والے کون ہوتے ہو؟
۵۔ فرض کرو، ایک خاتون جو اپنی علمی اور اخلاقی قابلیتوں کے لئے شہرۂ آفاق ہے اور قانون ساز مجلس کی ممبر بھی ہے، ایک اسلامی عدالت کے سامنے بطور گواہ پیش ہوتی ہے، کیا قرون اولیٰ کے اسلامی قانون کی رو سے اسے پورا گواہ مانا جا سکے گا، یا بوجہ عورت ہونے کے اسے آدھا گواہ ہی تسلیم کیا جائے گا؟

ان چند مثالوں سے ظاہر ہے کہ قرون اولیٰ کی ٹھیٹ اسلامی زندگی کے لئے نہ حالات حاضرہ سازگار ہیں اور نہ مسلمانوں کا کسی ایک دستور العمل کے اسلامی دستور العمل ہونے پر اتفاق ہے۔ حسب فرمودۂ نبوی نہ اسلام باقی ہے نہ قرآن۔

ایک طرف اگر اسلامی عالم کا تنزل چوتھی صدی اسلام سے شروع ہو کر تیرھویں صدی کے آخر میں مکمل ہو گیا، اور چودھویں صدی کے شروع میں برائے نام رہی سہی خلافت کا بھی خاتمہ ہو گیا، تو دوسری طرف تیرھویں صدی

کے آخر میں ایران میں سید علی محمد باب دعوئے مہدویت سے کھڑے ہو گئے،
آپ کے کھڑے ہوتے ہی شدید مخالفت بھڑک اٹھی، اور آپ کو قید کر لیا
گیا، شیعہ مجتہدوں کے فتووں سے پندرہ بیس ہزار مرد، عورتیں، بچے طرح طرح
کے عذابوں سے اس بے رحمی سے قتل کئے گئے، کہ اس کے تصور سے دل بیٹھنے
لگتا ہے، پاؤں سے چمڑا اتار کر اور پاؤں کو اُبلتے ہوئے تیل میں داغ
دے کر پھر انہیں چلنے کا حکم دیا جاتا، درختوں سے باندھ کر مٹی کا تیل
اوپر ڈال کر زندہ جلایا جاتا، جسم میں سوراخ کر کے ان میں موم بتیاں
ڈال کر اور جلا کر بازار کو چراغاں کیا جاتا، بڑے بڑے معززین کے ناک
میں نکیل ڈال کر بازاروں میں پھرایا جاتا تھا، پھر پاؤں سے رسہ باندھ
کر بازار میں گھسیٹا جاتا ہے، اور آخر تھوڑا تھوڑا کر کے کاٹا جاتا،
عورتوں کے پستان کاٹ دیئے جاتے، معصوم بچوں کو ہوا میں اچھال کر
نیچے نیزہ اور رکھ کر ٹکڑے ٹکڑے کیا جاتا، پروفیسر براؤن صاحب نے آسٹریا
کے ایک افسر کی جو شاہ ایران کی فوج میں ملازم تھے، ایک چٹھی نقل کی
ہے، جو انہوں نے اپنے لوگوں کو لکھی، افسر مذکور لکھتے ہیں کہ سید باب کے
پیروؤں پر ایسے مظالم توڑے جاتے ہیں کہ میں ان کا نظارہ برداشت نہیں
کر سکتا، اس واسطے میں نے ملازمت سے استعفیٰ دے دیا ہے۔ سید باب
میں اس قدر جذب تھا کہ باوجود ایسے شدید مظالم کے پروفیسر براؤن لکھتے ہیں
کہ اگر ایک بابی کو قتل کیا جاتا تو سو اٹھ کھڑے ہوتے کہ ہم بھی بابی
ہیں، شاہ نے اپنے ایک درباری عالم کو جس پر اُسے اعتماد تھا، بھیجا کہ
سید باب کے حالات دریافت کر کے مجھے آگاہ کرو۔ عالم مذکور
جونہی سید باب کے حضور پہنچے، وہیں کے ہو رہے، اور شاہ کو لکھ دیا

کہ میں تو سید باب پر ایمان لے آیا ہوں، مجھے واپس دربار میں آنے
کی حاجت نہیں، آخر جیسے کہ قرآن شریف میں لکھا تھا کہ مسلمان
بنی اسرائیل کے قدم بقدم چل کر رسولوں کو جھٹلائیں گے اور قتل کریں گے
سید باب کو شہید کیا گیا۔

سید باب فرماتے تھے کہ آپ کا کام قرآن شریف کی متشابہ آیات
کو بیان کرنا، اور من یظہرہ اللہ کی بشارت دینا اور آپ کے لیے زمین
تیار کرنا ہے۔ چنانچہ آیہ کریمہ ان علینا جمعہ وقرآنہ ...... ثم
ان علینا بیانہ کی پیش گوئی کے مطابق آپ کی کتاب کا
نام "بیان" ہے، جو من یظہرہ اللہ کی انتہائی تعریف و توصیف
اور ان کے عشق سے پُر ہے، آپ کی شہادت کے بعد جلد ہی جناب
بہاء اللہ جو ایران کے قصبہ نور کے باشندہ تھے اور بہت بڑے
جاگیردار تھے۔ من یظہرہ اللہ کے دعوے سے کھڑے ہوئے، آپ
کو سید باب کی شہادت کے دوسرے سال ہی جلا وطن کرکے عراق
عرب میں بھیج دیا گیا، وہاں سے آپ کو قسطنطنیہ طلب کیا گیا، اور
پھر اڈریانوپل بھیج دیا گیا، ۱۸۶۸ء میں آپ کو عکہ میں جو حوالی
بیت المقدس میں ہے نظربند کیا گیا، جہاں آپ نے ۱۸۹۲ء میں
صعود فرمایا۔ یوں آپ حوالی بیت المقدس میں جہاں پہنچنے کی پیشگوئی
قرآن شریف [illegible] مثلاً حضرت مسیح کا ظہور اور جہاں قیامت قائم
تھا پہنچا دیے گئے، آپ کی مدت دعوے چالیس سال تھی، آپ اپنے
آپ کو موعود کل ادیان بتاتے تھے، آپ کا مشن آپ کے اپنے
الفاظ میں یہ ہے، "کچھ شک نہیں کہ یہ بیہودہ دنیا کو نئے سرے

سے زندہ کرنے اور زمین کی تمام آبادیوں کو متحد کرنے کے لئے بھیجا گیا ہے۔ اللہ نے جو ارادہ کیا ہے، پورا ہو کر رہے گا اور تو کرہ ارض کو نور سے چمکتی ہوئی جنت پائے گا، آپ کی تعلیمات کا خلاصہ حسب ذیل ہے:۔

(۱) - ہر شخص کو کورانہ تقلید سے آزاد ہو کر سچائی کی تلاش و تحقیق خود کرنا چاہیئے۔ (۲) سچائی ایک ہے، اس لئے سب علوم بنیادی طور پر ایک ہیں، (۳) تمام مذاہب کی بنیادی تعلیم ایک ہے اختلافات فروعی ہیں، پس تمام مذاہب سچے ہیں (۴) دین اور علم (سائنس) ایک ہی حقیقت کی تلاش میں ہیں، ان میں کوئی بنیادی اختلاف نہیں، حقیقت تک پہنچنے کے دو راستے جداگانہ ہیں۔ (۵) دین اور سیاست کی حدود معین ہونا چاہئیں۔ تاکہ ایک دوسرے میں دخل دے کر متصادم ہونے کی بجائے ہم آہنگ ہو سکیں۔ (۶) دین کو دوستانہ تعلقات کا موجب ہونا چاہیئے۔ نہ کہ بیگانگی کا، جس دین سے بیگانگی اور کشیدگی پیدا ہو، اس سے بے دینی بہتر ہے، (۷) مذہبی نفرتوں اور مذہبی جھگڑوں کا خاتمہ ہونا چاہیئے، (۸) سماجی، لسانی، قومی، نسلی اور دوسرے تعصبات تہذیب کی بنیادوں کو ہلا رہے ہیں۔ انہیں تمام حلقوں سے مٹانے کی انتہائی کوشش کرنا چاہیئے۔ (۹) نسل انسانی ایک کنبہ ہے، دراصل نہ کوئی ان میں اعلیٰ ہے نہ ادنیٰ، (۱۰) قانونی، سماجی، اقتصادی اور تمام دیگر حقوق مساوی ہونا چاہئیں۔ ہر فرد کے لئے اونچے سے اونچے مقام تک پہنچنا ممکن ہونا چاہیئے (۱۱) عورتوں کے حقوق

مردوں کے برابر ہونا چاہئیں اور دونوں کو ترقی کے یکساں مواقع حاصل ہونا چاہئیں۔ (۱۲) اقتصادیات، قانون وراثت، اور محاصل کی نئے سرے سے تشخیص و تدوین ہونا چاہئے۔ (۱۳) تہذیب و تمدن میں مادی طاقت کے استعمال کے بغیر سدھار ہونا چاہئے۔ اور صلح اکبر قائم ہونا چاہئے (۱۴) دنیا بھر کا نظام حکومت ایک مرکزی طاقت کے ہاتھ میں ہونا چاہئے۔ قومی فوجوں اور اسلحہ کا خاتمہ ہونا چاہئے بین الاقوامی جھگڑوں کے فیصلے بین الاقوامی نمائندوں اور ثالثوں کے ذریعہ ہونا چاہئیں۔ ان فیصلوں کی تعمیل کرانا دنیا بھر کی جمعیت انصاف و آزادی کی زیر نگرانی دنیا کی مشترکہ پولیس کے ذمہ ہونا چاہئے۔ اور اس طرح سچائی کی حکومت قائم ہونا چاہئے (۱۵) لڑکوں اور لڑکیوں کی تعلیم جبریہ اور ابتدائی تعلیم مفت ہونا چاہئے (۱۶) دنیا بھر کے لئے ایک مشترکہ زبان اور ایک مشترکہ رسم الخط اختیار کرنا چاہئے۔ (۱۷) خدا کو منزہ عن الکل ماننا چاہئے۔ (۱۸) عالم کی راہنمائی اور ترقی کے لئے پیغمبروں کا آتے رہنا ضروری ہے۔ (۱۹) خدا کو ایک ماننے میں تمام پیغمبروں کو، تمام مذاہب کو، تمام الہامی کتابوں کو، تمام نسل انسانی کو، مذاہب، علوم و فنون اور فلسفہ کو، امیر اور غریب کو، عالم اور جاہل کو، مردوں اور عورتوں کو، سفید و سیاہ اور زرد و سرخ سب انسانوں کو ناقابل تقسیم طور پر ایک ماننا شامل ہے۔

بہائی تعلیمات کی روح یہ ہے ؛- **دین کی حقیقت محبت ہے**

اور امن و آشتی اس کی ناگزیر شرط، اعمال کا درجہ عقیدہ اور نماز سے بڑھ کر ہے، خدمتِ خلق معراجِ کمال ہے، اخلاص و انکسار اس کو حاصل کرنے کا واحد ذریعہ ہیں، اخلاص کی پرکھ اعمال ہیں،

جناب بہاء اللہ نے تمام روئے زمین کے بادشاہوں اور مذہبی اداروں کے رئیسوں کو اس پروگرام کی طرف بلایا، اور اتمامِ حجت کے بعد فرمایا کہ خدا نے نسلِ انسانی کے دو طبقوں سے اقتدار چھین لیا ہے، ایک طبقہ بادشاہوں کا ہے اور دوسرا مذہبی پیشواؤں اور راہنماؤں کا، بادشاہوں کو خدا نے اقتدار اس لئے عطا کیا تھا کہ وہ اس کی مخلوق کی عدل و انصاف کے ساتھ حفاظت کریں اور مذہبی پیشواؤں کا اقتدار اس وجہ سے تھا، کہ وہ لوگوں کو خدا کی راہ دکھانے والے تھے۔ چونکہ ان دونوں گروہوں نے اپنے اختیارات کا سخت غلط استعمال کیا ہے، خدا نے ان کا اقتدار چھین لیا ہے، سلطان عبدالعزیز بادشاہ ترکی کو جو خلیفۃ المسلمین بھی تھا، دل ہلا دینے والی الواح لکھیں، اور اس کا انجام بھی پہلے سے بتا دیا۔ جو آپ کی زندگی میں ہی واقع ہو گیا۔ اسی طرح آپ نے جرمنی کی دوبار شکست فاش کی پیشگوئی اس وقت کی، جب قیصر اپنے جاہ و جلال میں مست تھا*

حضرت بہاء اللہ قید و بند کی مصیبتوں کے باوجود چالیس سال

تک تعلیم و تبلیغ کا کام کرتے رہے، اور ایران اور ٹرکی کے دو بادشاہوں اور ان کی شیعہ سنّی تمام رعایا کے مقابلہ میں تن تنہا اپنی تعلیم کو قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے، بہائیوں کے ولی امر کے بیان کے مطابق اس وقت دنیا کے ۸۰ ملکوں میں بہائی پائے جاتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ابھی تک بہائیوں کی تعداد بہت کم ہے، لیکن اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ دنیا حالات زمانہ سے مجبور ہو کر جناب بہاء اللہ کے پروگرام کی طرف نہایت تیزی سے آ رہی ہے، اور ہر عقلمند کو دکھائی دے رہا ہے کہ اس وقت یا تو مختلف قوموں وطنوں اور مذہبوں میں سمجھوتہ ہو کر سب متحد ہو جائیں یا نسل انسانی کی خیر نہیں،

چونکہ اس کتاب کا اصل موضوع قرآن شریف سے عقیدہ ختم رسالت پر روشنی ڈالنا ہے اور جناب بہاء اللہ کا ذکر ضمنی طور پر اس تقریب سے آ گیا ہے، کہ قرآن شریف کے بیانات کیونکر واقعات عالم میں پورے ہوتے دکھائی دے رہے ہیں، میں یہاں امر بہائی کی تفصیلات میں نہیں جا سکتا، صرف اتنا عرض کرنا ہوں کہ:-

(۱) اس کتاب میں جو قرآن شریف کی تعبیر کی گئی ہے یہی بہائیت ہے، گویا قرآن شریف کی جہاں بیسیوں تعبیریں انسان کر رہا ہے، ایک تعبیر خدا نے کی ہے جو بوجہ خدائی تعبیر ہونے کے مستند اور قول فیصل ہے۔ چونکہ یہ قرآن کی تعبیر ہے، اس کا انکار قرآن کا انکار ہے، چونکہ یہ خدا کی ہوئی تعبیر ہے، اس کا انکار خدا کے تازہ حکم کا بھی انکار ہے۔ بہائیت کوئی نیا دین نہیں،

بلکہ پرانے ادیان کی جو حقیقت میں سب ایک ہیں، حسب حال زمانہ
نئی تعبیر ہے۔ جس کا مدعا ان کو زندہ کرنا ہے نہ کہ منسوخ کرنا،
خاکسار مؤلف یہ سمجھنے سے قاصر ہے کہ کوئی شخص اس تعبیر کا انکار
کرکے کیونکر قرآن شریف اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
یا کسی سابقہ الہامی کتاب یا پیغمبر یا اوتار سے وفاداری کا دعوےٰ
کرسکتا ہے،

(۲) حالات حاضرہ میں جناب بہاءاللہ کا پروگرام ایسا ہے کہ اس سے
دنیا درم نقد بہشت بن سکتی ہے، اور اس کے بغیر نسل انسانی کی بقا محال ہے
اپنی بقا کے لئے دنیا کو چاروناچار اسے قبول کرنا ہے۔ آج نہیں تو کل
زبان سے نہیں تو عمل سے۔

(۳) علمی اور عقلی معیار سے آپ کی تعلیم اتنی بلند پایہ صداقتوں پر مشتمل
ہے کہ ان سے اوپر عقل پرواز نہیں کرسکتی۔

(۴) آپ کے نزدیک عملی توحید تو جیسے کہ ناظرین کرام دیکھ چکے ہیں یہ ہے
کہ ساری نسل انسانی ایک ہو کر اپنے ایکے کی زبانِ حال سے خدا
کے ایک ہونے کی گواہی دے، علمی لحاظ سے خاکسار کی تحقیقات میں
آپ کی بیان کردہ توحید اتنی بلند ہے کہ وہ معترضین کی ذہنی دسترس
سے باہر ہے گویا سورج اپنی تیز روشنی کے باعث دکھائی نہیں
دے رہا۔

اصل چیز تعلیم ہے، کیا ایسی تعلیم جس میں انسان کا اپنا بھلا ہو، اس
کے اہل و عیال کا بھلا ہو، اس کے شہر اور وطن کا بھلا ہو، کل عالم
کا بھلا ہو، جھوٹی ہو سکتی ہے؟ اگر یہ جھوٹ ہے تو سچائی کس کو

کہتے ہیں ؟

خدا انسان کو دکھ درد سے نجات دینا چاہتا ہے، اور انسان نادانی سے اس کے ارادہ کی مخالفت کر کے اپنے پاؤں آپ کلہاڑی مارتا ہے ہر پیغمبر کے ظہور پر انسان کوئی نہ کوئی مخالفت کی راہ جو اصل میں اس کے اپنے نقصان کی راہ ہوتی ہے، نکال لیتا ہے، جب حضرت محمد رسول اللہ صلعم کی تعلیم پر کوئی اعتراض نہ ہو سکا تو اپنی جان پر ظلم کرنے والوں نے آپ کی دفاعی جنگوں اور پرحکمت تعدد ازدواج کو نشانہ اعتراض بنا لیا، اسی طرح جب جناب بہاءاللہ کی تعلیم پر اعتراض نہ ہو سکا تو معترضین نے دعوئے الوہیت آپ کی طرف منسوب کر دیا اور اتنا بھی نہ سوچا کہ اس سے پہلے یہودیوں نے جب حضرت مسیح کو خدائی کے دعوے کا الزام دے کر رد کیا تو ان کا انجام کیا ہوا۔

حضرت مسیح کی طرف دعوئے الوہیت منسوب کرنے کی وجہ یہودیوں کے ہاتھ میں یہی تھی، کہ آپ نے کہا "میں خدا کا بیٹا ہوں" ایسے فقروں سے خدائی کا دعوے نکالنے کے بارہ میں سورہ آل عمران ع ۱ میں ہے:

فاما الذین فی قلوبہم زیغ فیتبعون ما تشابہ منہ ابتغاء الفتنۃ وابتغاء تاویلہ ۚ وما یعلم تاویلہ الا اللہ والراسخون فی العلم یقولون امنا بہ کل من عند ربنا ۚ کہ جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہوتی ہے وہ فتنہ بپا کرنے کے لئے متشابہ الفاظ کو لے بیٹھتے ہیں، حالانکہ صحیح طریق یہ ہے کہ سارے کلام پر یکجائی نظر ڈال کر اور متشابہ کو محکم کے ماتحت کر کے نتیجہ اخذ کیا جائے۔ (دیکھو بیان القرآن) لم گئے مسلمانوں کو دعا سکھائی

ہے، ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ هدیتنا (کہ اے رب ہمیں
ایسی کجی سے بچانا، مسلمانوں کو یہ دعا سکھانے سے مقصود یہ تھا، کہ
حضرت مسیح کے ظہور ثانی پر آپ کی طرف دعوئے الوہیت منسوب کرنے
کی اس غلطی سے جو یہود پہلے کر چکے ہوشیار رہیں، لیکن آنحضرت
صلعم نے جو فرمایا تھا، کہ مسلمان یہود و نصاریٰ کے نقش قدم پر چلیں
گے، یہاں تک کہ جو کچھ انہوں نے کیا یہ بھی کر کے رہیں گے۔ وہ
پورا ہوا، چنانچہ مسلمانوں نے حضرت باب کو قتل بھی کیا اور حضرت بہاءاللہ
کو دعوئے الوہیت کا الزام دے کر رد بھی کیا۔ ہاں تسلیم کرتا ہوں
کہ جناب بہاءاللہ کے کلام میں ایسے الفاظ ہیں، جن کو قرآن کی اصطلاح
میں متشابہ کہنا چاہیے، لیکن جہاں وہ الفاظ ہیں، وہاں ان کے بالمقابل
دعوئے الوہیت سے صریح انکار اور ایسے بیانات بھی تو ہیں جو متشابہ
الفاظ کی تشریح کر دیتے ہیں، اور طالب حق کے لئے سارے معاملہ کو اظہر
من الشمس کر دیتے ہیں:۔ مثلاً

(۱) توحید :- حمد مقدس از
عرفان ممکنات و منزه از ادراک
مدرکات ملیک عز بے مثالی را
سزا است، کہ لم یزل مقدس از
ذکر دون خود بوده ولا یزال متعالی
از وصف ماسوای خود خواهد بود، احدی
بسموات ذکرش کما هو ینبغی
ارتقا نجسته و نفسی بمعارج
وصفش علی ما هو علیه عروج نه

تعریف اس خدا کو سزاوار ہے، جو
ممکنات کی شناخت سے پاک اور
سمجھنے والوں کی سمجھ سے منزہ ہے
جس کی عزت بے مثل ہے جو ہمیشہ اپنے غیر
کے ذکر سے مقدس رہا ہے اور ہمیشہ اپنے
سوا سب کے وصف سے بالاتر رہے گا
اس کے ذکر کے آسمانوں پر جیسا کہ چاہیے
کوئی نہیں چڑھ سکا، نہ کوئی شخص
جیسا کہ لائق وصف الہی ہے اس

نموده ۔۔۔۔۔۔ اگر جمیع صاحبان
عقول و افسرده ارادهٔ معرفت
پست ترین خلق او را ها هو
علیه نمایند جمیع خود را قاصر و
عاجز مشاهده نمایند تا چه رسد
بمعرفت آن آفتاب عز حقیقت و
آن ذات غیب لا یدرک ۔۔۔۔۔۔
صد هزار موسیٰ در طور طلب
بندای لن ترانی منصعق و
صد هزار روح القدس در سمای
قرب از اصغای کلمهٔ لن تعرفنی
مضطرب ۔ لم یزل به علو تقدیس
و تنزیه در مکمن ذات مقدس خود
بوده و لا یزال بسمو تمنع و ترفیع
در مخزن کینونت خود خواهد بود ۔
متصاعدان سمای قرب عرفانش جز
بمنزل حیرت نرسیده اند، و
قاصدان حرم قرب و وصالش جز
بوادی عجز و حسرت قدم نگذارده
اند چه قدر متحیر است این ذره
لاشیء، از تعمق در غمرات لجه ر

کی بلندیوں پر پہنچ سکتا ۔۔۔۔۔۔
اگر تمام اہل عقل اور اہل دل اس کی ادنیٰ
ترین مخلوق کی معرفت حاصل کرنا چاہیں تو
سب اپنے آپ کو عاجز و قاصر دیکھیں گے
تو پھر اس آفتاب عز حقیقت اور
ذات غیب لا یدرک کی معرفت کیونکر
ممکن ہے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔
لاکھوں موسیٰ طور طلب میں لن ترانی
(تم مجھے نہیں دیکھ سکتے) کی آواز سے
بے ہوش ہیں اور لاکھوں روح القدس
آسمان قرب میں کلمہ لن تعرفنی (تم
مجھے نہیں پہچان سکتے) سن کر مضطرب
ہیں ، وہ ہمیشہ سے اپنی تقدیس و
تنزیہ کی بلندی کے ساتھ اپنی مقدس
ذات میں پوشیدہ رہا ہے ، اور
ہمیشہ اپنی بزرگی اور رفعت کی برتری
کے ساتھ اپنی ہستی کے خزانہ میں
پنہاں رہے گا ۔ آسمان عرفان
پر چڑھنے والے حیرت کی منزل سے
آگے نہیں پہنچ سکے ، اور حرم قرب و
وصال کے قاصد میدان عجز و

قدس عرفان تو در چه مقدار عاجز
است از تفکر در قدرت مستودعه
در ظهورات صنع تو . . . . . . .
مع ظهور این فضل اعظم و عنایت
اتم اقوم شهادت میدهم که ساحت
جلال قدرت از عرفان غیر مقدس
بوده و بساط اجلال انس از
ادراک ماسوا منزه خواهد بود،

و حسرت سے باہر قدم نہ رکھ سکے اے
ذرہ ناچیز (بہاء اللہ) تیرے مقدس
عرفان کی موج کے چکروں میں سوچنے سے
کس قدر متحیر ہے، اور تیری صنعت کے
ظہوروں میں رکھی ہوئی قدرت پر غور کرنے سے
کس قدر عاجز ہے ....... باوجود اس بڑے
فضل کے اور پوری اور زبردست عنایت کے ظہور کے میں
گواہی دیتا ہوں کہ تیری مقدس بارگاہ جلال
تیرے غیر کے عرفان سے مقدس رہی ہے اور
تیرے بزرگ انس کی محفل ادراک ما سوا سے منزہ
رہے گی +

۲ ـ حضرت رسالت ـ چون ابواب
عرفان و وصول بآن ذات قدم
مسدود و ممنوع شد، محض جود و
فضل در هر عهد و عصر آفتاب
عنایت خود را از مشرق جود و
کرم بر همه اشیا مشرق فرموده
و آن جمال عز احدیه را از ما بین
بریه خود منتخب نمود، و بخلعت
تخصیص مخصوص فرمود، لاجل رسالت
تا هدایت فرماید، تمام موجودات

اور چونکہ اس ذات قدیم کے
عرفان اور باریابی کے دروازے
مسدود و ممنوع ہیں، اس لئے
محض فضل و بخشش کی رو سے، ہر عہد و
عصر میں اپنی عنایت کا آفتاب
جود و کرم کے مشرق سے تمام
چیزوں پر روشن فرمایا، اور
اس جمال احدیت کو مخلوق میں
سے منتخب کرکے خلعت تخصیص سے
اپنی رسالت کے لئے مخصوص فرمایا، تاکہ

را بسلسال کوثر بے زوال و تسنیم قدس
بے مثال تا جمیع ذرات اشیاء از
کدورات غفلت و ہوا پاک و مقدس
شدہ بجبروت عز لقاء کہ مقام قدس
بقاست در آیند، اوست مرآت اولیہ
و طراز قدمیہ و جلوۂ غیبیہ و کلمۂ تامہ
و تمام ظہور و بطون سلطان احدیہ،
و جمیع خلق خود را باطاعت او کہ عین
اطاعۃ اللہ است مامور فرمودہ....
....... و این کینونات
مشرقہ از صبح احدیہ باحجتی ظاہر فرمودہ
کہ دون آن کینونات مشرقہ مرسلہ از
اتیان بمثل آن عاجز و قاصر بودہ اند

## بہاء اللہ کا دعوے سابقہ رسولوں کی مثل ہے

قل اتعترضون علی الذی جاءکم ببینات اللہ و
برهانه و حجته وآیاته
ان هی من تلقاء نفسه

تمام مخلوقات کو سلسال کوثر بے زوال اور
تسنیم قدس بے مثال کی راہ دکھائے اور
تمام چیزیں غفلت اور نفسانی خواہش
کی کدورتوں سے پاک ہو کر جبروت عز لقا
میں جو قدس بقا کا مقام ہے، داخل ہوں
وہی سب سے پہلا آئینہ اور سب سے
پہلا لباس اور جلوۂ غیبیہ اور کلمۂ تامہ اور سلطان
احدیت کا کامل ظہور و بطون ہے، اور تمام
مخلوق کو اسی کی اطاعت کا جو عین اطاعت
اللہ ہے حکم دیا جاتا ہے........
اور صبح احدیت سے یہ درخشاں ہستیاں
ایسی زبردست حجت کے ساتھ ظاہر ہوئی
ہیں، کہ ان مرسل اور چمکنے والی ہستیوں کے
سوا تمام دنیا ان کی سی حجت پیش کرنے سے
عاجز اور قاصر ہے۔
کہہ کہ کیا تم لوگ اس پر اعتراض
کرتے ہو جو کھلے کھلے نشان اور برہان،
حجت اور آیات الٰہی لے کر آیا ہے،
یہ باتیں اس کے نفس کی جانب سے
نہیں ہیں، بلکہ اس خدا کی طرف سے
ہیں، جس نے اس کو مبعوث کیا، سچائی

بل من لدن من بعثه و
ارسله بالحق وجعله سراجا
للعلمين، قد اشتد علينا
الامر في كل يوم بل في كل ساعة
الى ان اخرجونا من السجن
وادخلونا في السجن الاعظم
بظلم مبين، واذا قيل لهم باي
جرم حبسوا قالوا انهم ارادوا
ان يجددوا الدين، لو كان
القديم هو المختار عندكم
لم تركتم ما شرع في التوراة
والانجيل - بينوا يا قوم،
لعمري ليس لكم اليوم من
محيص، ان كان هذا جرمي
فقد سبقني في ذلك محمد رسول
الله ومن قبله الروح، ومن
قبله الكليم، وان كان ذنبي
اعلاء كلمة الله واظهار امره
فانا اول المذنبين، لا
ابدل هذا الذنب بملكوت
ملك السموات والارضين،
(لوح نپولیون ثالث)

کے ساتھ بھیجا، اور تمام جہانوں کے لئے
چراغ روشن بنایا، کہہ دے ہم پر معاملہ
ہر روز بلکہ ہر گھڑی سخت ہوتا گیا، یہاں
تک کہ ہمیں پہلے قیدخانے سے نکال کر
بڑے قیدخانے میں صریح ظلم کے ساتھ
ڈال دیا، جب ان سے پوچھا جاتا ہے
کہ ان لوگوں کو کیوں قید کیا گیا، جواب
دیتے ہیں کہ یہ لوگ دین کو نیا کرنا
چاہتے ہیں، اگر پرانا تمہارے نزدیک
پسندیدہ ہے تو تم نے توراۃ اور انجیل کو
کیوں چھوڑا، صاف صاف بیان کرو،
میری زندگی کی قسم آج تمہارے کوئی
جائے پناہ نہیں، اگر یہی تجدید دین
میرا جرم ہے تو اس میں حضرت محمد
رسول اللہ نے مجھ سے سبقت کی ہے،
اور ان سے پہلے روح اللہ اور ان سے
پہلے کلیم اللہ تھے، اور اگر اعلائے کلمۃ اللہ
اور اظہار امر الٰہی میرا گناہ ہے، تو میں
سب سے پہلا گنہگار ہوں، میں اس
گناہ کو آسمانوں اور زمینوں کی بادشاہت
سے بھی نہیں بدل سکتا،

لم ادر یا الٰهی ای جرم یثبتونه
علی نفسی ........
او یقولون لم ینطق بالآیات
لست انا منزلها بل انت نزلت
وتنزل کیف تشاء کما نزلتها
من قبلی علی سفرائك واصفیائك
وانت تعلم یا الٰهی لو کان
الامر بیدی ما اظهرت نفسی
وما تکلمت بینهم بکلمة کلما
اردت ان استر نفسی من
ذئاب الارض انت اظهرتنی
بقدرتك وسلطانك ......
غلبت ارادتك ارادتی ومشیتك
مشیتی الی ان اقمتنی مقام
نفسك وانطقتنی باعلی الندا
بین خلقك ولا اجد لنفسی
حرکة الا باریاح مشیتك
ولا سکونا الا بعد امرك
...... انك یا الٰهی
ما جعلت الاسماء الا قمیصا
لاصفیائك فلما بدل القمیص

اے اللہ! میں نہیں جانتا کہ یہ لوگ مجھ
پر کیا جرم ثابت کرتے ہیں ........
اگر کہتے ہیں کہ یہ آیات کیوں سناتا ہے
تو میں تو آیات کا نازل کرنے والا نہیں
ہوں بلکہ انہیں تو نے نازل کیا، اور جیسے
تو نے چاہا وہ نازل ہوئیں، جیسے کہ تو مجھ
سے پہلے اپنے پیغمبروں اور برگزیدوں پر نازل
کرتا رہا، اور اے اللہ! تو جانتا ہے کہ
اگر میرے بس کی بات ہوتی تو میں اپنے آپ
کو ظاہر نہ کرتا، اور ایک کلمہ بھی نہ بولتا
ہر بار جب میں نے چاہا، کہ اپنے آپ کو
زمین کی بھیڑیوں سے چھپاؤں تو تو نے
مجھے اپنی قدرت اور طاقت کے ساتھ ظاہر
کیا ........ تیرا ارادہ میرے ارادے پر
اور تیری مرضی میری مرضی پر غالب آگئی۔ یہاں تک
کہ تو نے مجھے اپنا قائمقام بنا کر کھڑا کر دیا
اور اپنی مخلوق کے درمیان بلند آواز سے گویا
کیا، اور میں اپنے لئے نہ کوئی حرکت پاتا ہوں
مگر تیری مشیت کی ہواؤں سے اور نہ سکون مگر تیرے
امر سے ..... اے اللہ تو نے ناموں کو اپنے برگزیدوں
کا لباس بنایا ہے پس جب ایک لباس دوسرے نام

بأسمك فزع من في السموات والارض الا من كان طرفه الى الافق الاعلى ۔

۴ - عبودیت

وما الذ عبوديتي لنفسك، وقد بلغت فيها الى مقام كلما اشاهد ارضا احب ان اكب بوجهي عليها خاضعا لوجهك وساجدا لنفسك فوعزتك لو لم اكن ناظرا الى قضائك المحتوم ما اظهرت نفسي الا بالعبودية الصرفة ............ ان الذين تجاوزوا عن عبوديتك اولئك ما وجدوا لذتها اسألك يا مالك ممالك البقاء بان توفقني واحبتي على خدمتك والعبودية في كل شأن لنفسك

(ادعیہ محبوب)

(زبان) سے بدلا جاتا ہے تو زمین اور آسمانوں کی مخلوق گھبرا اٹھتی ہے سوائے اس کے جس کی نظر افق اعلیٰ کی طرف لگی ہوتی ہے۔

اے اللہ تیری بندگی میرے لئے کس قدر لذیذ ہے! اور میں تیری بندگی کے اس مقام پر پہنچا ہوں، کہ ہر بار جب میں زمین کو دیکھتا ہوں، تو چاہتا ہوں کہ اس پر تیرے حضور عاجزی کرتا ہوا منہ کے بل سجدہ میں گر جاؤں، تیری عزت کی قسم اگر تیری نہ پلٹنے والی قضا پر میری نظر نہ ہوتی تو میں عبودیت محضہ کے سوا کسی چیز کا اظہار نہ کرتا ........

وہ لوگ جو تیری بندگی اختیار نہیں کرتے، انہوں نے تیری بندگی کی لذت کو چکھا ہی نہیں، اے ممالک بقا کے مالک میں تجھ سے سوال کرتا ہوں، کہ مجھے اور میرے احباب کو ہر حال میں اپنی بندگی اور اپنے امر کی خدمت کی توفیق عطا فرما۔

۵ - نہ اقرار ہے نہ دعویٰ الوہیت

اسمع ما قاله الظالمون في ايامي

سن! کہ ظالم میرے زمانے میں کیا کہتے ہیں، بعض کہتے ہیں کہ میں نے خدا پر افترا کیا ہے۔

بعضهم قال انه افترای علی الله
ومنهم من قال انه ادعی
الربوبیة ٥ (تجلیات)
قل ویل لکم بما یخرج من
افواهکم ان کانت الآیات
مفتریات فبای حجة امنتم
بالله، فأتوبها ان کنتم
تفقهون ٥ کلما نزلنا علیهم
آیات بینات کفروا بها
واذا رأوا ما عجز عن الاتیان
بمثله کل الوری قالوا هذا
سحر ، (سورة الهیکل)

اور بعض کہتے ہیں، کہ میں نے
رب ہونے کا دعوے
کیا ہے ۔
کہہ کہ جو تمہارے منہ سے نکلتا ہے
اس کی وجہ سے تم پر افسوس، اگر آیات
جھوٹ موٹ بنائی جا سکتی ہیں تو تم
اس سے پہلے کس دلیل سے اللہ پر
ایمان لائے تھے؟ اگر تم سمجھدار ہو
تو وہ دلیل پیش کرو، ہر بار جب ہم نے
ان پر کھلی کھلی آیات نازل کیں، انہوں
نے ان کا انکار کر دیا ۔ اور جب دیکھا
کہ تمام مخلوقات ان کی نقل لانے سے عاجز
ہے تو کہہ دیا کہ یہ جادو ہے،

| ٤، اپنی نہیں خدا کی بڑائی ہے | قل انی ما اردت وصف نفسی بل نفس |
| --- | --- |

الله، لو کنتم من المنصفین،
لا یرای فی الا الله وامره
لو کنتم من المتبصرین ٥
قل انی انا المذکور بلسان
الشعیا وزین باسمی التوراة

کہہ دے میں نے اپنے نفس کی تعریف
کرنی نہیں چاہی بلکہ میرا مقصود
ذات الٰہی کی تعریف ہے، کاش تم
منصفین میں سے ہوتے، خدا اور
اس کے امر کے سوا مجھ میں کچھ نہیں دیکھا
جاتا، کاش تم اہل بصیرت میں سے
ہوتے، کہہ دے میں وہی ہوں جس کا
ذکر اشعیا نبی کی زبان سے ہوا اور

والانجیل، کذلک قضی الامر
فی الواح ربکم الرحمٰن انہ
شہد لی وانا اشہد لہ،
واللہ علی ما اقول شہید
(مبین ص۹)

## توریت میں پیشگوئی

جاء الرب
من سینا واشرق لہم من
سعیر وتلألأ من جبل فاران
واتی من ربوات القدس
وعن یمینہ نار شریعۃ لہم

## اشعیا نبی کی پیشگوئی

بدیع علیہ
مجد لبنان بہاء کرمل وشارون
ہم یرون مجد الرب بہاء
الہنا (اشعیا باب ۳۵)

میرے نام سے توراۃ وانجیل مزین
ہوئیں، تمہارے پروردگار رحمٰن
کی الواح میں ایسا ہی فیصلہ ہوا ہے،
اس خدا نے میری گواہی دی، میں اس کی
گواہی دیتا ہوں، اور خدا حاضر و ناظر
میری باتوں کا گواہ ہے۔

خدا سینا سے آیا، (حضرت موسیٰؑ)
سعیر سے چمکا (حضرت عیسیٰؑ) فاران
سے روشن ہوا (حضرت محمد صلعم) اور
بیت المقدس کے ٹیلوں پر آ پہنچا (حضرت
بہاء اللہ) اور ان کے داہنے ہاتھ پر
شریعت کی آگ لوگوں کے لئے روشن ہے،
لبنان کی بزرگی، کرمل و شارون کا
جلال انہیں واپس ملے گا، اور لوگ
دیکھیں گے، خداوند کے جلال، اور
ہمارے بہاء اللہ کو۔

مذکورہ حوالوں سے ذیل کی باتیں ظاہر ہیں، (۱) خدا لا یدرک لا یوصف
منزہ عن الکل ہے۔ (۲) وہ ہمیشہ سے ہدایت خلق کے لئے رسول مبعوث فرما
رہا ہے۔ ہر رسول اس کا مظہر کامل اور قائم مقام ہوتا ہے۔ جس کی اطاعت عین
اطاعت اللہ ہے۔ رسول کو الٰہی حجت نامہ عطا کی جاتی ہے کہ سارا دنیا اس
کی مثل لانے سے عاجز ہوتی ہے (۳) تمام رسولوں کی حقیقت [illegible] ہے،

ان کے نام اور شخصیتیں اس حقیقت کے لئے بمنزلہ لباس کے ہیں، جب لباس بدلا جاتا ہے لوگ اسی سابقہ حقیقت کو نئے لباس میں شناخت کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔ سوائے ان کے جن کی توجہ افق اعلیٰ کی طرف ہے۔ (۴) حضرت بہاء اللہ بھی مظاہر الٰہی میں سے ہیں، خدا کے تا تمقام ہیں، سابقہ مظاہر کی طرح ہی مبعوث ہوئے ہیں اور انہی کی طرح آپ پر آیات نازل ہوتی ہیں۔ (۵) جناب بہاء اللہ عبودیت کے انتہائی مقام پر ہیں، اور اگر آپ کے بس کی بات ہوتی، تو آپ عبودیت محضہ کے سوا کچھ اظہار نہ کرتے۔ (۶) جناب بہاء اللہ اپنی نہیں بلکہ خدا کی بڑائی بیان کرتے ہیں، آپ کی ذات درمیان نہیں، آپ فنا اور بقا باللہ کے اس مقام پر ہیں، جہاں آپ کا اپنا کچھ باقی نہیں رہا۔ اور خدا ہی خدا جلوہ گر ہے، آپ کی ہر حرکت و سکون مشیت ایزدی کے ماتحت ہے۔ (۷) افترا علی اللہ اور دعوئے الوہیت کے الزام غلط ہیں، اگر آپ افترا کر رہے ہیں، تو دنیا آپ کی مثل لانے سے کیوں عاجز ہے؟ (۸) آپ کا ذکر صحف سابقہ میں ہے۔

غرض بہاء اللہ اگر مظہر الٰہی ہونے کے دعویدار ہیں یا مخالفین کے نزدیک خدائی کا دعویٰ کر رہے تو ایسا دعویٰ وہ صرف اپنے لئے ہی نہیں کر رہے بلکہ تمام رسولوں کے لئے یکساں کر رہے ہیں۔ اور صاف فرماتے ہیں کہ مظہریت اور رسالت ایک ہی چیز ہے۔ یہی جواب حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے یہودیوں کو دیا تھا، کہ جس معنی میں میں اپنے آپ کو خدا کا بیٹا کہتا ہوں، ہر پیغمبر جس پر خدا کا کلام نازل ہوا خدا کا بیٹا ہے،

جناب بہاء اللہ نے دنیا کو بر وقت متنبہ کیا تھا، کہ تم ہلاکت کی طرف جا رہے ہو، اگر تم باز نہ آئے تو تمہیں ایسے مصائب کا سامنا کرنا پڑے گا

جس کی نظیر کسی آنکھ نے نہیں دیکھی، قرآن شریف نے بھی بتایا تھا، کہ یاجوج
ماجوج کے زمانہ میں جو آیات اللہ نازل ہوں گی، ان کا انکار کرنے والوں
کے سامنے جہنم پیش کر دی جائے گی، اس زمانے کے ہر شخص نے اس جہنم کو اپنی
آنکھوں سے دیکھ لیا ہے اور کچھ شک نہیں کہ اس سے وہ تباہی نسل انسانی
پر آئی جس کی مثال تاریخ میں قطعاً مفقود ہے، چونکہ یہ جہنم جنگوں سے پیدا
ہوئی، ظاہر ہے، کہ اگر جناب بہاء اللہ کے اتحادِ عالم اور صلح اکبر کے پروگرام
کو قبول کر لیا جاتا، تو یہ جہنم پیدا نہ ہوتی، آئندہ بھی جب تک دنیا تعصباتِ
انسانی کی بنا پر مذہبی طور صلح نہیں کر لیتی، اس جہنم سے نجات کی کوئی
راہ نہیں۔ خدا کی اس فعلی شہادت سے بڑھ کر کونسی شہادت آپکی سچائی پر مطلوب ہے؟

اگر اس سے بھی تشفی نہ ہو تو آپ کو رسول کے جامع مانع معیار پر پرکھیں
اگر آپ اس پر پورے اتر گئے، تو عیاں ہو جائے گا کہ آپ کو دعوے الوہیت
کا الزام دینے والے غلطی پر ہیں، کیونکہ یہ نہیں ہو سکتا، کہ خدائی کا جھوٹا
دعویدار سچے رسول کے معیار پر پورا اتر جائے، اگر ایسا ہو جائے، تو
سچے اور جھوٹے میں فرق نہ رہے اور سچوں کی سچائی بھی مشتبہ ہو جائے۔
اگر آپ اس معیار پر پورا نہ اترے تو جھوٹے ہیں، پھر دعویٰ خواہ خدائی
کا ہو خواہ رسالت کا قابل التفات نہیں ۔

میں خدا کو حاضر ناظر جان کر گواہی دیتا ہوں کہ میں نے یہ کوشش خالصاً
لوجہ اللہ کی ہے، اور مقصد یہ ہے کہ میرا اور تمام مسلمان بھائیوں کا
قدم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم سے پھسل نہ جائے، میں
دعا کرتا ہوں کہ خدا ناظرین کرام کو توفیق عطا فرمائے کہ وہ اس کتاب کو اسی نظر
سے دیکھیں جس سے کہ میں نے اسے لکھا ہے۔ آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

URDU STACKS
DATE
No.
DATE
No.
18-9-63
409
24 JAN 67
2394
24 JAN 67
194
3374